مجموعہ

درس قرآن مجید مدلل

بابت سال اوّل

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ

ترجمہ
بے شک ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کر دیا ہے۔
کیا کوئی نصیحت حاصل کرنیوالا ہے؟

درسِ قرآن مجید مدلّل

پہلا سالانہ مجموعہ

از

قاضی محمد زاہد الحسینی

مرتبہ ــــــ محمد عثمان غنی بی اے

شائع کردہ

دارالارشاد کیمبلپور (پاکستان)

بار دوم ــــــ قیمت چار روپیہ چار آنے
(منظور عام پریس پشاور)

دیباچہ (طبع دوم)

اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ ایک گنہ گار کو اپنے کلام مجید سے محبت اور تعلق پیدا کرنے کی توفیق بخشی اسی کی رحمت اور ذرہ نوازی نے خدمت قرآن مجید کے کئی مواقع میسر فرمائے۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

ان ہی میں سے واہ کینٹ کا درس قرآن مجید ہے۔ جو وہاں کے مخلص منتظم بھائیوں کی ہمت سے دن بدن قبولیت حاصل کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کو سننے اور اس کا ترجمہ سمجھنے اور اس قرآنی محفل میں حاضر ہونے کے لئے دُور دراز سے خوش بخت حضرات تشریف لے آتے ہیں۔ ان احباب اور بہنوں کی تجویز پر درس قرآن کتابی شکل میں شائع ہوا جس نے بہت زیادہ قبولیت حاصل کرلی۔ سال اوّل کا مجموعہ درس ختم ہوا تو احباب کے تقاضا پر اب دوبارہ شائع کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین! اس اشاعت میں اس امر کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ درس قرآن دیتے وقت مضمون کی آمد کو باحوالہ درج کر دیا گیا ہے تاکہ پڑھنے اور سننے والے حضرات کے علم میں مزید اضافہ ہو جائے۔ واللہ الموفق

محمد زاہد الحسینی غفرلہ

مقدمہ

از محمد عثمان غنی بی اے، منتظم درس قرآن گوالہ کینٹ

قرآن مجید وہ مصحف مقدس ہے جس کی بندے حفاظت کریں یا نہ کریں اس کا محافظ خود اللہ جلشانہ ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ[1] ہر دور میں اللہ تعالیٰ کے خاص بندے قرآن پاک کی خدمت کرتے رہتے ہیں اور ان کو یہی فکر دامنگیر رہتی ہے کہ احکم الحاکمین کا یہ پیغام مخلوق خدا کے کانوں تک آسان سے آسان طریقہ سے پہنچ جائے اور اس کے لئے وہ شب و روز سرگرم عمل رہتے ہیں اور وہ اپنے اخلاص کی برکت سے اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے ہیں اس لئے کہ وہ خود قرآنی تعلیمات پر عمل کرنے والے اور نور باطن سے مشرف ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب مدظلہٗ کی تازہ ترین تصنیف "تذکرۃ المفسرین" جلد اول کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے مفسر قرآن کے لئے سب سے زیادہ ضرورت نور باطن کی ہے۔ اگر ایک انسان علوم لسانی اور فنون عقلیہ سے بہرہ ور بھی ہو مگر اس کا عمل سراسر تعلیمات قرآنی کے مخالف

---

[1] الحجر ع ۹ پ ۱۴ ع ۲

ہو تو وہ قرآنی معارف کو نہیں سمجھ سکتا۔ اس کی تفسیر سے نورِ ہدایت نہ پھیل سکے گا۔ اور نہ ہی وہ مفسر خود بھی قرآنی معارف سے آشنا ہو سکے گا۔ اور یہ اثر عمل کی قوت اور کمزوری کے اعتبار سے قوی اور کمزور رہے گا۔ اگر تزکیۂ باطن نہ ہو تو تلاوتِ آیاتِ الٰہیہ اور تعلیم کتاب کے باوجود اتباعِ رسالت کا جذبہ پیدا ہونا مشکل رہے گا۔ ایسے مفسر القرآن سے احتراز لازم ہے۔ جس کا خود قرآن پر عمل نہ ہو اور وہ نورِ باطن اور تزکیۂ نفس سے مشرف نہ ہو۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا ارشاد گرامی ہے۔ تمہیں ایسے لوگ بھی ملیں گے جو تم کو قرآن کی طرف بلائیں گے لیکن ان کا اپنا یہ حال ہوگا کہ انھوں نے عملی طور سے قرآن کریم کو پس پشت ڈال دیا ہوگا[1]۔ ایسے لوگوں سے بچو اور قرآن کی تفسیر کو علم دین کے ذریعے سے سمجھو۔" مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا عبید اللہ صاحب انور مدظلہ کا تعارف کراتے ہوئے حضرت قاضی صاحب موصوف نے فرمایا تھا کہ لوگو جس شیشے کے پیچھے پارا نہ ہو اس میں شکل نظر نہیں آتی۔ قاضی صاحب کا مفہوم یہ تھا کہ ان علمائے حقہ کے پیچھے عمل کا پارا ہے۔ اس لئے یہ حضرات رشد و ہدایت کی مسندوں پر فائز ہیں۔

قرآن کی خدمت کرنے والی ایک ہستی ہم گنہ گاروں نے بھی اس زمانہ میں دیکھی ہے وہ عالی مرتبہ شخصیت تھی حضرت مرشدنا و مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی۔ آپؒ نے ۴۵ سال درس قرآن دیا۔ اور دین حقہ کی اشاعت کرتے رہے۔ اس کا نتیجہ آج ہمارے سامنے ہے۔ کہ ان کی وفات کے بعد ایک دنیا ہے جو اُن کے صاحبزادوں اور ان کی روحانی اولاد یعنی مجازین حضرات کی طرف لپک رہی ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے۔ کہ یہاں اخلاص ہی اخلاص ہے۔ کوئی غرض یا طمع نہیں ہے۔ بس ایک ہی لگن ہے کہ اللہ کی مخلوق اپنے خالق سے جڑ جائے۔

1 تذکرۃ المفسرین صفحہ ۲۵

اور شیاطین کے پھندوں سے آزاد ہو جاتے۔

واہ کینٹ میں تعلیم یافتہ طبقہ کثرت سے آباد ہے۔ اور اکثر لوگ بیرونی ممالک سے بھی تعلیم پا چکے ہیں۔ ان مکتب احباب کی خوش قسمتی کہ ہم نے اکتوبر ۱۹۶۴ئ میں حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب پروفیسر گورنمنٹ کالج کیمبلپور و خلیفہ مجاز حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمتہ اللہ علیہ (جن کے متعلق ہمارے مرشد نور اللہ مرقدہ نے فرمایا۔ قاضی صاحب موجودہ دور کے ان علماء کرام میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے کتاب و سنت کے سمجھنے کے لئے ایک خصوصی ملکہ عطا فرمایا ہے[1]) کی خدمت میں ایک تجویز رکھی کہ اگر آپ ہمارے احباب کو روحانی اور دینی باتیں چند لمحات فارغ کر کے ماہ بماہ سنا دیا کریں اور پھر یہی ارشادات ہماری جماعت کے سہ ماہی جریدہ "خدام الدین" میں شائع ہو کر تمام لوگوں تک پہنچا کریں تو اچھا ہو۔ حضرت قاضی صاحب نے یہ درخواست منظور فرمالی اور ماہ نومبر ۱۹۶۴ئ سے یہ درس قرآن شروع ہو گیا۔ طے پایا کہ ہر ماہ کے آخری اتوار کو قاضی صاحب تشریف لایا کریں گے۔ اور ایک گھنٹے کا درس ہوا کرے گا۔ الحمد للہ یہ درس بلا ناغہ ہو رہا ہے۔ اور قرآن پاک کی برکت اور حضرت قاضی صاحب کے اخلاص کے ثمرات ہماری آنکھیں دیکھ رہی ہیں درس میں آدمی زیادہ ہوتے ہیں اور جگہ کم۔ آج تک حضرت قاضی صاحب نے حضرت لاہوری رحمتہ اللہ علیہ کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے واہ کینٹ کے احباب سے ایک پیسہ کرایہ یا ہدیہ کے نام پر نہیں لیا۔ اور بڑی شفقت سے ہر ماہ درس دے رہے ہیں۔ مستورات بھی اس درس سے مستفید ہو رہی

---

[1] تقریظ معارف القرآن صـ۶

ہیں۔ اور الحمد للہ درس سے فائدہ کافی ہو رہا ہے۔ نومبر ۱۹۶۵ء سے ہم دوسرے سال میں داخل ہو رہے ہیں۔ اور احباب کے اصرار پر ہم نومبر ۱۹۶۴ء سے اکتوبر ۱۹۶۵ء تک کے یہ درس اس کتاب کی شکل میں پیش کر رہے ہیں۔ اللہ تعالے قبول فرماویں۔ اور حضرت قاضی صاحب مدظلہ کی عمر میں اور صحت میں برکت عطا فرماویں۔ تاکہ یہ سلسلہ خیر تادیر قائم رہے آمین

احقر محمد عثمان غنی بی اے
واہ کینٹ

۱۲ر نومبر ۱۹۶۵ء

کلمات برکت و دعا از جانشین شیخ التفسیر مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم امیر خدام الدین

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ[1] (تم میں سے وہ شخص بہتر ہے جو قرآن پڑھتا ہے اور پڑھاتا ہے) ہمارے محترم قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب ماشاء اللہ فاضل دیوبند ہیں اور متعدد کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ اور ادھر دور حاضر کے قطب حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کے خلفائے مجاز میں سے ہیں۔ الحمد للہ! وہ کیمبلپور میں بھی درس و تدریس اور خطابت کے ذریعے احکام الٰہی کی نشر و اشاعت میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ اب وہ کچھ عرصہ سے اپنی جماعت کی دعوت پر ہر ماہ کے آخری اتوار کو واہ کینٹ میں درس قرآن مجید کے لئے تشریف لے جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ سلسلہ دن بدن مقبول ہو رہا ہے۔ اس درس کے مضامین کو بعد میں مرتب کرکے ہمارے احباب ہفت روزہ خدام الدین میں شائع کروا رہے ہیں۔ اس طرح استفادہ کئی گنا بڑھ گیا ہے۔ صاحب موصوف کی یہ انتہائی خوش قسمتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن سے اپنے کلام پاک کی خدمت لے رہے ہیں ؎

این سعادت بزور بازو نیست ۔۔۔ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ہمارے دل سے تو بے ساختہ دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ قاضی صاحب کو تادم زیست اشاعتِ اسلام اور خدمت قرآن کی توفیق ارزانی فرمائے۔ اور اہل اسلام کو زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے کی سعادت نصیب فرمائے۔

(دستخط) عبید اللہ انور
امیر انجمن خدام الدین لاہور

[1] بخاری

پہلا اور دوسرا درس

منعقدہ رجب شعبان ۱۳۸۴ھ۔ نومبر، دسمبر ۱۹۶۴ء

سورۂ فاتحہ

تفصیلی درس تو آگے آرہا ہے۔ یہاں اور اسی طرح ہر درس سے پہلے اس کا اجمالی جوہر پیش کیا جاتا ہے۔ تاکہ پڑھنے والے حضرات درس کی جامعیت اور اس کے فوائد سے پہلے مجمل طور پر واقف ہوجائیں۔ اور پھر تشریح کو سمجھ سکیں۔ ان دو درسوں کو یکجا کر دیا ہے۔ تاکہ سورہ فاتحہ کا پورا مطلب ذہن نشین ہوسکے۔ یہ درس مندرجہ ذیل مسائل اور حقائق پر مشتمل ہے۔

قرآن کریم کا نام بھی اعجاز کا حامل ہے
سورہ فاتحہ کی اہمیت و عظمت
ایمان بالصفات کی ضرورت۔ شرک کی بنیاد
یوم آخر کی عظمت اور ہیبت، عبادت اور استعانت کا ربط
انابت اور اجتبا یعنی ہدایت اور اعطاء نبوت
انبیاء علیہم السلام کے عقیدہ کی پختگی اور اعتماد علی اللہ۔ ایک آیت کی

بہتون تفسیر

حضرت یونس علیہ السلام کا سفر ہجرت

اسباب کا بنانا۔ان سے کام لینا اللہ کا حکم ہے۔مگر اعتماد اور بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر رہے۔

اس پر حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کی شہادت

جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم امام الانبیاء ہیں۔اگرچہ جسمانی ظہور آخر میں ہوا

اسلام تقلید سلف سے قائم ہے

اسلام صدیقیت اور شہادت قرآنی تعلیم کی روشنی میں

ملی شعار کا تحفظ بڑی عبادت ہے

دور حاضر میں بھی یہود و نصاریٰ اور ہنود سے باخبر رہنے کی ضرورت

علمی فوائد جو ان اوراق میں مذکور ہیں

توقیف کا معنیٰ

التفات کا فائدہ

قرآن مجید میں لفظ قدر کا استعمال اور اس کے معانی

ہدایت کے دو معنی اور ان کی تشریح

واللہ الموفق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلیّ علیٰ رسولہ الکریم!

میرے محترم دوستو اور بھائیو! اللہ کا یہ فضل و کرم ہے کہ اس نے مجھے اور آپ کو اس نہایت پاکیزہ مجلس میں حاضر ہونے کی سعادت بخشی۔ ہم سب یہاں قرآن سیکھنے اور سنانے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ اللہ تعالےٰ عمل کی توفیق عطا فرما دیں۔ قرآن سارے کا سارا[1] شفا اور رحمت ہے۔ اس دنیا کی زندگی، قبر کی زندگی، برزخ کی زندگی، اجتماعی زندگی، انفرادی زندگی۔ ہر شعبہ کا بیان واضح طور پر قرآن میں موجود ہے۔ لفظ قرآن کی تشریح عربی زبان[2] میں اس طرح بیان کی گئی ہے جیسا کہ ایک حوض میں پانی بھر دیا جائے۔ اسی طرح قرآن بھی تمام ہدایت سے پُر ہے اللہ نے کوئی ہدایت باقی نہیں چھوڑی فرمایا۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط (المائدہ ۳) اگر کوئی ہدایت باقی رہ جاتی تو کسی نئے نبی کی ضرورت ہوتی۔ یہ اسلام ہی وہ دین ہے جس کا منبع اور مخزن قرآن ہے۔ زندگی کے ہر موڑ اور ہر راستے کی رہنمائی کے لئے قرآنی تعلیمات موجود ہیں۔ اسی طرح قرآن قرأت سے مشتق ہے۔ قرأت کے معنی پڑھنا۔ قرآن کے نام میں بھی اعجاز ہے۔

---

[1] بنی اسرائیل ۸۲ [2] المشوق لابن القیم ۱۰۲

ب نازل ہوا اس وقت اس کے پڑھنے اور سننے والے خال خال تھے۔ کفارِ مکہ
ہتے تھے کہ یہ قرآن دنیا میں باقی نہ رہے۔ اور جلد از جلد مٹ جائے۔ حضرت
ن عباس رضؓ کا قول ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی مرتبہ مردم شماری کی تو
اری تعداد چھ سو تھی۔ ہم اتنے خوش ہوئے کہ ہمیں دنیا کی کوئی طاقت نہیں مٹا سکتی
ار مسلمانوں کو قرآن کے پڑھنے اور سننے سے روکتے تھے۔ اُن کو کیا معلوم تھا۔ کہ اس
ام ہی قرآن ہے یعنی سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب۔ چنانچہ آپ دیکھ
ں جتنا قرآن پڑھا جاتا ہے اتنی پڑھی جانے والی کتاب کوئی نہیں۔ جتنی اس کی تلاوت
تی ہے کسی کتاب کی نہیں ہوتی۔ ہر مسلمان نماز میں قرآن پڑھتا ہے۔ کچھ نہیں تو دس فی
صد یا پانچ فی صد تو ضرور ہوں گے۔ جو صبح تلاوت کرتے ہیں۔ جتنی تعظیم اس قرآن
ب ہے کسی کتاب کی نہیں۔ لوگ احترام سے قرآن کو چومتے ہیں۔ آنکھوں سے لگاتے ہیں
ر پہ رکھتے ہیں مٹے والے تو تیار نہ تھے۔ مگر آج دنیا کے ہر کونے میں قرآن پڑھنے والے
چود ہیں۔

امام الانبیاء جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا کہ قرآن کی سورۂ
خلاص ایک دفعہ پڑھ لی جائے تو ایک تہائی قرآن کا ثواب ہے۔ اسی طرح فرمایا۔
قرآن کا دل سورۂ یٰسٓ ہے۔ ہر چیز کی زینت ہوتی ہے اور قرآن کی زینت سورۂ الرحمٰن
ہے۔ اب یہ سمجھئے کہ سارے قرآن کریم کے معانی اور معارف کا خلاصہ سورۂ فاتحہ
ں ہے۔ مسلم اور بخاری کی حدیث قدسی میں سورۂ فاتحہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا
رشاد ہے کہ یہ سورت میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے۔ میں اپنے

لہ مشکوٰۃ شریف باب فضائل القرآن

بندے کو وہ دیتا ہوں جو وہ مانگتا ہے۔ اس سورت کی ساڑھے تین آیات میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ہے اور ساڑھے تین آیات میں بندہ اپنے اللہ سے دعائیں مانگتا ہے اور درخواستیں پیش کرتا ہے۔ ترمذی شریف میں ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب سورہ فاتحہ پڑھتے تو ہر آیت پر وقف فرماتے۔ وجہ یہ تھی کہ بندہ جب اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ پڑھتا ہے۔ تو اللہ کی طرف سے جواب ملتا ہے کہ میرے بندے نے میری تعریف کی حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اسی طرح سورہ فاتحہ کی ہر آیت پر ٹھہرا کرتے تھے۔

سورہ فاتحہ کو السبع المثانی بھی فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ اے میرے حبیب (صلی اللہ علیک وسلم)! ہم نے تجھے سبع مثانی عطا فرمائی (سورہ الحجر آیت ۸۷) سبع سات کو کہتے ہیں اور مثانی اس کو کہتے ہیں جو بار بار پڑھا جائے۔ سورہ فاتحہ کی ساتوں آیتیں بار بار پڑھی جاتی ہیں۔ بعض علماء[1] نے لکھا ہے کہ سورہ فاتحہ دو دفعہ نازل ہوئی ایک دفعہ قرآن کی سب سورتوں سے پہلے اور ایک دفعہ پورے قرآن میں اسلئے قرآن کی سورتوں کے ناموں میں کوئی رد و بدل نہیں ہو سکتا امت کو کوئی اختیار نہیں۔ مثلاً آج اگر کوئی سورہ فاتحہ کا نام بدل کر سورت نمبر ۱ یا سورہ بقرہ کا نام بدل کر سورہ نمبر ۲ لکھ دے۔ یہ تو جن پر نازل ہوا ہے وہی نام رکھ سکتے ہیں امت میں سے اور کسی کو یہ حق حاصل نہیں۔

یہ بہت اہم سورت ہے اس کے پڑھنے اور سمجھنے کی بہت تاکید آئی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ فاتحہ کو اُمّ القرآن یعنی قرآن کی ماں بھی فرمایا ہے

---

[1] مدارک

سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز پوری نہیں ہوتی۔ اگر امام کے پیچھے ہے۔ تو امام کی قرأت ہی
مقتدی کی قرأت ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نماز میں سورۃ فاتحہ کی قرأت کو
واجب قرار دیتے ہیں۔ اور امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ تو جنازے میں بھی پڑھنے کا حکم دیتے
ہیں۔

آپ حضرات تو پڑھے لکھے اور اچھے ماحول میں رہتے ہیں اور جانتے ہی ہیں
کہ قرآن پڑھنے سے پہلے تعوذ پڑھنا چاہیئے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:۔

فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ
الرَّجِيْمِ ۝ (النحل ۹۸)

ہر چیز کے چور ہوتے ہیں۔ کتابوں کا چور کوئی طالب علم ہی ہو گا۔ لوہاروں کے
اوزاروں کا چور کوئی لوہار ہی ہو گا۔ دفتر کے سامان کا چور کوئی دفتر کا ملازم ہی ہو
گا۔ اسی طرح قرآن کا چور شیطان ہے اسے خوب معلوم ہے کہ جو قرآن پڑھ جائیں
گے وہ میرے نرغے سے نکل جائیں گے۔ اسی لئے قرآن کے پڑھنے سے پہلے اللہ تعالیٰ
کے ہاں شیطان کے مکروں سے پناہ لینا ضروری ہے۔ تلاوت قرآن کریم اور اس
پر عمل کرنے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ شیطانی وسوسے ہوا کرتے ہیں۔ اس
لئے تلاوت سے پہلے اللہ تعالیٰ کی پناہ حاصل کرنے کی دعا کرے۔ شیطان کے مردود
ہونے کی وجہ یہی ہے جیسا کہ قرآن کریم کی آخری سورۃ الناس میں ارشاد فرمایا۔ کہ
اس خطرناک وسوسہ ڈالنے والے سے پناہ طلب کرو۔ جو خود تو نظر نہیں آتا مگر دلوں
میں شبہات ڈال دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس گھر میں قرآن
کی تلاوت ہو وہ آباد گھر ہے۔ اور جہاں قرآن نہ پڑھا جائے وہ ویران[1] گھر ہے وہاں

۱؎ مشکوٰۃ

شیطان ڈیرہ لگا لیتا ہے۔ یاد رہے قرآن کریم کی تلاوت اللہ تعالٰے کو اتنی محبوب ہے کہ تلاوت کرنے والے کو بن مانگے دیتے ہیں۔ صحیح حدیثوں میں ہے اور ہمارا عمل بھی ہے کہ ہم ہر عبادت کے بعد دعا مانگتے ہیں لیکن حدیث قدسی میں اللہ تعالے فرماتے ہیں۔ میرے بندے کو قرآن کی تلاوت اس حد تک مشغول رکھے کہ دعا کا بھی نہ ملے تو اس کو میں وہ دیتا ہوں جو اسکے دل میں ہوتا ہے[1]۔ مثلاً کوئی شخص تلاوت میں اس قدر مشغول ہے کہ وہ دعا مانگنے کے لئے تین چار منٹ بھی تلاوت نہیں چھوڑتا کہ میرا یہ وقت بھی تلاوت میں ہی صرف ہو۔ اُس کی یہ ادا اللہ کے ہاں بہت مقبول ہے۔

اعوذ کے بعد تسمیہ ہے یعنی شیطان کے حملوں سے بچاؤ کے لئے اللہ تعالٰے کے حضور پہنچے۔ اور اب اس کام کو اسی کے نام سے شروع کردے تاکہ اس میں برکت ہمیشہ رہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (شروع ساتھ نام اللہ کے جو نہایت مہربان بخشنے والا ہے)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ - آل (سب) کو کہتے ہیں جیسے انگریزی میں آل (ALL) حمد (تعریف) ل (واسطے) (یہ لام استحقاق ہے) (اللہ) (یہ اللہ کا اسم ذات ہے) رب (پالنے والا) عالم (ما سوی اللہ کو کہتے ہیں) (اللہ کے سوا ساری کائنات) ترجمہ یوں ہوا (تمام تعریفیں، سب حمدیں اللہ کا حق ہیں۔ وہ اللہ جو پالنے والا ہے۔ تربیت کرنے والا ہے تمام جہانوں کا)

---

[1] مشکوٰۃ

اکابر علمائے اسلام نے لکھا ہے کہ تمام تعریفیں حق ہیں اللہ کا۔ اگر کوئی آدمی یہ حق سلب کرے گا تو ظلم کا مرتکب ہوگا اور ظلم کی تشریح قرآن نے کی ہے۔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (لقمن ۱۳) شرک بہت بڑا ظلم ہے، تعریف اسی کی ہوتی ہے جو پالتا ہے بڑے پیارے معنی ہیں۔ اسلام ربّ کا فلسفہ سمجھانے کے لئے آیا ہے۔ جس چکر میں ہم آج پڑے ہیں، ہر نبی نے اپنی امت کو ربّ کا مسئلہ سمجھایا۔ حضرت[1] ابراہیم علیہ السلام نے بھی مشرکین سے مقابلہ کیا اور ربّ کے مسئلہ پر ثابت قدم رہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی فرعون کا دعوے اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى (والنازعات ۲۴) جھٹلایا اور اس کا مقابلہ کیا۔ ربّ وہی ہے وہ چاہے تو دشمنوں سے پلوا دے جیسے (موسیٰ علیہ السلام کو) اور چاہے تو باپ سے بھی نکلوا دے (جیسے نوح علیہ السلام کے بیٹے کو) قرآن شریف میں لفظ ربّ ۹۷۰ دفعہ آیا ہے۔ ربوبیت کا مسئلہ زیادہ اہم ہے۔ آپ دوست جانتے ہی ہوں گے اسلامی عقیدہ کے ماتحت صحیح احادیث جو تواتر کے درجہ کو پہنچ چکی ہیں۔ سب کا یہی اجتماعی عقیدہ ہے کہ قبر (مٹی کا ڈھیر ہو یا دریا۔ جہاں بھی انسان دفن کیا جائے) اُس کی روح کو پھر لوٹایا جاتا ہے اور اس سے تین[2] سوال ہوتے ہیں۔ پہلا سوال یہ ہوتا ہے۔ مَنْ رَّبُّكَ (تیرا رب کون ہے؟) یہ نہیں پوچھتے تیرا مالک یا تیرا خالق کون ہے؟ اسی طرح سب سے پہلی وحی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اُتری اُس کے الفاظ بھی یہ تھے اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ (اس رب کے نام سے پڑھئے جس نے پیدا کیا۔ نماز میں ہم بار بار ربّ کا لفظ

---

[1] بقرہ ۲۵۸ [2] مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر

پڑھتے ہیں۔ پہلے سورۂ فاتحہ میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (ایک مرتبہ) پھر رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم (تین مرتبہ) پھر دو سجدوں میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی (چھ مرتبہ) کل دس دفعہ فی رکعت غیر مؤکدہ سنتوں اور نوافل کو چھوڑ کر فجر کی سنتوں سے لے کر عشاء کے وتروں تک ۳۲ رکعتیں بنتی ہیں۔ لہٰذا اُن خوش نصیبوں کو چھوڑ کر جو نوافل پڑھتے ہیں یا اشراق اوابین اور تہجد ادا کرتے ہیں۔ ہم جیسے گنہ گار دن میں کم از کم ۱۰ × ۳۲ = ۳۲۰ بار اللہ تعالیٰ کو رب ماننے کا اقرار کرتے ہیں۔ اسی طرح مہینوں، سالوں اور اپنی عمر کا حساب لگالیں مسلمانوں کے ذہن میں اللہ تعالےٰ نے بٹھایا کہ رب وہ ہے تو تعریف بھی اسی کا حق ہے۔ اللہ کی ساری تعریفیں ماننے کے بعد اس کو رب بھی مانیں۔ جس طرح کوئی کہے کہ فلاں بڑا عالم ہے یا فلاں بڑا حسین و جمیل ہے جب اس کے علم یا حسن و جمال کی تعریف کرے گا۔ تو اس کے پیدا کرنے والے کی بھی تعریف کرے گا۔ عزت ذلت، شفاء، بیماری سب اللہ کے ہاتھ میں ہے پہلی قوموں نے جو شرک کیا۔ تو صفات میں آکر اُلجھ گئے۔ پہلے دینوں میں اوتاروں کا سلسلہ اسی نوعیت کا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ (تمام تعریفیں حق ہیں اللہ تعالےٰ کا) رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (وہ پالنے والا ہے سب جہانوں کا) جب پالنے والا وہ ہے تو تعریف بھی اُسی کی ہونی چاہیئے۔ یہ تسبیح اور تحمید اللہ کو اتنی پیاری ہے کہ حدیثوں میں آتا ہے کہ سب سے[1] پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کو چھینک آئی تو اُنھوں نے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ (تمام تعریفیں اللہ کا حق ہے۔) اُسی سنت کا حق ادا کرنے کے لئے حضور صلی

[1] مشکوٰۃ

اللہ علیہ وسلم نے اپنی امّت کو حکم دیا کہ جب کوئی چھینک مارے تو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہے (سوائے مزکوم کے) تنفس کا راستہ ناک ہے۔ ناک بڑی با اعتماد چیز ہے کہا جاتا ہے کہ فلاں رسم ادا نہ کی تو ناک کٹ جائے گی۔ تمدن میں ناک کو ایک خاص مقام حاصل ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو تمہارا بھائی پاس بیٹھا ہے وہ یَرْحَمُكَ اللّٰہ کہے (اللہ تجھ پر رحم کرے) چھینک مارنے سے بھی دو مسلمانوں میں محبت پیدا ہوتی ہے۔ جنتیوں کا آخری نعرہ بھی یہ ہوگا۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰاهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (یونس ۱۰) یہ الحمد للہ رب العلمین بڑا پیارا ارشاد ہے

مفسرین[1] قرآن نے فرمایا۔ اسلام سے پہلے دینوں میں لوگوں نے اللہ کو سمجھنے میں غلطی کی۔ ان لوگوں کی نظر میں سب سے زیادہ مہربان اَبْ (باپ) ہے۔ اسی لئے وہ پیغمبروں کو خدا کے بیٹے کہتے اور خدا کو باپ۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ مثال کے طور پر کسی شخص کے بیٹے کی ٹانگ میں ناسور ہو جائے اور ڈاکٹر کے پاس لے جائیں۔ تو ڈاکٹر کہتا ہے کہ اس کی ٹانگ کاٹوں تو بچے گا ورنہ ناسور سارے جسم میں پھیل جائے گا۔ باپ کہے گا ٹانگ نہ کاٹو۔ ڈاکٹر مریض کو اپریشن تھیٹر میں لے جائے گا۔ اور یہ کہے گا کہ اس بڈھے کو باہر لے جاؤ۔ معلوم ہوا کہ اَبْ کی شفقت کے مقابلہ میں ڈاکٹر کی شفقت زیادہ مفید ہے۔ اور رَبّ تو سب سے زیادہ شفیق ہے۔ وہ جس طرح چاہے پالے معلوم ہوا کہ اَبْ سے زیادہ رَبّ مہربان ہے۔ تو آج تک جتنی تعریفیں ہوئیں، جتنی تعریفیں ہو رہی ہیں یا ہو سکتی ہیں یا ہوں گی سب اللہ کے لئے ہیں۔

---

[1] بیضاوی تفسیر سورہ فاتحہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب قیامت کے دن اللہ تعالٰے مجھے شفاعت کی اجازت دیں گے تو میں اللہ تعالیٰ کی وہ تعریفیں کروں گا جو مجھے اب معلوم نہیں، اللہ تعالےٰ اس وقت بتائیں گے معلوم ہوا کہ تعلیم رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ جاری وساری ہے۔ شفاعت کا مقام بھی اللہ کی حمد و ثنا کے بعد ملتا ہے۔ اسی لئے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہنے کا حکم ہے۔ اوروں کی تعریف بھی ہو تو اسی لئے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے۔ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (نہایت مہربان بخشنے والا ہے) رب العلمین مجبور نہیں۔ اس نے اپنی رحمت کے ساتھ پیدا فرمایا ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ (الرحمٰن ۱-۲) فرمایا تمہاری تربیت بھی میری رحمت کا نتیجہ ہے۔ اس دنیا کی زندگی میں اللہ کی رحمت بڑی وسیع ہے مسلمانوں کو، کافروں کو، اپنے باغیوں اور سرکشوں کو سب کو روزی دیتا ہے۔ حضرت موسےٰ علیہ السلام نے درخواست کی تھی کہ اے اللہ! میری امت کو دونوں جہانوں میں نعمتیں اور کامیابیاں عطا فرما۔ اللہ تعالےٰ کی طرف سے ارشاد ہوا۔ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ (اعراف ۱۵۶) میری رحمت ہر چیز پر حاوی ہے۔ رَحِیْم (بخشنے والا) قرآن کریم میں آتا ہے۔ وَکَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا (احزاب ۴۳) اگر ان کا عقیدہ درست رہا تو اللہ تعالےٰ ان کے برے اعمال کے باوجود ان کو بخشیں گے۔ اللہ تعالےٰ نہایت مہربان ہے۔ گویا رحمٰن کا تعلق دنیاوی زندگی کے ساتھ اور رحیم کا تعلق اُخروی زندگی کے ساتھ ہے۔

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (مالک ہے بدلے کے دن کا۔ رحیمیت اور رحمٰنیت سے یہ نہ سمجھ لیں کہ اللہ تعالےٰ پوچھے گا ہی نہیں۔ اعمال کا پورا بدلہ دینے کے لئے ایک

دن مقرر فرمایا۔ اس دن بھی جو چاہے گا کرے گا۔ اس دن کوئی دوسرا کسی قسم کا دعویٰ نہیں کر سکے گا۔ اس کے رحمٰن اور رحیم ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی اطاعت نہ کی جائے قیامت کے دن ہر برے کو برائی کا اور نیکی والے کو نیکی کا بدلہ ملے گا۔ یہ ہر مسلمان کا اساسی عقیدہ ہے۔ اللہ تعالٰے ہر ایک چیز کا مالک ہے۔ وہ آج بھی مالک ہے مگر آج جس سے پوچھو یہ ٹوپی کس کی ہے؟ کہے گا میری ہے۔ یہ کوٹ کس کا ہے؟ میرا ہے۔ یہ بنگلہ کس کا ہے؟ میرا ہے۔ یہ ملک کس کا ہے؟ میرا ہے۔ لیکن قیامت کے روز اللہ تعالٰے پوچھیں گے لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ کوئی ہے جو اس دن دم مار سکے گا۔ اس دن سارے کے سارے انسان سَلِّمْ سَلِّمْ پکارتے ہوں گے (اے اللہ! سلامت رکھ۔ اے اللہ! سلامت رکھ' اے اللہ! بچا! اے اللہ! بچا' اے اللہ! بچا۔ جب ہر طرف سے خاموشی اور سناٹا ہو گا تو حق تعالٰے خود ہی فرمائیں گے۔ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (المومن ع۱۶) (آج اس اللہ کی حکومت ہے۔ جو بڑا قہر والا ہے) قہار کا معنیٰ یہ ہے۔ چاہے کوئی مانے یا نہ مانے غالب حکومت والا۔ اپنی مرضی کے مطابق فیصلہ کرے گا۔ تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (الملک ع۱) اللہ تعالٰی بڑی عظمت والا ہے۔ وہ جس کے قبضے میں ملک ہے۔ وہ جو چاہے اس پر قادر ہے تم کسی چیز پر قادر نہیں۔ آج اللہ تعالٰے کی حکومت ہے۔ وہاں کوئی نہ بولے گا۔ اللہ تعالٰے خود بولیں گے۔ آج اس اللہ تعالٰے کی حکومت ہے جو بڑے قہر والا ہے۔ اس کے منشاء اور مرضی کو روکنے والا آج بھی کوئی نہیں۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (تجھ ہی کو ہم پوجتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں)، عبد کہتے ہیں بندے کو۔ عبادت کا مطلب ہے وہ کام جو بندہ

بننے کے لئے کئے جاتے ہیں۔ عبادت کا جو مفہوم آج کل لیا جاتا ہے کہ اتوار کے دن کہہ دیا کہ آج عبادت کا دن ہے۔ یہ عیسائیوں کا مفہوم ہے۔ عبادت کا مفہوم ہے۔ بندہ۔ غلام۔ عبد۔ مسلمان تو ہر وقت عبادت میں ہے۔ اگر وہ پیشاب کرنے کو جاتا ہے اور نیت یہ ہوتی ہے کہ میں پیشاب سے فارغ ہو کر نماز کے لئے وضو کروں گا۔ اور سکون سے نماز پڑھ سکوں گا۔ تو اس کا پیشاب کو جانا بھی عبادت میں شمار ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو[1] آدمی رات کو سوتے وقت وضو کر کے سویا اور مرگیا تو وہ شہید کی موت مرے گا۔ آج لوگ اُلٹا سوتے ہیں اور وضو توڑ کر سوتے ہیں۔ جو انگریز سکھلا گیا وہی ہم کرتے ہیں۔ حضرت[2] انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں اگر کوئی شخص رات کو وضو کر کے سویا اور نیند میں اس کا وضو ٹوٹ گیا تو پھر بھی اس کو اجر اور ثواب مل گیا۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ (ہم صرف تیرے ہی بندے ہیں۔ عبدیت کا پٹہ ہمارے گلے میں تیرا ہی ہے) جوتا پہنتے ہیں تب بھی عبادت کے طور پر۔ ملازمت کرتے ہیں تب بھی عبادت کے طور پر۔ روٹی کھاتے وقت بسم اللہ پڑھتے ہیں کہ اے اللہ! میں تیرا نام لے کر کھاتا ہوں۔ تو نے رزق دیا تو کھا رہا ہوں۔ ورنہ میں اس قابل کہاں تھا۔ تو نے قوت دی تو چبا رہا ہوں۔ ورنہ مجھ جیسے سیکڑوں ترس رہے ہیں۔

اس سلسلہ میں میرا ایک ذاتی واقعہ میرے علم میں ہے۔ جو میں عرض کرتا ہوں۔

میرے ایک دوست تھے۔ ۱۹۵۲ء کا واقعہ ہے۔ انہوں نے مجھے اور ایک اور شخص کو کھانے پر بلایا۔ ان دونوں کی اب وفات ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ دونوں پر

[1] بخاری فانت علی الفطرۃ [2] فیض الباری

رحمت کرے (آمین) ہم نے اکٹھا کھانا کھایا۔ اور دوسرے مہمان کو الگ جگہ کھانا دیا۔ کھانا کھا چکے تو میں نے دریافت کیا جب آپ نے دونوں کو دعوت دی تو علیحدہ علیحدہ کیوں بٹھایا۔ انہوں نے کہا اس شخص کو آپ کے ساتھ کھانے پر بٹھا دیتا تو آپ ایک لقمہ نہ کھا سکتے۔ اس بچارے کو ایک بیماری ہے جو لقمہ منہ میں ڈالتا ہے نیچے جاتے ہی قے ہو جاتی ہے۔ صرف یہ عادت پوری کر لیتا ہے محض انجکشنوں پر اور گلوکوز پر گذر ہو رہی ہے۔ جب وہ کھانے پر بیٹھتا ہے تو لوٹا اور چلچی پاس رکھتا ہے

حضرات اگر اللہ نہ کھلائے تو کون کھا سکتا ہے؟ عبادت کا مفہوم صرف نماز ہی نہیں ہے۔ مسلمان ہر وقت اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے۔ ہر لمحے اللہ تعالیٰ کے حکموں کو مانے اگر کنگھی بھی شریعت کے مطابق کرے تو وہ بھی عبادت بن جاتی ہے۔ کھانا پینا ہے یا سوتا جاگتا ہے ہر چیز عبادت بن جاتی ہے۔ ازدواجی زندگی بھی عبادت ہے۔ جب نکاح کے وقت امام صاحب خطبہ پڑھتے ہیں تو یہ بھی اللہ کے حکم کے مطابق ہوتا ہے نکاح سنّت الانبیاء ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک سب نے نکاح کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب عقیدۂ اسلامی کے مطابق آسمان سے اتریں گے۔ تو نکاح کریں گے۔ اسلامی زندگی میں کھیت میں فصل کاٹنے والا بھی عبادت میں ہے۔ چرند پرند جو پھل پھول میں سے کھاتے ہیں ان کا بھی اجر ہے اگر مزدور ٹوکری اٹھاتا ہے یا کلرک ٹائپ کرتا ہے اور اپنے بیوی بچوں کے لیے رزق حلال کماتا ہے۔ تو یہ سب عبادت ہے۔ اگر حلال ذرائع اختیار نہ کرتا تو پھر چوری کر کے بچوں کا پیٹ پالتا۔ اللہ کے حکم کے مطابق زندگی گزارے تو ہر ہر لمحہ عبادت ہے۔ جوتا پہنتے وقت اگر دایاں جوتا، پہلے پہنا تو یہ بھی عبادت ہے۔ بازار سے سودا سلف لاتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی سودا سلف لایا کرتے تھے۔ تو یہ بھی عبادت

میں شمار ہو جاتا ہے۔ اپنے بیوی بچوں سے دل لگی کی باتیں کریں اور خیال کریں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل و عیال سے باتیں کر کے خوش ہوا کرتے تھے۔ تو یہ سب باتیں عبادت میں شمار ہو جاتی ہیں۔

رب العالمین عزاسمہ نے اپنی نہایت مہربانی اور اپنے کرم اور رحمت کے ساتھ اپنے بندوں کو مانگنے کا طریقہ بتایا کہ مجھ سے یوں مانگو۔ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے اس سورت کے فوائد میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ سورۂ فاتحہ اس طریقے کا ایک بیان ہے کہ اللہ تعالٰی نے اپنے بندوں کو سکھایا ہے کہ مجھ سے مانگنا ہو تو یوں مانگو۔ گویا یہ سورت بھی تعلیماً للناس ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورت کے جو اور نام بیان فرمائے ہیں۔ ان میں سے ایک نام المسئلہ بھی ہے۔ مسئلہ کا معنیٰ سوال کرنا۔ اور بندہ ویسے بھی اللہ تعالٰی سے سوال کرتا ہی رہتا ہے اضطراراً ہو یا اختیاراً ہو۔ تو اس سورت کی شروع کی آیات میں اللہ تعالٰی کی حمد و ثنا تھی۔ جس کے متعلق عرض کر چکا ہوں اور آخری ساڑھے تین آیتوں میں انسان اپنا مدعا اپنا مقصد رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہے۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ (ہم سب تیری ہی عبادت کرتے ہیں) علمی اصطلاح میں اسے کہتے ہیں التفات۔ یعنی پہلے بندے نے اللہ تعالٰی کے حضور میں جو کچھ پیش کیا۔ وہ غیب کے صیغے تھے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کا حق ہیں۔ وہ اللہ جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے۔ وہ رحمٰن ہے۔ وہ رحیم ہے۔ وہ بدلے کے دن کا مالک ہے۔ یہ سب غائبانہ الفاظ تھے۔

اب اِيَّاكَ نَعْبُدُ یہ خطاب کا مقام ہے۔ ہم سب تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ یہ نہیں کہ ہم سب اُس کی عبادت کرتے ہیں۔ بلکہ فرمایا ہم سب تیری ہی

عبادت کرتے ہیں کلام کے ایک طریقے سے بدل کر دوسرے طریقے کو اختیار کرنا اس کا نام ہماری علمی اصطلاح میں التفات ہے اور التفات کے بہت سے فائدے ہوتے ہیں، آخر ایک طریقہ کلام کو بدل کر دوسرا طریقہ اختیار کرنا کسی وجہ ہی سے ہو سکتا ہے۔ اور وہ وجہ جیسا کہ اکابر علمائے تفسیر نے فرمایا۔ یہ ہے کہ جب ایک انسان اپنے مولا کے حضور میں اس کی حمد و ثنا کرتا ہے تو پہلے تو انسان کا واقعی غائبانہ تعلق ہے۔ ہر انسان دفعتہً پیدائشی یا ابتدائی طور پر کس طرح اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے آپ کو سمجھ سکتا ہے۔ پھر وہ انسان جو گناہوں کا پتلا ہو وہ کس طرح اپنے آپ کو اس قابل بنا سکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور دفعتہً پہنچے۔ اور اس کے ذہن میں بجائے غائبیت کے خطاب کا مقام آ جائے۔ لیکن جب ایک بندے نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ان الفاظ میں کی جو اللہ تعالیٰ ہی نے بتائے تو اس کے دل و دماغ میں یہ قوت پیدا ہوئی۔ یہ اثر پیدا ہوا کہ اس نے فوراً اپنے آپ کو بجائے غائبیت کے شہود کے مقام پر پہنچا دیا کہ اسے وہ اللہ تعالیٰ جسے میں غائبانہ پکار رہا تھا۔ اب بس تیرے سامنے ہوں۔ اسی کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1] تَعْبُدُ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ (تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طریقے پر کر، اس یقین کے ماتحت کہ جیسا کہ تو اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہے) فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ (اور اگر تیری یہ کیفیت نہیں کہ تو اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکے) فَاِنَّهٗ يَرَاكَ (تو وہ تو تجھے دیکھ رہا ہے) یعنی عبادت میں عبد اور معبود کے درمیان تعلق استوار کرنا یہ سب سے بڑا مقصد اور مفہوم ہے۔ عبادت کا تو یہاں پر ارشاد فرمایا اِيَّاكَ نَعْبُدُ

---

[1] مشکوٰۃ کتاب الایمان

(ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ ہمارا معبود تیرے بغیر کوئی نہیں، عبادت کے مفہوم پر میں پہلے عرض کر چکا ہوں۔

وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ (اور ہم سب خاص تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں) یہ ہمارا مقصد ہے۔ پہلی آیتوں میں خداوند قدوس کی ساری حمد و ثنا تھی اور اب ہمارا مقصد شروع ہوا ہے۔ چاہتے کیا ہیں۔ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ (اے اللہ تعالیٰ ہم تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ ہم تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ ہم تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔) بعض علمائے تفسیر نے فرمایا کہ درحقیقت عبادت کے اظہار کے ساتھ ساتھ استعانت یعنی اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنے کو جو جوڑ دیا تو بتانا یہ مقصود ہے کہ یا اللہ! ہماری عبادت بھی اسی وقت ہو سکتی ہے جب تیری مدد ہو۔ اگر تیری مدد نہ ہو تو ہم تیری عبادت نہیں کر سکتے اور بات بالکل ظاہر ہے جسے اللہ تعالیٰ نہ بلائے اسے کون بلائے؟ اللہ تعالیٰ چاہے تو بلال حبشی رضؓ کو افریقہ سے اٹھا کر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈال دے۔ اور نہ چاہے تو ابولہب جیسے انسان کو جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ دار ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رات دن دیکھنے والا ہے جس نے چالیس سال تک جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے نہ چاہا تو وہ دولت ایمان سے محروم رہا۔ اور چاہا تو بلال حبشی رضؓ کو ابی سینیا سے بھیج دیا۔ سلمان فارسیؓ کو ایران سے بھیج دیا۔ اور صہیبؓ رومی کو روم سے بھیج دیا۔ اللہ تعالیٰ مدد فرمائیں تو ہدایت اسی وقت ہو سکتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ مدد نہ فرمائیں تو انسان کی کوئی طاقت نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں سجدہ ریز ہو سکے۔ یہ بھی ساتھ عرض کر دینا ضروری ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف انابت کرے یَھْدِیْ

اَلَیۡهِ مَنۡ یُّنِیۡبُ ۔ اسی آیت میں اللہ تعالٰے نے اپنے دو قانون بیان فرمائے ہیں ایک اجتباء کا قانون یعنی نبوت کا، کہ نبی بنانے کے لئے جو نبی بننا چاہے وُہ نبی نہیں ہو سکتا کہ اُسے میں نبی بناؤں، کوئی کورس نہیں ہے نبوت کا۔ ایک آدمی محنت کرے کہ میں نبی بننا چاہتا ہوں تو وہ نبی بن جائے؟ نہیں بلکہ وہ تو اجتباء سے ہے۔
اَللّٰهُ یَجۡتَبِیۡۤ اِلَیۡهِ مَنۡ یَّشَآءُ (اللہ تعالٰے چُن لیتے ہیں اپنی طرف جس کو بھی چاہیں،) اور وہ جسے نبی بنائیں وہ ان کی اپنی مرضی ہے اور جن کو بنانا تھا۔ وہ بنا چکے ہیں، لیکن ہدایت یَهۡدِیۡۤ اِلَیۡهِ مَنۡ یُّنِیۡبُ (اور اللہ ہدایت دیتے ہیں اپنی طرف اس انسان کو جو انابت کرے،) جو قدم اُٹھائے۔ اللہ تعالٰے اس کے قدم کو ضائع نہیں کرتے۔ اور اس کی تفصیل فرمائی حدیث قدسی[2] میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالٰے فرماتے ہیں کہ جو آدمی میری طرف ایک بالشت آتا ہے میں اُس کی طرف دس بالشت جاتا ہوں۔ اور جو آدمی میری طرف پیدل آتا ہے میں دوڑ کر جاتا ہوں۔ یہ گویا ایک مناسبت بیان فرمائی کہ بندہ چلتا ہے تو میں اس کو قبول کرتا ہوں اگر وہ چاہتا ہے تو اللہ تعالٰے کو ضرورت اس بات کی نہیں ہے۔ اس لئے کہ خداوند تعالٰے کی خدائیت ہماری عبادتوں پر موقوف نہیں ہے۔
تو یہاں ارشاد فرمایا۔ اِیَّاكَ نَعۡبُدُ (خاص تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں،) وَ اِیَّاكَ نَسۡتَعِیۡنُ (اور خاص تجھ ہی سے ہم مدد مانگتے ہیں) کس بات میں؟ عبادت میں۔ جب تیری مدد شاملِ حال ہو گی تو ہم تیری عبادت کریں گے تیرے بندے بن جائیں گے اور تیری مدد کے بغیر ہم تیری عبادت نہیں کر سکتے۔ تو مدد کرے گا۔

---

[1] الشوریٰ ۱۳ [2] بخاری

توہم تیری عبادت کریں گے۔ اگر تو مدد نہیں کرے گا۔ تو ہم تیری عبادت نہیں کر سکتے۔ یہ تو ایک مفہوم ہوا۔ اور ایک یہ بھی ہے کہ اِیَّاكَ نَعْبُدُ (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْن (اور خاص تجھ ہی سے ہم مدد چاہتے ہیں) جب ہمارا معبود تو ہے تو مستعان بھی تو ہے۔ جس کی عبادت کرتے ہیں۔ وہی ہمارا مستعان ہے تیرے بغیر ہمارا کوئی مستعان نہیں۔ تیرے بغیر ہمارا کوئی معین نہیں تو ہی ہمارا مددگار ہے اور اسی کی طرف اشارہ ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے کلمات میں جیساکہ قرآن شریف میں آتا ہے۔ کہ ہجرت کے دوران جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم غارِ ثور میں تشریف فرما تھے۔ اور مشرکین مکہ نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تعاقب کیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس غار تک جا پہنچے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ اے اللہ تعالیٰ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! اب تو ہم پائے جائیں گے۔ اب تو ہم قابو میں آ جائیں گے۔ کیونکہ وہ کفار کے منہ پر آ چکے ہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ان کے قدموں کو دیکھ لیا[1] تو امام الانبیاء فرماتے ہیں۔ بالفاظ قرآن اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا (توبہ ع۶) آپ بالکل غم نہ کھائیں اللہ ہمارے ساتھ ہے) وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غار میں جہاں پر کوئی معاون نہیں تھا۔ جہاں پر کوئی نکلنے کی جگہ نہ تھی۔ اللہ تعالےٰ کی مدد کا اظہار کیا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے متعلق قرآن میں آتا ہے۔ جب آپ مصر سے ہجرت کرتے ہوئے بحیرۂ قلزم کے کنارے پہنچتے ہیں اور پیچھے فرعون اپنے

---

[1] کتب سیرت

شکر کے ساتھ پہنچتا ہے تو قوم عرض کرتی ہے کہ اے موسیٰ علیہ السلام! اب ہم پالیے گئے۔ اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ (الشعراء ۶۱) اب ہمارے لئے کوئی چارہ کار نہیں۔ اب ہمارے لئے کوئی نجات نہیں۔ آگے بحیرہ قلزم ہے اور پیچھے فرعون کی فوجیں ہیں۔ اب تو ہم کسی صورت میں بھی اس سے نہیں بچ سکتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں۔ كَلَّا اس خیال کو دل سے نکال دو۔ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ (الشعراء ۶۲) میرا رب میرے ساتھ ہے۔ سَیَهْدِیْنِ جو ابھی میری رہنمائی کھولے گا۔ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ موسیٰ علیہ السلام نے اس وقت بھی جب کہ اسباب کی بظاہر کوئی بھی کیفیت موجود نہ تھی۔ سامنے بحیرہ قلزم۔ نہ کشتی پاس۔ نہ کوئی جہاز پاس اور پیچھے فرعون جیسا دشمن موجود ہے لیکن نبی کے ایمان کا یہ کمال ہے کہ حالات اور واقعات اور اسباب کے نہ ہوتے ہوئے بھی نبی نے اپنی امت کے سامنے جو نکتہ پیش فرمایا۔ وہ رب العالمین کی معیت تھی۔ تم اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو۔ اس لئے آپ نے فرمایا۔ كَلَّا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ تم اس خیال کو اپنے دل سے نکال دو کہ فرعون ہمیں پالے گا۔ اس لئے کہ اسی نے حکم دیا تھا۔ اَسْرِ بِعِبَادِیْ (الشعراء ۵۲) اے موسیٰ علیہ السلام تو میرے بندوں کو لے کر راتوں رات نکل جا، تو جس اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے وہ اللہ تعالیٰ میرا محافظ ہے۔

نبی کو اللہ تعالیٰ کی بات پر یقین کامل ہوا کرتا ہے۔ نبی کبھی بھی (نعوذ باللہ) اس بات کو محسوس نہیں کرسکتے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ جو وعدے فرمائے ہیں شائد ان وعدوں کو وہ بھول جائیں یا وہ ہماری مدد نہ کریں۔ بلکہ قرآن کریم میں صاف آتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ مجھ پر لازم ہے کہ میں مومنوں کی مدد کروں۔ بشرطیکہ مومن مجھے پکاریں۔ مجھ پر یقین کامل رکھیں۔ قرآن میں اس کی بڑی مثالیں ہیں۔ یونس علیہ السلام کا یہ

واقعہ قرآن شریف میں آتا ہے۔ کہ ایسی جگہ جہاں پر کوئی انسانی تدبیر کارگر ہی نہیں ہو سکتی تھی۔ دریا اور پھر دریا کے اندر مچھلی اور مچھلی کے پیٹ میں جب حضرت یونس علیہ السلام پہنچتے ہیں۔ قرآن شریف گواہ ہے۔ وَ ذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَ كَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ (الانبیاء ۸۷-۸۸) فرمایا۔ دیکھو تم مچھلی والے کی طرف توجہ کرو۔ وہ جب دریا کے پیٹ میں پہنچے یعنی مچھلی کے پیٹ میں پہنچے۔ ان کا شاید یہ خیال تھا کہ اب وہاں پر تنگی نہیں ہو گی۔ اس لئے وہ اپنے شہر سے ہجرت کر گئے۔ جیسا کہ انبیاء علیہم السلام نے پہلے بھی ہجرت کی۔

قدر کا معنی یہاں پر قادر ہونا نہیں ہے۔ نبی یہ گمان بھی نہیں کر سکتا کہ خدا مجھ پر قادر نہیں ہو گا۔ قدر تنگی کو بھی کہتے ہیں۔ قرآن شریف میں آتا ہے۔ وَ اَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ (والفجر) کہ بندے کا رزق جب تنگ کر دیا جاتا ہے تو بندہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالٰے نے مجھے (نعوذ باللہ) ذلیل کر دیا ہے۔ یونس علیہ السلام کا بھی یہ خیال تھا کہ میں اپنی بستی سے جب نکل جاؤں گا تو آئندہ میرے لئے راحت ہی راحت ہو گی۔ جیسا کہ ہجرت میں راحت ہوتی ہے۔ نبی علیہ السلام کا صحیح خیال تھا۔ قرآن شریف میں آتا ہے کہ جو لوگ اپنے گھروں سے نکل جاتے ہیں دین کے لئے۔ میں ان کے لئے وسعتیں پیدا کر دیتا ہوں۔ مگر یونس علیہ السلام کو ابھی ہجرت کا حکم نہیں ہوا تھا اس لئے ابتلاء میں آ گئے۔ تو حضرت یونس علیہ السلام جب پہنچتے ہیں مچھلی کے پیٹ میں تو وہاں اللہ تعالٰے کو پکارتے ہیں۔ اللہ سے مدد مانگتے ہیں اور عرض کرتے ہیں۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ

الظّٰلِمِيْنَ. فرمایا۔ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ہم نے فوراً اس کی دعا قبول کرلی۔ اور ہم نے اس کو غم سے نجات دی۔ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ اور ہم یونہی ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں۔

یہاں ایک چھوٹا سا نکتہ ہے جس کا بیان کرنا کچھ بہتر ہی معلوم ہوتا ہے قرآن کریم میں ایک جگہ آتا ہے۔ اللہ تعالٰے ارشاد فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتیں بسا اوقات خطرناک معاملات میں پھنس جاتی ہیں۔ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۔ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ (البقرہ ۲۱۴) اللہ تعالٰے فرماتے ہیں کہ ایسے ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے ساتھ جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ حالات کی ناسازگاری سے گھبرا جاتے ہیں۔ وہ لرزہ براندام ہو جاتے ہیں اور وہ یہ کہنے لگتے ہیں۔ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ، اللہ تعالٰی کی مدد کب آئے گی؟ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ یاد رکھو اللہ تعالٰے کی مدد قریب ہے۔ تو میں نے آپ کے سامنے جو کچھ ابھی عرض کیا کہ انبیاء علیہم السلام نہیں گھبراتے۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غار میں یہ نہیں فرمایا کہ اب ہم پکڑے گئے۔ بلکہ فرمایا کہ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا[1] اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بحیرہ قلزم کے کنارے پر نہیں فرمایا کہ ہم پکڑے گئے بلکہ فرمایا اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ[2] تو یہاں قرآن کی اس آیت کا اس سے تضاد نہیں ہے بلکہ جیسا کہ محققین علماء نے لکھا ہے کہ یہ دو کلام ہیں۔ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ۔ یہ نبی کی اور امت کی

[1] توبہ ۴۰ [2] الشعراء ۶۲ [3] المدہش

آپس میں باتیں ہیں۔ میدانِ جنگ میدان کارزار میں جب حالات کی ناسازگاری
امت گھبرا جاتی ہے تو وہ اپنے نبی سے پوچھتی ہے۔ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ۔ اللہ
مدد کب آئے گی؟ جس مدد کا تم نے ہم سے وعدہ کیا تھا۔ تو نبی جواب میں فرماتے ہیں
إِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيبٌ یاد رکھو اللہ کی مدد قریب ہے۔ انبیاء علیہم السلام حالا
کی ناسازگاری سے نہیں گھبرایا کرتے کیونکہ ان کی نظر اسباب پر نہیں ہوتی بلکہ خالقِ اسبا
پر ہوا کرتی ہے۔

یہی چیز ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام جس وقت طوفان میں کشتی میں سوار ہیں۔ اپنے
بیٹے سے آپ فرماتے ہیں۔ وَنَادٰى نُوحُ ٱبْنَهُ وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ
يٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِينَ (ہود ۴۲) نوح اپنے بیٹے
کو پکارتے ہیں کہ اے میرے بچے! میرے ساتھ ہو جا کافروں کے ساتھ نہ ٹھہر وہ جو
میں کہتا ہے۔ قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ (ہود ۴۳)
ابھی ایک پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا جو مجھے ڈوبنے سے بچا لے گا یعنی بیٹے کے سامنے سبب
تھا وہ سمجھا کہ میرے ابا جی مجھے بلا رہے ہیں کہ آ کشتی میں میرے ساتھ سوار ہو تا کہ تجھے کشتی
ڈوبنے سے بچا لے جیسا مجھے بچا لے گی۔ اس نے جواب میں کہا کہ اگر تیرے پاس ایک سبب
ہے بچنے کا۔ میں بھی پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا۔ میں بھی بچ جاؤں گا۔ لیکن نوحؑ کیا جواب
دیتے ہیں فرمایا قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ
(ہود ۴۳) اے میرے بچے! آج اللہ تعالےٰ کے عذاب سے کوئی نہیں بچ سکتا وہی بچے
گا جس پر خدا کا رحم ہوگا نہ میری کشتی بچا سکتی ہے نہ تیرے اسباب بچا سکتے ہیں۔ نوحؑ نے یہ
نہیں فرمایا کہ آج وہ بچے گا جو میری کشتی پر سوار ہو گا۔ نوحؑ نے سبب بتایا اللہ تعالےٰ
کے حکم سے لیکن نظر سبب پر نہیں بلکہ مسبّب پر ہے اور وہ اللہ تعالےٰ کی ذات ہے۔

تو عرض یہ ہے یہاں پہ ارشاد فرمایا اِیَّاکَ نَعْبُدُ اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔ اور ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

بعض علماء فرماتے ہیں۔ مقصود ہے مدد مانگنا اور عبادت اس کا ذریعہ ہے۔ گویا مفہوم یہ بنے گا۔ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ وَ اِیَّاکَ نَعْبُدُ ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور اس مدد کے لئے ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ ہم کہہ رہے ہیں۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ، سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمُ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی یہ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں؟ تجھ سے مدد مانگنے کے لئے۔ مقصود ہمارا یہ ہے کہ تو ہمارا مستعان ہے تو ہمارا معین ہے۔ مدد مانگتے کیا ہیں؟ چاہتے کیا ہیں کوٹھی ملے؟ دولت ملے مکانات ملیں؟ ترقی ملے؟ نہیں فرمایا یہ سب فروعی چیزیں ہیں ہم ایک بہت بڑی چیز کی تجھ سے مدد مانگتے ہیں۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ چلا ہم کو سیدھے رستے پر۔ ہم تجھ سے یہ مدد مانگتے ہیں۔ ہماری ساری محنت اور مشقت کا جو مدعا اور جو نتیجہ ہونا چاہیئے وہ صراط مستقیم پر چلنا ہو۔ ہدایت کے بارے میں ہمارے علماء اسلام فرماتے ہیں کہ ہدایت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک کو کہتے ہیں مُوصِلہ اِلَی المطلوب جو مطلوب تک پہنچا دے اور ایک کو کہتے ہیں اراۃ الطریق جو رستہ دکھا دے۔ ہدایت کے دو معنی ہیں رستہ دکھانا اور رستے پر چلانا۔ اللہ تعالیٰ علماء اسلام کو جزائے خیر دے کہ ہم جیسوں کو سمجھانے کے لئے انہوں نے بڑی محنتیں فرمائیں۔ تو انہوں نے قرآن کریم کے ارشادات کی روشنی میں ہمیں بتایا کہ جہاں پہ ہدایت کی نسبت ہو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہاں پہ معنیٰ ہوگا۔ موصلہ الی المطلوب مطلوب تک پہنچا دینے والی ہدایت اور جہاں پہ ہدایت کی نسبت اللہ تعالیٰ کے سوائے کسی اور کی طرف ہو۔ قرآن کی طرف ہو نبی کی طرف ہو کسی عالم دین کی طرف ہو کسی ہادی کی طرف ہو۔ وہاں پہ معنی ہوگا رستہ

دکھا دینا۔

اس کی موٹی سی مثال ہے آپ میں سے کوئی دوست کار لے کر راستے پر کھڑے ہوں۔ سڑک پر ایک آدمی آیا ہو۔ کہتا ہو۔ بھائی جان مجھے آپ راولپنڈی کا رستہ بتا دیں مجھے راولپنڈی جانا ہے۔ آپ نے کہہ دیا۔ بھائی صاحب یہ سیدھی سڑک جاتی ہے یہاں سے جاؤ گے ٹیکسلا۔ ٹیکسلا سے آگے راولپنڈی آجائے گی یہ آپ نے رستہ بتا دیا۔ آپ اپنے گھر چلے آئے۔ اب وہ جائے نہ جائے اس کی مرضی۔ آپ نے رستہ بتا دیا۔ اور ایک یہ ہے کہ آپ نے کہا۔ اچھا بھائی! آپ راولپنڈی جانا چاہتے ہیں؟ تو چلو میرے پاس گاڑی فارغ ہے میں آج آپ کو راولپنڈی چھوڑ آؤں آپ نے موٹر میں بٹھایا اور جہاں وہ جانا چاہتے تھے۔ وہاں جا کر آپ نے ان کو چھوڑ دیا۔ یہ بھی ہدایت ہے یہ ہے موصلہ الی المطلوب۔ آپ نے اس کو مقصد تک پہنچا دیا۔ تو اللہ تعالےٰ سے جو ہم دعا مانگ رہے ہیں کہ اے اللہ! تو ہمیں ہدایت دے۔ تو ہدایت اللہ سے جو ہم مانگتے ہیں وہ یہ ہونی چاہیئے کہ اے اللہ! تو ہمیں اپنے مطلوب تک پہنچا دے۔ کیونکہ دکھانے کے لئے تو نبی تشریف لائے۔ اگر ہم یہ دعا کریں کہ اے اللہ! ہم کو سیدھا رستہ دکھا۔ تو دکھایا تو ہمیں بہت سے لوگوں نے۔ ہمیں عقل سلیم نے بھی دکھا دیا کہ اللہ تعالےٰ ہے ہم نے اپنے علم سے بھی سمجھ لیا کہ اللہ تعالےٰ ہے کائنات کا ذرہ ذرہ ہمیں دکھاتا ہے کہ اللہ تعالےٰ ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کی طرف اس شعر کی نسبت ہے ؎

فَفِی کُلِّ شَیْئٍ لَہٗ اٰیَۃٌ   تَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ وَاحِدٌ

فرماتے ہیں کہ ہر چیز میں اس کی دلیل ہے کہ اللہ تعالےٰ وحدہٗ لاشریک ہے مولانا رومؒ نے اس کی تفصیل میں بیان فرمایا ہے کہ تم دیکھو۔ کہ زمین میں جو سبزہ اگتا ہے وہ صرف ایک ہی تنکا ہوتا ہے۔ کسی بڑے پودے کا ہو کہ چھوٹے پودے کا ہو۔ خواہ جا کے

بعد میں وہ تنا درخت بن جائے۔ لیکن جب زمین سے اگتا ہے تو وہ وحدت ہی کو لے کر اگتا ہے تو کائنات ساری ہی یہ بتاتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے۔ تو ہم اللہ تعالیٰ سے جو مانگتے ہیں۔ وہ کونسی ہدایت ہے؟ موصلہ الی المطلوب۔ اے اللہ! چلا ہم کو اس راستے پر جو سیدھا راستہ ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ اے اللہ دکھا ہم کو سیدھا راستہ۔ کیا مفہوم؟ کہ یا اللہ! جو تیرا سیدھا راستہ ہے تجھ تک پہنچنے والا ہے۔ وہ ہمیں دکھا اور اس کے بعد ہم میں وہ قوت پیدا کر کہ ہم اس راستے پہ چلیں۔ اس لئے دونوں ترجمے علماء کرام نے کئے۔ صراط مستقیم کسے کہتے ہیں؟ قرآن شریف میں اس کی تفصیل یہ ہے۔ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ (انعام ۱۵۳)

فرمایا کہ اے دنیا والو! میرا راستہ جس راستے کو میں نے تمہارے لئے بتایا ہے یہ راستہ صراط مستقیم ہے۔ اس راستے کو چھوڑ کر تم دوسرے راستوں پہ مت چلو ورنہ تم کو پھر وہ راستہ سے ہٹا دیں گے۔ تو صراط مستقیم کا انحصار کس راستے میں ہے؟ جو راستہ اختیار فرمودہ ہے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور اسی راستہ پر سب انبیاء تشریف لائے

میں چھوٹی سی بات اور بھی عرض کر دوں کہ یہاں پہ یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جو پہلے راستے تھے کیا وہ سیدھے راستے نہیں تھے؟ تو میرے دوستو اور بزرگو! انبیاء علیہم السلام تعلیمات کے اصول میں سب متفق ہیں۔ جیسا کہ علمائے محققین نے فرمایا کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کے پاس جو تعلیم تھی یہ تعلیم ساری کی ساری وہی تعلیم ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی۔ انبیاء کرام نے وقتی طور پر اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی روشنی میں ان کے لئے جزوی کچھ دفعات جو مرتب کی ہیں ان میں تو کچھ فرق

ہوسکتا ہے. لیکن اصولی اعتبار سے اللہ تعالےٰ نے جتنے انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے ہیں، سب کی تعلیم ایک ہی ہے اور وہ تعلیم کیا ہے؟ جیسا کہ سورۂ انبیاء ع۲ میں فرمایا۔ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ۔ ہم نے جتنے رسول دنیا میں بھیجے آپ سے پہلے بھی سب کی طرف ہم نے یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ پس تم میری عبادت کرو۔ اِیَّاكَ نَعْبُدُ۔ یہ معبود ماننا ربّ العالمین کو یہ صرف خاصہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا نہیں ہے بلکہ جُملہ انبیاء علیہم السلام کی یہی تعلیم ہے۔ اس لئے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ سے مُراد جو راستہ ہے اس اسلام کا اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا یہ وہی راستہ ہے جو سب انبیاء علیہم السلام لے کر آئے تھے اور اس راستے کا بالذّات تعلق جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے. یہاں ضمناً تھوڑی سی بات میں اور عرض کر دوں. حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہُوا قرآن شریف میں اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ (انعام ع۱۰)

انبیاء علیہم السلام کے متعلق فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالےٰ نے ہدایت دی، جن کو اللہ تعالےٰ نے سیدھے راستے پر لگایا جو راستے پر چل کر مقصود تک پہنچے اور دُنیا کے لئے ہادی بن گئے. فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ۔ پس اے میرے حبیب محمد صلی اللہ علیک وسلم تو اُن کی ہدایت پر چل۔ تو یہاں پہ ایک نکتہ حل کیا علماء تفسیر نے جس میں انور شاہ صاحبؒ بھی ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ فَبِهِمُ اقْتَدِهْ کہ تو ان کی اقتدا کر بلکہ فرمایا اے میرے حبیب صلی اللہ علیک وسلم! تو ان کی ہدایت کی اقتدا کر. یعنی یہ وہ ہدایت ہے جو سب سے پہلے تجھے دی گئی یعنی

ازل میں، یوم ارواح میں، ارواح میں جب میں نے اپنا پیغام بھیجا تو سب سے پہلے جس روح نے لبیک کہا وہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح تھی۔ پھر وہ پیغام منتقل ہوتا چلا آیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بدن میں۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بدن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بدن میں اور اس کی قرآن میں تصریح ہے
إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِن بَعْدِهِ (النساء ۱۶۳) اے میرے حبیب! (صلی اللہ علیک وسلم) ہم نے آپ کی طرف وحی کی جیسے وحی کی ہم نے نوح علیہ السلام کی طرف اور پچھلے رسولوں کی طرف اور سورۂ احزاب ۸ میں آپ کا ذکر مقدس حضرت نوح علیہ السلام سے بھی پہلے فرمایا۔ وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنكَ وَمِن نُّوحٍ الخ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کو مقدم کیا۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں كُنْتُ نَبِيًّا وَآدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّينِ میں تو اس وقت بھی نبی تھا جب انسان کا وجود ہی نہیں بنا تھا۔ آدم بین الماء والطین تھا۔ میں تو اس وقت بھی نبی تھا ابھی انسان کو زندگی نہیں دی تھی مگر نبوت مجھے عطا ہو چکی تھی۔ بعض احادیث میں آدم بین الماء والجسد بھی آیا ہے۔ ملا علی قاری مرقاۃ میں حدیث نقل فرماتے ہیں کہ ابھی آدم علیہ السلام کے رُوح کا تعلق ان کے بدن سے نہیں ہوا تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اس وقت نبی بنایا جب آدم بین الماء والطین تھے۔ یہ دین کی چند ضروری باتیں ہوتی ہیں جن کا سمجھنا ضروری ہے۔ میرے دوستو اور میرے بزرگو! دیکھئے عام انسانوں کے متعلق کیا آیا ہے۔ قرآن میں ہے هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُن شَيْئًا مَّذْكُورًا ۝ (الدھر ۱) انسان پر ایسا دور بھی گزرا ہے کہ اس کا کچھ بھی ذکر نہ تھا۔ آپ جتنے دوست

یہاں مجلس میں بیٹھے ہوئے ہیں (اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے اس مجلس کی برکت سے) آپ میں سے کوئی مجھے یہ بتا سکتا ہے کہ جب میں ایک سال کا تھا تو میرے ابا جی کون سا کام کرتے تھے؟ جب میں تین مہینے کا تھا تو میری والدہ صاحبہ کیا کام کرتی تھیں؟ نہیں بتا سکتے بلکہ تو شعور کی باتیں بھی یاد نہیں۔ اب تو حافظے اتنے کمزور ہیں ڈالڈا کھا کھا کر کر کل کی بات یاد نہیں رہتی۔ گھنٹے کی بات یاد نہیں رہتی۔ اب تو ڈائریاں ہم نے بنائی ہیں۔ ڈائریوں پر لکھتے ہیں کل کیا کرنا ہے۔ پرسوں کیا کرنا ہے۔ پروگرام بناتے ہیں ہم اور ایک وہ زمانہ تھا کہ سینہ بسینہ ہزاروں باتیں یاد تھیں صحابہ کرام جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سنتے تھے فوراً یاد کر لیتے تھے اب تو ہمارے لیے ریکارڈنگ مشین اور ٹیپ ریکارڈر ہیں۔ ان کے دل ریکارڈنگ مشینیں تھے۔ ہمیں کسی کو یہ یاد نہیں کہ میرے بچپن میں کیا حالات تھے۔ وہ تو ہمارے لئے ناممکنات میں سے ہے۔ لیکن جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہیں۔ کُنْتُ نَبِيًّا وَّ آدَمُ بَيْنَ الْمَآءِ وَالطِّيْنِ میں اس وقت بھی نبی تھا۔ جب آدم علیہ السلام ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ تو نبوت کا علم ہوا یا نہ ہوا؟ تو جب نبوت کا علم ہے اپنا علم نہ ہوگا؟ کہ میں کون تھا؟[1] حضرت قطب الارشاد گنگوہی نے فرمایا کہ آپ کی تعلیم اور تربیت عالم ارواح ہی میں شروع ہو چکی تھی۔ اس کی شرح میں مظاہر العلوم سہارنپور کے شیخ الحدیث استاذ المحدثین مولانا زکریا نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی نبوت اور درجہ یعنی خاتم النبیین کی خبر عالم ارواح ہی میں دے دی تھی یہی بات حضرت استاذ العلماء

---

[1] کوکب دری ج ۲ ص ۲۱۳

حافظ الحدیث مولانا عبداللہ درخواستی دامت برکاتہم نے فرمائی۔ عالموں کی مجلس بڑی اچھی ہوتی ہے (علماء و طالبین کی) انہوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اس وقت سے شروع ہے۔ جب روح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا گیا۔ اسی وقت سے اللہ تعالےٰ آپ کو تعلیم دیتا چلا آرہا ہے۔ اس وقت بھی تعلیم دی۔ پھر اس عالم ناسوت میں بھی تعلیم دی جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف فرما تھے۔ اور اب بھی اللہ تعالےٰ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تعلیم دے رہا ہے۔ اور آپ فرماتے ہیں کہ یہ سلسلۂ تعلیم قیامت تک جاری رہے گا۔ اور مولانا درخواستی کی یہ بات عرض کر رہا ہوں وہ زندہ ہیں۔ سلامت ہیں (اللہ ان کو سلامت رکھے) اس کی دلیل انہوں نے یہ بتائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے بخاری میں موجود ہے۔ کہ قیامت کے دن جب ساری مخلوقات دوسرے انبیاء علیہم السلام کے پاس جائیں گی اور شفاعت کے لئے ان سے سوال کرے گی۔ اور وہ شفاعت سے اپنے پہلو بچائیں گے۔ اور وہ عذر پیش کریں گے۔ تو پھر ساری مخلوق جناب محمد رسول اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے گی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس وقت سربسجود ہو جاؤں گا۔ اور میں اللہ کی وہ تعریفیں کروں گا جو اللہ تعالےٰ مجھے اس وقت بتائیں گے یعنی اب نہیں بتائیں معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک علم جاری رہے گا۔ پڑھانے والے اللہ تعالےٰ اور پڑھنے والے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ مگر یاد رہے۔ جو علم احکام اور تشریع کے متعلق تھا۔ وہ سب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دے دیا گیا۔ جیسا کہ سورہ المائدہ ۳ کی آیت اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ سے معلوم ہو رہا ہے۔ یہ ازدیادِ علم اس دعا کی قبولیت کی وجہ ہے جو بامر خداوندی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا

(آیت ۱۱۴) یہ سورہ طٰہٰ میں ہے جو مکی ہے اسی طرح ارشاد قرآنی ہے۔ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا سورہ النساء ۱۱۳) میں ہے جو مدنی ہے۔ تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ یہاں پر اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ یا اللہ! چلا تو ہم سب کو سیدھے راستے پر اور سیدھا راستہ کون سا ہے؟ وہ راستہ ہے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور یہ وہ تعلیم ہے جو سب پیغمبروں کو اللہ تعالےٰ نے عطا کی۔ تو پہلی تعلیم جسے دی وہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم منتقل ہوئی حضرت نوح علیہ السلام میں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم منتقل ہوئی حضرت موسیٰ علیہ السلام میں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم منتقل ہوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں، یہی تعلیم ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پھر براہِ راست ملی۔ اور یہی بات جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقام پر فرمائی اگر آج موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو میرے اتباع کے سوا ان کو کوئی چارہ کار نہ ہوتا۔ تو یہ صراطِ مستقیم کون سا راستہ ہے؟ یہ راستہ ہے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔

آگے ارشاد فرمایا صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ وضاحت کر دی کہ صراط مستقیم کون سا راستہ ہے جیسا کہ میں نے تمہید میں عرض کر دیا ہے۔ فرمایا صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یہ راستہ ہے ان لوگوں کا جن پر تو نے اپنے انعام کئے۔ یعنی یہ راستہ تحقیقی نہیں ہے تقلیدی ہے۔ ایک آدمی اپنے دماغ سے کہتا ہے کہ "صراط مستقیم وہ ہے جو میں کہہ رہا ہوں۔ میں نے بڑی کوشش کی میں نے تو معلوم کیا ہے بڑی جان کھپائی ہے۔ لیکن مجھے پتہ چل گیا ہے" اپنی دماغی قوتوں سے اپنے علم سے اور تجربے سے کہ جو میں کہہ رہا ہوں۔ یہ صراط مستقیم ہے۔ قرآن فرماتا

ہے نہیں تمہارا صراطِ مستقیم میرے نزدیک قبول نہیں ہے میرے نزدیک قابل قبول وہ صراطِ مستقیم ہے جو ان لوگوں کا اختیار کردہ ہے جن پر میں نے انعام و اکرام کئے ہیں اب اگر دنیا کے سارے عقلاء علم کے زور سے تجربے کے زور سے دلائل کے زور سے یہ ثابت کر دیں کہ شراب حلال ہے اور شراب کا پینا صراطِ مستقیم ہے۔ تو ہم یہ کہہ دیں گے اور اس کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ تمہارے سارے عقول ناقص ہیں۔ جس نے صراطِ مستقیم وضع کیا ہے وہ ربّ العٰلمین اور اس کے سب نبی یہ کہتے ہیں۔ کہ شراب نجس ہے اور آخری پیغام میں قرآن فرماتا ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (المائدہ ۹۰) یہ تو گندگی ہے۔ اس لئے تمہارا اختیار کردہ راستہ صراطِ مستقیم نہیں ہے بلکہ صراطِ مستقیم وہ ہے جو جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیش کرتے ہیں اور جن پر نعمت ہوئی وہ گروہ کون سا ہے؟ اللہ تعالٰے ارشاد فرماتے ہیں۔ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا (النساء ۶۹) وہ منعم علیہ کون سا گروہ ہے؟ جس پر میری نعمتیں ہیں۔ نبی۔ پہلا نمبر نبی کا۔ جس کو میں نے اپنے کلام سے نوازا۔ جس کو میں نے اپنی ساری مخلوقات میں سے چن کر یہ بتایا کہ دنیا کے کروڑوں انسان اس وقت تک میرے ہاں قبول نہیں ہو سکتے جب تک اس ذات پر ایمان نہ لائیں۔ کوئی بھی نبی گذرا ہو زمانے میں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (میری مراد سچے نبیوں سے ہے) اور دوسرا نمبر ہے صدیق کا۔ صدیق کسے کہتے ہیں صدیق کہتے ہیں اس انسان کو جو اپنے عمل سے اپنی بات کو سچا ثابت کر دے۔ ایک ہے

صادق (سچ کہنے والا) نے زبان سے سچ کہا۔ مثلاً جیسے ہم کہہ دیتے ہیں "خدا کو مانتے ہو؟" "بالکل مانتے ہیں"۔ اور جب دودھ بیچنے کو جاتے ہو اور کوئی پوچھے "کیا دودھ میں پانی ہے؟" تو یہ کہ دے جی۔ ایک سیر پانی ہے اور اس میں ایک پاؤ دودھ ہے خدا کو ہم ضرور مانتے ہیں۔ یہ صدیقیت نہیں۔ یہ تو کذابیت ہے۔ صدیق وہ ہے جو زبان سے کہا اس پر عمل بھی کیا۔ اُسے کہتے ہیں صدیق۔ جیسا کہ قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ ۚ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا ۔ (مریم ۴۱) ابراہیم جو تھے جو زبان سے نکالا اس پر سچے اترے سورۂ بقرہ میں ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا۔ إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ ابراہیم! میرا مطیع ہو جا۔ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۔ (بقرہ ۱۳۱) "اللہ بس میں مطیع ہو گیا" پھر کیسے مطیع بنے؟ اس پر سچے اترے کہ نہ اترے؟ ایک گھڑی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ ابراہیم مقابلہ کرو اس نمرود کا اور نمرودیوں کا۔ آپ کو آگ میں ڈال دیا جاتا ہے آپ ثابت قدم رہتے ہیں۔ اسلام ہوا کہ نہ ہوا؟ پھر حکم ہوتا ہے کہ اے ابراہیم! اس اپنے بچے کو اور اس اپنی بیوی کو یہاں سے نکالو۔ اور میرا وہ گھر جو میں بنانے والا ہوں۔ جس کی جگہ میں تمہیں بتاؤں گا وہاں جا کر چھوڑ دو۔ بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ (ابراہیم ۳۷) جہاں پر نہ کوئی پارک ہے، نہ ہوٹل، نہ کوئی مکان ہے کچھ بھی نہیں ہے۔ پانی تک نہیں ہے عرض کیا بالکل ٹھیک ہے۔ صدیق ہوئے کہ نہ ہوئے احادیث میں آتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی زوجۂ محترمہ کو اور حضرت

لہ الانبیاء ۶۸تا۷۰۔ لہ وَإِذْ بَوَّأْنَا الآیۃ (الحج ۲۶)

اسمٰعیل علیہ السلام کو لے کر وہاں پہنچتے ہیں۔ خانہ کعبہ کے قریب جسے قرآن نے فرمایا:۔
بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ (ابراہیم ۳۷)
ایسی وادی جو غیر ذی زرع ہے اس میں کوئی سبزہ نہیں ہے مگر اللہ کے گھر کے نشانات موجود ہیں۔ تو جب واپس آنے لگے کھجوروں کا کچھ تھوڑا سا حصہ اور پانی کا ایک مشکیزہ اپنی زوجہ محترمہ کے حوالے کیا اور فرمایا کہ بس اب میں جا رہا ہوں۔ تو جان اور تیرا کام جانے تجھے اب یہیں رہنا ہے۔ احادیث میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ آپ کی زوجہ محترمہ نے عرض کیا۔ اے اللہ تعالےٰ کے نبی! یہ کیا ہے۔ ہمیں کہاں چھوڑ کر آپ جا رہے ہیں؟

میرے دوستو اور میرے بھائیو! ہم اس تخیل کو دماغ میں نہیں لا سکتے جو وہاں پر ہوا۔ ہم میں سے کون ہے؟ ہم تو نماز با جماعت نہیں پڑھتے۔ "ارے میاں رات نماز میں نہیں آئے؟" — "اجی رات گھر میں کوئی نہ تھا۔ گھر والے اکیلے تھے۔ اور میں نے گھر ہی میں نماز پڑھ لی۔ یعنی ہم مسجد نہیں جا سکتے اپنے بیوی بچوں کو علیحدہ چھوڑ کر جماعت کے ساتھ نماز اس بہانے سے نہیں پڑھتے اور ایک یہ ہیں اللہ کے نبی صدیق۔ صدیقیت بڑی اونچی بات ہے۔ تو زوجہ محترمہ آپ سے پوچھتی ہے کہا اے میرے خاوند! اے میرے شہنا مدار صلی اللہ علیک وسلم آپ کہاں جا رہے ہیں! یہ چھوٹا بچہ اسمٰعیل علیہ السلام دودھ پینے والا بچہ اور یہ پانی کا ایک مشکیزہ اور تھوڑی سی کھجوریں اور یہاں نہ کوئی بازار۔ نہ کوئی مارکیٹ۔ نہ کوئی شہر نہ کوئی پڑوسی۔ کیا آپ کو یہ اللہ کا حکم ہے۔ آپ نے جواب فرمایا۔ اے میری بیوی! مجھے میرے رب نے اس بات کا حکم دیا ہے۔ تو حدیثوں میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آپ نے

۱؎ بخاری

عرض کیا۔ بس اب جائیں۔ جس اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ میرا نگہبان ہے کتنی متوکل بیوی تھی؟ سبحان اللہ! ایسی بیویاں اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب کرے۔ ہماری بچیوں کو بھی اللہ تعالیٰ نیک صالح فرمائے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر پورا ایمان اور اعتماد رکھیں۔ تو یہ صدیقیت ہوئی۔

پھر وہی بچہ جب چلنے پھرنے کے قابل ہوتا ہے۔ تو آپ فرماتے ہیں۔ کہ اے میرے بیٹے! اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی (الصّٰفٰت ۱۰۲) میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں تیرا کیا خیال ہے؟ نبی کا خواب بھی الہام ہوتا ہے۔ نبی بڑی اونچی ذات ہوتی ہے۔ نبی کوئی خالی لیڈر نہیں ہوتا۔ یا کوئی خالی مبلغ نہیں ہوتا۔ نبی نبی ہوتا ہے۔ نبوت بڑی اونچی چیز ہے۔ نبی نیند میں بھی نبی۔ نبی زمین پر بھی نبی۔ نبی آسمان پر بھی نبی۔ نبی گھر میں بھی نبی۔ نبی باہر بھی نبی۔ نبی مسجد میں بھی نبی۔ نبی سوتے میں بھی نبی۔ نبی بیٹھتے بھی نبی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ میرے بستر پر بھی جبرئیل تشریف لائے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس[1] نبی ہر حال میں نبی۔ نبی اس وقت بھی نبی۔ نبی قیامت تک نبی۔ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہر وقت نبی، نبوت بڑا اونچا مقام ہے۔ نبوت ایسی چیز نہیں جو سلب ہو سکے یا منقطع کر دی جائے۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام صدیق ہیں۔ خواب میں دیکھتے ہیں کہ میں بیٹے کو ذبح کر رہا ہوں پوچھتے ہیں بیٹے سے کہ تجھے کیا کیا جائے؟ بیٹا جواب میں کہتا ہے یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ (الصّٰفٰت ۱۰۲) اے ابا جی! جس

---

[1] سیرت عائشہ صد ۱۶۲

بات کا امر ہے (دیکھیے تُؤْمَرُ) اسمٰعیل علیہ السلام بچے ہیں۔ لیکن نبی ہونے والے ہیں۔
نبی الانبیاء کے دادے ہیں۔ اس لئے فرماتے ہیں کہ اباجی! میں سمجھ گیا آپ نے مجھے
بتایا کہ اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ سبحان اللہ! قرآن اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ
کو بھی سمجھائے بجاتی۔! بڑی پیارا کلام ہے۔ اللہ تعالیٰ کی باتیں بڑی پیاری ہوتی ہیں۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام جانتے ہیں کہ مجھے جو خواب میں حکم ہوا ہے وہ وحی ہے۔ لیکن
بیٹے کے سامنے تعبیر کیا فرمائی؟ یٰبُنَیَّ اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُکَ
فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی۔ میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ تو بتا تیری
کیا رائے ہے؟ آپ عرض کرتے ہیں یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ اے
میرے ابا اِفْعَلْ تو کر گزر مَا تُؤْمَرُ جس کا تجھے حکم ہوا ہے یہ نہیں فرمایا جو خواب
میں تو نے دیکھا ہے پورا کر لے یعنی فرمایا کہ میرے اباجی میں جانتا ہوں کہ تیرا خواب
بھی اللہ کا حکم ہے وہ بھی الہام ہے۔ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ
الصّٰبِرِیْنَ آپ دیکھیں گے کہ میں بڑا صبر کروں گا۔

اور قرآن نے اس پر بھی گواہی دی وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ اِسْمٰعِیْلَ اِنَّہٗ
اِنَّہٗ کَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَکَانَ رَسُوْلًا نَّبِیًّا (مریم ۵۴)
اے میرے حبیب! اس کتاب میں اسمٰعیل علیہ السلام کا بھی ذکر کر دے۔ اِنَّہٗ
کَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وہ اپنے وعدے میں پورے اترے باپ کے ساتھ
جو وعدہ کیا تھا کہ میں ثابت قدم رہوں گا۔ اس میں آپ پورے اترے تو صدیق کہتے
ہیں اس ذات کو اس انسان کو جو اپنے قول کو اپنی عملی زندگی میں پورا کر دکھائے۔ تو
ہمیں بتایا گیا ہے کہ وہ کون ہیں؟ وہ منعم علیہم لوگ ہیں تیسرے نمبر پہ شہید ہے شہید
کہتے ہیں اس ذات کو اصطلاحی طور پہ کہ جو ذات اپنے قول اپنے عمل میں اس حد تک

آگے چلی جائے کہ جان کی بھی پروا نہ کرے۔ یہ لوگ جو شہید ہوتے ہیں۔ ان کو اپنے عنصریئے پر یقین ہوتا ہے کہ جو میرا عندیہ ہے وہ بالکل ٹھیک ہے میں اپنی جان تو دے دوں گا لیکن نظریئے کو نیچے نہیں آنے دوں گا حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالےٰ عنہ جو جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں۔ ان کے متعلق حدیث میں ہے کہ غزوۂ موتہ میں آپ تشریف فرما تھے۔ آپ کے دائیں ہاتھ میں تھا علم نبوی جسے جناب کہا جاتا ہے اس کو آپ نے گرنے نہیں دیا۔ دائیں ہاتھ کو جب کاٹا گیا تلوار لگی تو بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا۔ بائیں ہاتھ کو جب کاٹا گیا تو اپنی کہنیوں میں اس جھنڈے کو تھام لیا جب کہنیاں بھی کٹ گئیں تو منہ میں تھام لیا کہ علم نبوی نیچے نہ گرے تب جعفر طیار کا لقب پایا۔ جب حضرت جعفرؓ کے گھر میں خبر پہنچی کہ جعفرؓ شہید ہو گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مَا اٰیْتُ جَعْفَرَ یَطِیْرُ بِجِنَاحَیْہِ فِی الْجَنَّۃِ ؕ میں نے دیکھا کہ جعفرؓ اپنے دونوں پروں کے ساتھ جنت میں تیر رہا ہے۔ رونے کی کون سی بات ہے؟ طیار لقب پایا۔ تیرنے والا۔ اڑنے والا اور قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اس کی شرح اپنی کوکب دری میں فرماتے ہیں یَطِیْرُ بِجَنَاحَیْہِ اَیْ بِجَسَدِہٖ وَ شَخْصِہٖ دونوں پروں کے ساتھ اڑ رہا ہے یعنی اپنے بدن کے ساتھ اڑ رہا ہے جنت میں۔ میں نے جعفرؓ کو دیکھا تو حضرت جعفرؓ نے جھنڈے کو نیچے نہیں گرنے دیا۔ اپنی جان کی بازی لگا دی عنصریہ اسی کو کہتے ہیں۔ جان کی بازی لگا کر اس بات کی شہادت دی جاتی ہے کہ میرا نظریہ اور عقیدہ درست اور حق ہے۔

آپ کو شائد یہ یاد ہوگا۔ اکثر دوست پڑھے لکھے ہیں۔ پچھلے دنوں جب چین کے وزیر اعظم چو این لائی صاحب آئے تھے ہمارے ہاں مہمان ہو کر۔ تو کراچی کی شاہ

کسی تقریب میں اُن کے استقبال کے لئے جھنڈیاں باندھی گئیں۔ دونوں قسم کی جھنڈیاں تھیں۔ پاکستانی جھنڈیاں بھی تھیں۔ اور چینی جھنڈیاں بھی تھیں۔ تو ایک جھنڈی رسّی سے ٹوٹ کر قالین پر گر پڑی جب چو این لائی صاحب آئے تو انہوں نے اس جھنڈی کو زمین پر سے اُٹھا لیا۔ کیوں اٹھایا؟ وہ سمجھتے تھے کہ یہ میرا ملکی نشان ہے۔ کاغذ کی چھوٹی سی جھنڈی زمین پر گر پڑی تھی۔ اس کو اٹھا کر اپنے سیکرٹری کے حوالے کر دیا۔ کہ اس کو زمین پر پست گرنے دیا جائے۔ میں نہیں دیکھ سکتا۔ کہ میری آنکھوں کے سامنے چین کا جھنڈا یا اس کا نشان گرے۔

میری باتوں سے آپ ناراض نہ ہوں۔ یہ دینی مجلس ہے۔ آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ بلکہ خود کرتے ہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ جھنڈا، وہ شعارِ اسلامی ہماری سفید داڑھیاں ہوتی ہیں۔ مونڈ کر نالیوں میں ڈال دیتے ہیں۔ کہتے ہیں جی داڑھی میں کیا رکھا ہے؟ داڑھی میں بھی کچھ نہیں رکھا۔ نماز میں بھی کچھ نہیں رکھا۔ روزے میں بھی کچھ نہیں رکھا۔ زکوٰۃ میں بھی کچھ نہیں رکھا۔ تو رکھا کہاں ہے؟ بتا دیا جائے تاکہ وہاں سے لے کر جیب میں ڈال لیا جائے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بھی سنت ہو میرے بھائی! چھوٹی ہو یا بڑی ہو۔ جس سے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیار تھا۔ ہمارے لئے باعثِ احترام ہونی چاہیئے۔ ہو سکتا ہے ایک سنت پر عمل سے بھی نجات مل جائے۔ جیسا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے فرمایا تو مونچھوں کو کتر آ تا رہ یہاں تک کہ تو مجھ سے حوضِ کوثر پر آملے۔ یہ ضروری نہیں کہ داڑھی والے ولی بن جاتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ داڑھی والے بے داڑھی سے زیادہ گنہگار ہوں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ اُن کے کچھ اعمال اتنے اچھے ہوں کہ وہ اللہ تعالےٰ کے ہاں قابلِ قبول ہو جائے اور ایک داڑھی والا اتنا مجرم ہو۔ کہ وہ خدا کے ہاں

مردود ہو جائے۔ یہ ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ تو ماننا پڑے گا۔ کہ شعار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور ادب کس نے کیا۔ میں بات عرض کر رہا ہوں۔ آپ میری باتوں سے ناراض نہ ہوں۔ یہ شعار جو ہوتے ہیں قوموں کے۔ اسی کو یونیفارم کہا جاتا ہے۔ اس کو ثقافت کہا جاتا ہے۔ ثقافت کا یہ مفہوم نہیں ہے۔ کہ گھنگرو باندھ دیئے جائیں اور ناچنے لگیں۔ ثقافت یہ ہے کہ ہم پہچان لئے جائیں۔ کہ یہ کون سی قوم ہے۔ ہمارا وہ یونیفارم ہو کہ ہمیں پہچان لیں دوسری ملتیں کہ یہ کون سے لوگ ہیں۔ کیا یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھنے والے ہیں۔ یا کسی دوسرے کو ماننے والے ہیں۔ جب اس بات کا احساس پیدا ہو جائے کہ فلاں کام فلاں چیز ہمارے قومی اور ملی شعار میں ہے۔ تو پھر عمل میں آ جاتی ہے۔ مجاہد دکن سید محمد قاسم رضوی نے فرمایا کہ میں محرم کی تعطیلات میں ڈاڑھی نہیں منڈایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ ۱۹۳۹ء میں جب تعطیلات کے بعد حسب معمول صاف کرنے بیٹھا تو فوراً خیال آ گیا کہ یہ بال تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں چنانچہ چھوڑ دیئے اور آج تک موجود ہیں۔

تو عرض خدمت میں یہ کر رہا تھا۔ کہ شہید اسے کہتے ہیں۔ جو اپنے نظریے پر اپنی جان کی بازی لگا دے۔ یہ تیسرا نمبر ہوتا ہے۔ أُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ اور چوتھے نمبر پر آتا ہے۔ وَالصَّالِحِينَ عام نیک لوگ جو اللہ کے حکموں کو مانتے ہیں اور نتیجہ نکالا وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ان لوگوں کی رفاقت بہت اچھی ہے۔

تو ہم نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ چلا ہم کو سیدھے راستے پر یا دکھا ہم کو سیدھا راستہ تاکہ ہم اس پر چلیں اور وہ را

کون سا ہے؟ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ اُن لوگوں کا راستہ
اُن پاکبازوں کا راستہ جن پر تو نے اپنے انعام و اکرام کئے۔
غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۔ نہ اُن
لوگوں کا راستہ جن پر تیرا غضب ہوا۔ اور نہ اُن لوگوں کا راستہ جو گمراہ ہوئے۔
اس حصے کی تفسیر میں بہت سے احکام ہیں بہت سی تفصیل ہے۔ مگر میں چاہتا
ہوں کہ آج سورہ فاتحہ کا درس ختم ہو ہی جائے تو اچھا ہے۔ اس لئے میں اجمالی طور
پر عرض کرتا ہوں کہ عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتی ہیں اور اسی کو اکثر علماء نے اختیار فرمایا۔ کہ
مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے مراد یہود ہیں۔ اور ضَآلِّيْنَ سے مراد نصاریٰ
ہیں۔ قرآن کریم نے روزِ اوّل سے مسلمانوں کو متنبہ فرمایا کہ دیکھو تم یہودیوں اور نصاریٰ
کے عقیدوں کو۔ ان کے طرزِ عمل کو یا اُن پر اعتماد کو کبھی بھی اپنے دل میں مت لاؤ۔ یہودیوں
کا رستہ، یہودیوں کا طرزِ عمل عیسائیوں کا رستہ، عیسائیوں کا طرزِ عمل یہ دونوں تمہارے
لئے خطرناک ہیں۔ عقیدے کے اعتبار سے بھی، ہر اعتبار سے یہ تمہارے لئے خطرناک
ہیں۔ قرآن نے صاف کہا۔ آگے آتا ہے قرآن کے پہلے ہی پارے میں۔ وَلَنْ
تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ
(البقرہ نمبر ۱۲۰) اے میرے حبیبؐ! یہ یہود اور نصاریٰ تجھ سے کبھی راضی نہ ہوں گے یہاں
تک کہ تو اُن کا دین اختیار کرلے۔ یہ لوگ جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راضی
نہیں ہوئے تو مجھ سے راضی ہو سکتے ہیں؟ آپ سے راضی ہو سکتے ہیں؟ ہم کن خیالوں
میں ہیں۔ اور آج تو دنیا کی قومیں ہمیں پلیٹنے کے لئے تیار ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کے ارادوں
کو ناکام کرے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اُن کے حملوں سے بچائے۔ لیکن آپ تو پڑھے
لکھے دوست ہیں۔ آپ کو یہ بات معلوم تو ہوگی کہ ابھی پچھلے دنوں یورپ رہنما سے چل کر بیلجی

آیا اور اس سے پہلے ۱۹۶۴ء کے شروع میں پوپ روما سے چل کر اسرائیل آیا۔ کیا یہ واقعات ویسے ہی ہیں؟ پوپوں کی تاریخ میں میرا خیال ہے کہ یہ پہلا واقعہ ہے کہ پوپ روما سے چل کر کسی دوسرے ملک میں گیا ہو۔ پھر خصوصاً اس ملک اسرائیل میں جہاں حکومت یہودیوں کی ہے اور یہود نے حضرت مسیح علیہ السلام کو صلیب پر چڑھایا (قرآن نے اس کی نفی کی اور کہا اللہ نے آپ کو سلامت اٹھا لیا) لیکن اپنے عقیدے کے مطابق تو وہ قائل ہوئے یعنی یہودی جو حضرت مسیح علیہ السلام کے قاتل ہیں یہودیوں کے ملک میں پہلی دفعہ پوپ آتا ہے۔ پھر وہ پوپ وہاں سے چلا اور ہندوستان میں آیا ہندوؤں کے پاس۔

بھائی یہ کیا بات ہے؟ یہ کس خیال سے تشریف لا رہے ہیں؟ یہ کس کے لئے تجویزیں ہو رہی ہیں؟ کہیں یہ بات تو نہیں کہ دنیا کے مسلمانوں کو نابود کر دیا جائے؟ اس وقت دنیا میں اٹھارہ ملک لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھنے والوں کے آزاد ہو چکے ہیں۔ انڈونیشیا سے لے کر طرابلس تک یہ ایک لائن بن چکی ہے۔ جن میں سے اکثر ممالک میں باقاعدہ معاہدے بھی ہو چکے ہیں۔ یہ کیا بن رہا ہے؟ یہ بات یہودیوں، عیسائیوں اور ہندوؤں کے لئے باعثِ فکر بن گئی۔ یاد رہے۔ کفر ساری ایک ملت ہے خواہ وہ یہودی ہوں، خواہ وہ ہندو ہوں، خواہ وہ عیسائی ہوں۔ مسلمانوں کے خلاف ہیں۔ قرآن میں صاف ہے۔ لَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ہم کسی پر حملہ نہیں کرتے لیکن ہم یہ تو سوچیں کہ ہمارے دوست ہمارے متعلق کیا سوچ رہے ہیں۔ ہمارے متعلق کیا کیا باتیں سوچی جا رہی ہیں اور شاید پھر یہ بھی پڑھا ہوگا آپ نے اخباروں میں کہ ابھی پچھلے دنوں یہودیوں نے ایک محضر پیش کیا پوپ صاحب کی خدمت میں۔ جس میں استدعا کی کہ ہمارے متعلق جو ۱۹۶

سال ہو گئے۔ یہ بات مشہور ہے کہ ہم عیسٰی علیہ السلام کے قاتل ہیں۔ اس بات کو مٹا دیا جائے ہم عیسٰی علیہ السلام کے قاتل نہیں ہیں۔ گویا دو ہزار سال کے بعد یہ درخواست دی یہودیوں نے۔ چنانچہ پوپ نے اپنی مذہبی مجلس کو بلایا اور غور و خوض کے بعد جو فیصلہ کیا۔ وہ فیصلہ اخباروں میں آ چکا ہے۔ وہ فیصلہ یہ ہوا کہ پوپ نے یہودیوں کی یہ درخواست منظور کر لی کہ واقعی تم مسیح علیہ السلام کے قاتل نہیں ہو۔ دراصل یہ بھی قرآن کی صداقت ہے۔ قرآن شریف میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ کہ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۚ (النساء ۱۵۹) ایک وقت آئے گا کہ دنیا کے سارے اہل کتاب حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لائیں گے۔ تو ہم تو الحمد للہ پہلے ہی مانتے ہیں حضرت عیسٰی علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اور عیسائی بھی مانتے ہیں اور وہ یہودی جو ۱۹۶۴ سال سے کہہ رہے تھے کہ عیسٰی علیہ السلام کو ہم نے صلیب لگایا۔ انہوں نے بھی حضرت عیسٰی علیہ السلام کی نبوت کو مان لیا تو یہ تو قرآن کی صداقت ہو گئی۔

تو میں عرض خدمت میں یہ کر رہا تھا۔ یہ باتیں غیر ضروری نہیں بلکہ ضروری ہیں قرآن تو هُدًى لِّلنَّاسِ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں فرماتے ہیں کہ تم مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کے راستے کو مت اختیار کرو۔ اور نہ ضالین کے راستے کو اختیار کرو۔ ہم اللہ سے یہ دعا مانگ رہے ہیں کہ یا اللہ! ہمیں اس قوم کا راستہ نہ دکھا جس پر تیرا غضب ہوا۔ اور حدیث کی روشنی میں وہ کون ہیں؟ یہودی ہیں۔ اور نہ اس قوم کے راستے پر چلا۔ جو ضالین ہیں اس سے مراد حدیث کی روشنی میں نصاریٰ ہیں
ان کی گمراہی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں جتنے نظریات آئے۔ ان

نظریات ہیں۔ یہود اور نصاریٰ کے آسمانی نظریات تھے۔ لیکن یہ کیوں بھٹکے؟ میرے دوستو! میرے بھائیو! ایک ہوتے ہیں اصول، ایک ہوتی ہے شخصیت۔ ان میں سے ایک نے اصول لیئے شخصیت کو چھوڑ دیا۔ ایک نے شخصیت لی اصول کو چھوڑ دیا۔ یہودیوں نے بعض اصول تو لے لئے تورات کے لیکن شخصیتوں کو چھوڑ دیا۔ اُن کے متعلق قرآن میں آتا ہے[1] وَ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ۔ کسی نبی کو جھٹلایا۔ کسی کو قتل کیا۔ حضرت الیاس علیہ السلام کو قتل کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب لگانے کی کوشش کی یعنی یہودیوں نے بعض اصول تو لئے لیکن شخصیتوں کو چھوڑ دیا۔ اور عیسائیوں نے اصول چھوڑ دیئے شخصیت کو لے لیا۔ کہنے لگے کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا تعالےٰ کے بیٹے ہیں تعلیم پر عمل کچھ بھی ضروری نہیں۔ خدا تعالےٰ کا بیٹا ہے بس ہمیں بخشوا لے گا۔ کفارۃ المسیح پر ہمارا ایمان ہے۔ شخصیت لے لی اور اصول چھوڑ دیئے۔ قرآن نے بتایا اصول بھی لو شخصیت بھی مانو۔ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت بھی۔ تمہارا ایمان ہونا چاہیئے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساری کائنات سے زیادہ میری نظر میں محبوب ہیں اور جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں صحیح حدیث ہیں وَ اللّٰہِ لَا يُؤْمِنُ مجھے خدا کی قسم ہے کہ تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا (تین دفعہ فرمایا) حَتّٰى[2] اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَ وَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ؕ یہاں تک کہ اس کے دل میں میری محبت اس کے باپ سے اس کے بیٹے سے اور سب لوگوں سے زیادہ نہ ہو یہ ہے محبت یعنی شخصیت کا احترام اور عمل کے متعلق بھی فرمایا کہ اسے[3] فاطمہؓ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لَا اُغْنِيْ عَنْكِ شَيْ

---

[1] بقرہ ۶۱ [2] بخاری تفسیر سورۃ الشعراء

مِنَ اللهِ شَيْئًا ۔ اے میری بیٹی! تو مت یہ کہہ دینا کہ میں چونکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی ہوں اس لئے بیٹی ہونے کی وجہ سے چھوٹ جاؤں گی۔ نہ تمہیں بھی اپنے عمل کرنے پڑیں گے یعنی اصول کو بھی پکڑو اور شخصیت کو بھی پکڑو۔ یہ دو پہیے ہیں اسلام کی گاڑی کے۔ اگر شخصیتوں کو چھوڑ دیا گیا اللہ تعالےٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام چھوڑ دیا گیا۔ اللہ تعالےٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت چھوڑ دی گئی۔ کچھ بھی نہیں بنتا۔ اور اگر عمل کر رہا ہے لیکن عقیدہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں ہے۔ تو کچھ بھی نہیں بنتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت، شخصیت کا احترام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر عمل، یہ دونوں چیزیں ہیں۔ ان پر عمل کریں گے تو کامیاب ہوں گے۔

آخر میں ہم پڑھا کرتے ہیں آمین آمین کا معنی اَللّٰهُمَّ اسْتَجِبْ (اللہ تعالیٰ! ہماری دعاؤں کو قبول فرما) یہ آمین کا کلمہ قرآن میں نہیں ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تو گویا قرآن ہی کا ایک حصہ سمجھا جاتا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب مسلمان سورہ فاتحہ پڑھتے ہوئے وَلَا الضَّآلِّيْنَ پڑھتے ہیں اور پھر آمین کہتے ہیں۔ تو فرشتے بھی آمین کہتے ہیں

یا اللہ! تیرے بندوں نے تیری بڑی حمد و ثنا کی۔ اور تجھ سے ایک بڑی اچھی چیز مانگی۔ اللہ تعالےٰ! تو ان کی دعاؤں کو قبول فرما۔ تو فرمایا۔ فَمَنْ وَافَقَ تَامِيْنُهٗ تَامِيْنَ الْمَلٰئِكَةِ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ[1] ۔ اللہ تعالےٰ اس کے پہلے گناہ معاف کر دیتے ہیں۔

---

[1] ترمذی وغیرہ کتب حدیث

جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے ساتھ مل جائے۔ مسئلہ تو نماز کا ہے۔ لیکن ویسے بھی قرآن پڑھنے کے بعد بھی آمین کہتے ہی ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ ہماری ان دعاؤں کو قبول فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن کی سمجھ نصیب فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ سے اور مجھ سے سب سے راضی ہوں۔ آمین! قرآن کریم کی سب سورتوں میں یہ شرف صرف اسی سورت کو حاصل ہے۔ اس کے پڑھنے کے بعد آمین کہنے کا حکم فرمایا۔ اس لئے اس سورت کو مشکلات میں پڑھنا مفید ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق بخشے۔

تیسرا درس قرآن حکیم (سورہ بقرہ)

منعقدہ رمضان المبارک ۱۳۸۴ھ جنوری ۱۹۶۵ء

یہ درس مقدس سورہ بقرہ کی مندرجہ ذیل تین آیات کا درس ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ الٓمّٓ ۚ ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ ۚ فِیۡہِ ۚ ہُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ۙ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ وَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ ۙ

اس میں جو مضامین احکام، علمی نکات آئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ الفاظ قرآنی کی تین قسمیں ہیں محکم۔ متشابہ۔ حروف مقطعات

۲۔ بعض سورتوں کو حروف مقطعات سے شروع فرمانے کی حکمت حروف مقطعات تشریح نہیں میں آئے ہیں۔

۳۔ سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ بلکہ سارے قرآن مجید کا ربط

۴۔ چار علامتوں کے بعد مقصد حاصل ہوتا ہے

۵۔ تقویٰ کی تعریف۔ رزق حلال کی عظمت اور فضیلت۔

۶۔ نماز اور صدقہ انفاق فی سبیل اللہ کا باہمی تعلق

۷۔ خاتمہ بالخیر کے لئے صدقہ مفید ہوسکتا ہے صدقہ عمومی نیکی کا نام ہے۔

۸۔ بندوں کے حقوق جہاد سے بھی معاف نہیں ہوتے۔

۹۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات امت کے لئے دلیل اور دلیل ہیں۔

۱۰۔ دور حاضرہ کے مرشد کامل حضرت لاہوری رحمتہ اللہ علیہ کے تقویٰ کا واقعہ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورہ بقرہ کے شروع میں چند باتیں عرض کرنی نہایت ضروری ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ سورتوں کے جو نام ہیں وہ سب توقیفی ہیں۔ توقیف کا مطلب یہ ہے کہ جو باتیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہیں۔ جو آپ سے صادر ہو چکی ہیں اب بعد میں امت میں سے کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ ان میں رد و بدل کرنے سورتوں کے نام توقیفی ہیں۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے ہیں۔ مثلاً اس سورہ کا نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا ہے سورہ بقرہ۔ اب بعد میں امت سے کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ اس نام کو بدل دے۔ اور یہ کہ سورہ کہ قرآن میں تو نہیں آیا۔ کہ اس سورہ کا نام بقرہ ہے۔ ہم کہتے ہیں قرآن میں تو نہیں آیا لیکن جس پہ قرآن نازل ہوا صلی اللہ علیہ وسلم اس نے فرمایا کہ اس سورہ کا نام بقرہ ہے۔ جس وجود اقدس پہ قرآن کا نزول ہوا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ اس سورہ کا نام بقرہ ہے۔ تو بعد والوں کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اس نام کو بدلائیں۔ سورتوں کے نام تجویز کرنے میں جہاں تک علمائے تفسیر نے فرمایا ہے۔ اس قاعدے کو ملحوظ رکھا گیا ہے میں اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ آپ سورہ کا نام دیکھ کر ہی اندازہ کر لیں گے کہ آگے کیا مضمون آرہا ہے۔ سورتوں کے نام تجویز کرنے میں جہاں تک علمائے تفسیر نے فرمایا وہ یہی فرمایا کہ سورتوں کے نام رکھنے میں چند باتوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ کسی سورہ میں جو کوئی قصہ کوئی واقعہ، کوئی مسئلہ اہم آیا ہو اس کی مناسبت سے سورہ کا نام رکھا گیا ہے مثلاً سورہ بقرہ میں بقرہ کو عربی زبان میں کہتے

یں گائے کو پہلے ہی پارے میں ذکر آتا ہے بنی اسرائیل کو حکم ہوا تھا کہ ایک گائے کو ذبح کریں۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً تو اس بقرہ کی مناسبت سے سورہ بقرہ کا نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بقرہ رکھا۔ بعض سورتوں میں جو پہلے لفظ آئے ہیں۔ ان کی مناسبت سے نام رکھے گئے ہیں جیسے کہ سورہ یٰس کو سورہ یٰس فرمایا یٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِیْمِ ۝ اس کا جو پہلا کلمہ ہے وہ یٰس ہے۔

بعض سورتوں کے نام معانی کے اعتبار سے رکھے گئے ہیں۔ جیسے سورہ فیل میں ہاتھی والوں کا ذکر ہے اس کا نام سورہ فیل رکھا گیا۔

ہر سورہ کا تقریباً ایک ہی نام ہے۔ بعض سورتوں کے دو نام بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ جیسے سورہ ماعون کو ماعون بھی فرمایا اور یتیم بھی آتا ہے۔ سورۂ محمد کا اسم گرامی سورہ قتال بھی ہے اور سورہ محمد بھی، تو اس مناسبت سے اس سورہ کا نام بقرہ ہے کہ اس میں گائے ذبح کرنے کا واقعہ جو موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ہوا۔ اس کو بیان فرمایا جا رہا ہے۔ اسی مناسبت سے امام الانبیاء جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورہ کا نام رکھا ہے سورۃ بقرہ۔

دوسری چیزیں درس قرآن کے ضمن میں عرض کروں گا جن کا تعلق سارے قرآن مجید سے ہے۔ قرآن کریم کے الفاظ کی تین قسمیں ہیں۔ معانی موٹے اور ان کا ذکر قرآن شریف میں آتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کے کلام کی تین قسمیں ہیں۔ ارشادات کی۔ الفاظ کی معنی کے اعتبار سے۔ ایک قسم ہے محکم، محکم کا عربی زبان میں معنی ہے پکا۔ محکم اس لفظ کو۔ اس ارشاد کو۔ اس کلام کو فرمایا گیا جس کے لفظ بھی، معانی بھی اور مراد بھی سمجھ میں آجائے۔ اسے فرمایا محکم مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ

مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ (آل عمران ۷)

فرمایا قرآن کریم کی آیتیں محکمہ ہیں۔ اور کچھ ان میں متشابہات بھی ہیں محکم اس آیت کرامی کو کہتے ہیں۔ جس کا لفظ بھی سمجھ میں آجائے معنی بھی سمجھ میں آجائے مراد بھی سمجھ میں آجائے۔ جیسے کہ اللہ تعالٰے نے فرمایا لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓی۔ تم زنا کے قریب مت جاؤ۔ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِیْلًا (بنی اسرائیل ۳۲) اب یہ ایسی آیت ہے کہ لفظ بھی سمجھ میں آتے ہیں معنی بھی سمجھ میں آتے ہیں اور یہ بچہ بچہ جانتا ہے کہ اس سے کیا مراد ہے۔ اسے فرمایا محکم۔ دوسری قسم متشابہات بتشابہات کی علماء نے دو قسمیں کی ہیں۔ حروف مقطعات اور متشابہات۔ متشابہات ان ارشادات گرامیہ کو فرمایا کہ لفظ بھی سمجھ میں آگیا معنی بھی سمجھ میں آگئے۔ مگر اس سے مراد رب العالمین کی کیا ہے۔ وہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ۚ (الفتح ۱۰) اے میرے حبیبؐ جو لوگ آپ کے ہاتھ پہ بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت آپ کے ہاتھ پہ بیعت نہیں کر رہے بلکہ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ وہ تو اللہ کے ہاتھ پہ بیعت کر رہے ہیں۔ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ۚ ان کے ہاتھوں پہ اللہ کا ہاتھ ہے۔ اب دیکھئے یَدُ اللّٰهِ، یَدْ کہتے ہیں عربی زبان میں ہاتھ کو اور اللہ کا معنی اللہ ید اللہ کا لفظ بھی سمجھ آگیا معنی بھی سمجھ میں آگیا۔ لیکن اللہ تعالٰے کا ہاتھ کیسا ہے۔ اس کی کیا کیفیت ہے۔ اس کی کیا نوعیت ہے ہم ہاتھ اس کو کس طرح تعبیر کر سکتے ہیں۔ یہ ایسی بات ہے جس کی تشریح ہم سے نہیں کی جا سکتی۔ اس لئے کہ اللہ جیسا کوئی نہیں جس کو دیکھ کر فیصلہ کیا جا سکے۔ ارشاد فرمایا لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ ۚ (الشوریٰ ۱۱)

اسی لئے فرمایا وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِہٖ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا (آل عمران ۷) فرمایا جو پختہ علم والے ہیں وہ تو کہتے ہیں کہ ہمارا ایمان ہے کہ متشابہات بھی اللہ کا کلام ہے۔ ہم جتنا جاننے کے مکلف ہیں جان لیا یہ معنی ہے۔ باقی ہم تفصیل میں کیوں جائیں جس کا ہمیں حکم نہیں دیا گیا۔ ہم اس بات کی تفصیل میں کیوں جائیں۔

تیسری قسم ہے میرے بزرگو اور دوستو مقطعات۔ مقطعات کا لفظی معنی ہے ٹکڑے ٹکڑے۔ علیحدہ علیحدہ کی ہوئی چیزیں یا کٹے ہوئے حروف قرآن کریم میں کچھ ایسی سورتیں ہیں۔ کہ جن کے شروع میں حروف مقطعات آئے ہیں۔ جیسا کہ الٓمٓ حٰمٓ۔ عٓسٓقٓ کٓھٰیٰعٓصٓ یہ حروف مقطعات میں ٹکڑے ٹکڑے۔ ک علیحدہ پڑھا ہ۔ ی۔ ع۔ ص علیحدہ علیحدہ کلمے پڑھے جاتے ہیں۔ ان کو کہا جاتا ہے حروف مقطعات۔ حروف مقطعات کے متعلق یہ ہے کہ الفاظ تو ہم جانتے ہیں کہ الفاظ تو یہ ہی ہیں مگر ان کا معنی کیا ہے یہ ہم نہیں جانتے ان سے مراد کیا ہے۔ یہ بھی ہم نہیں جانتے۔ ان کا معنی اور مراد وہ جانے جس نے نازل کئے یا وہ جانے جس پر نازل ہوا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ بعض علمائے کرام نے لکھا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ حروف مقطعات کے معنی کا خواص بنی آدم پر انکشاف فرما دیتے ہیں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کا علم ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ جس کو چاہے (خواص بنی آدم میں سے) ان پر بھی ان حروف کے معنی کا انکشاف ہو جاتا ہے۔ لیکن ہم جیسے عام مسلمان ان کلمات کے معنی سمجھنے سے معذور ہیں ہم مکلف بھی نہیں کہ جانیں کہ ان حروف کے معانی کیا ہیں۔ رہی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نے نازل کیوں کئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے نازل اس لئے کئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم اس پر ایمان رکھو

کہ یہ میرا کلام ہے۔ خواہ بات تمہاری سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ تو حبیب اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الٓمّٓ۔ ہم نے بھی کہہ دیا الٓمّٓ۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ کا کلام ہے ہم نے بھی کہہ دیا کہ ہمارا ایمان ہے۔ یہ اللہ کا کلام ہے اس لئے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم الٓمّٓ کو ایک کلمہ ایک حرف مت کہو۔ اَلِفٌ حَرْفٌ وَّلَامٌ حَرْفٌ وَّمِیْمٌ حَرْفٌ[1] الف الگ حرف ہے۔ لام الگ حرف ہے میم الگ حرف ہے۔ کیا مطلب؟ کہ جس آدمی نے ایک دفعہ پڑھ لیا الٓمّٓ اس کو تیس نیکیوں کا ثواب مل جائیگا قرآن کا ایک کلمہ پڑھنے سے دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا[2] جو نیکی کرے تو دس نیکیوں کا ثواب ایک کلمہ قرآن کا پڑھے تو دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ تو اب جو سورتوں کو حروف مقطعات سے شروع کیا گیا جو ترتیب دی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اے مسلمانو اے مجھ پر ایمان لانے والو۔ اس سورۃ میں جو آگے مضمون آرہا ہے ہو سکتا ہے کہ وہ مضمون تمہاری سمجھ سے بالاتر ہو۔ ہو سکتا ہے کہ تمہارے عقول کی وہاں تک رسائی نہ ہو لیکن جس طرح تمہارا ایمان ان حروف مقطعات پر ہے اسی طرح تمہارا ایمان آنے والی بات پر بھی ہونا چاہئیے۔ جیسا کہ ابھی آ جائیگا۔ سورہ آل عمران کے شروع میں فرمایا الٓمّٓ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ سورہ مریم کے شروع میں فرمایا كٓهٰيٰعٓصٓ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا سورہ یوسف کے شروع میں فرمایا الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ

---

[1] دارمی و ترمذی [2] سورہ الانعام آیت ۱۶۰

دیکھئے تینوں سورتوں میں عجیب عجیب باتیں ہیں جو انسانی عقول سے بالاتر سمجھی
لتی ہیں۔ آل عمران میں کیا بیان ہو رہا ہے آل عمران میں آتا ہے کہ حضرت مسیح ع
باپ کے پیدا کیا تو پہلے ہی فرمایا الٓمّٓ۔ جس طرح ان کلموں کو مانتے ہو کہ یہ میرا ہی
ہے آنے والے مضمون کو بھی ماننا پڑے گا۔ کہ میرا وہ حکم ہے میرا وہ فعل ہے۔ سورہ
کے پہلے فرمایا۔ کٓھٰیٰعٓصٓ اور آگے کیا فرمایا حضرت زکریا ع کو اولاد اللہ تعالیٰ
ی جب آپ بوڑھے ہو چکے تھے سر کے بال سفید ہو چکے تھے۔ ہڈیاں ہیں گودا بھی خشک ہو چکا تھا
رمایا اِمْرَاَتِیْ عَاقِرٌ میری بیوی تو ہے ہی نا قابلِ اولاد مگر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کَذٰلِکَ اللّٰہُ
لُ مَا یَشَآءُ۔ اے زکریا میں جو چاہوں کر سکتا ہوں جس طرح کٓھٰیٰعٓصٓ کا معنی نہ سمجھنے کے باوجود
نے ہو آنے والی بات کو بھی ماننا پڑے گا۔ سورہ یوسف میں یوسف علیہ السلام
ندگی کے واقعات آتے ہیں۔ کہ کس طرح ایک انسان جس کو سوتیلے بھائی کنوئیں میں ڈال
اس خیال سے کہ بس اس کی زندگی ختم ہو جائے گی وہ کس طرح رب العالمین کی
ت میں آتا ہے۔ اس بچے کو جو ایک کنوئیں میں ڈال دیا گیا تھا کس طرح اللہ تعالیٰ
ہیں مصر کا بادشاہ بناتی ہیں۔ اب یہ بات بظاہر ذہن میں نہیں آسکتی کہ وہ بچہ جسے
ں میں ڈال دیا گیا۔ پھر اس کے وہی بھائی جو اس کو کنوئیں میں ڈالنے والے تھے وہ
کے سامنے عاجز اور ذلیل ہو کر پیش ہوتے ہیں۔ اس لئے پہلے فرمایا کہ الٓرٰ
تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ کہ جس طرح الٓرٰ کو مانتے ہو۔ اسی طرح آنے
والے قصے پر بھی یقین رکھنا پڑے گا۔ اسی مناسبت سے میرے دوستو میرے
پھر یہاں پہ فرمایا الٓمّٓ یعنی سورہ بقرہ میں جو عقائد آرہے ہیں جو واقعات
ہے جو قصے آرہے ہیں ان قصوں کے متعلق تم مت یہ فیصلہ کر دو کہ ہمارے
ذہن ہی نہیں آتا۔ آج کل ذہن کی بڑی بیماری ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جی ہمیں تو سمجھ ہی

ہی نہیں آتا بھلا ہم نے اور کونسی بات سمجھی ہے کہ یہ نہیں سمجھے ابھی تک انسان کسی
پہنچ سکا ہے؟ دنیا کے بڑے بڑے سائنسدان کہتے ہیں کہ سائنس ایک مسلسل جہاد
جاری ہے لیکن نتیجہ کسی بات کا نہیں نکلتا پانی ہم ہر روز پیتے ہیں۔ یہ پانی کیا چیز
یہ مادہ سیال ہے بہنے والا مادہ۔ یہ کس سے مرکب ہے۔ اس میں کتنی چیزیں
اس میں کتنے اجزا ہیں آج تک پانی کے متعلق سائنسدان فیصلہ نہیں کر سکے
چیز ہے۔ روح جو ہمارے بدن میں جاری ساری ہے۔ ہم سارے روح وا
اس کے متعلق اب تک فیصلہ نہیں کر سکے۔ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ
الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِ
اِلَّا قَلِیْلًا (اسراء ۸۵) روح تو اللہ کا امر ہے۔ تمہیں تو علم بہت
دیا گیا ہے۔ تم تو یہ بھی نہیں جانتے کہ پانچ منٹ کے بعد تمہارے ساتھ
والا ہے تم پروگرام بنا لیتے ہو لیکن مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّا
تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُ
(لقمٰن ۳۴) تمہیں تو یہ بھی نہیں پتہ کہ جس موٹر کو تم چلا رہے ہو وہ ہی تمہاری
کا باعث ہو جائیگی۔ تمہیں تو یہ بھی پتہ نہیں کہ جو لقمہ تم منہ میں ڈال رہے ہو
کہ تمہارے لئے موت کا باعث بن جائیگا تم کیا جانتے ہو۔ انسان کیا
وَمَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا آج کل یہ بری بیم
گئی ہے کہ جی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ بھائی بات سمجھ میں آئے یا نہ آئے ہم
کے مکلف نہیں کہ باتیں سمجھتے پھریں۔ ہمیں تو حکم دیا گیا فَاسْتَقِمْ كَمَا
اُمِرْتَ (ہود ۱۱۲) اللہ کے نبی کو ارشاد ہے پختہ رہ۔ پکا رہ جس طرح تجھ
دیا گیا۔ تو مامور ہے عمل کا تیرے لئے جائز نہیں کہ تو سوچے کہ یہ کیوں

چونکہ یہ باتیں بھی چلتی رہتی ہیں کہ یہ بات کیوں ہے۔ یہ بات کیوں کہی گئی
ت کا فلسفہ کیا ہے۔ اس بات میں نکتے کون سے ہیں۔ تو ان نکتوں کی طرف
کی ضرورت ہی نہیں جو اللہ کا حکم ہے اس کو تسلیم کر لیا جائے تو میں عرض کرہ
کہ الٓمٓ حروف مقطعات میں سے ہیں اور یہ اس لئے سورۃ کے پہلے لائے
اس سورۃ میں چند واقعات ایسے آتے ہیں۔ مثلاً ایک واقعہ آتا ہے۔ کہ
رائیل میں ایک آدمی قتل ہو گیا تھا۔ جس کے قاتل کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ وَ اِذْ
تُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيهَا۔ آپس میں ایک دوسرے پر
تو اللہ تعالےٰ نے ایک حکم فرمایا کہ ایک گائے ذبح کرو۔ اور اس مردہ
کا ایک ٹکڑا لے کر میت پر مارو۔ یہ میت بول پڑے گی کہ میرا قاتل کون ہے
دے کو مردے پر مارو۔ یعنی نفی اثبات جیسا۔ اور مردے کو مردے پر
ذہن میں بات کیسے آتی ہے۔ لیکن اللہ تعالےٰ کا حکم ہے مارا تو مردہ بول پڑا
ں میرا قاتل ہے۔ آگے پھر حضرت عزیر علیہ السلام کے متعلق تیسرے پارے
ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام پر ایک سو برس موت طاری رہی۔ اس کے
ندہ ہو گئے۔ اللہ تعالےٰ نے ان کو زندہ کیا۔ دیکھا تو بدن بھی ٹھیک کپڑے
ک بال بھی ٹھیک۔ ایک ذرہ بھی فرق نہ آیا۔ حضرت عزیر علیہ السلام سو سال
موت ان پر طاری رہی اللہ نے پھر ان کو زندہ کیا۔ ثُمَّ بَعَثَهُ
كَمْ لَبِثْتَ عزیر! کتنا زمانہ تم یہاں لیٹے رہے ہو بیت المقدس
ں میں قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ یا اللہ میں تو ابھی
لیٹ گیا۔ کچھ دیر لیٹا رہا پورا دن یا دن کا کچھ حصہ اللہ فرماتا ہے۔ بَلْ
ت مِائَةَ عَامٍ عزیر تو سو سال یہاں پڑا رہا۔ سو سال یعنی پوری صدی

گزر گئی فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِکَ وَ شَرَابِکَ لَمْ یَتَسَنَّہْ
دیکھ تیرا پانی بھی ٹھیک تیرا کھانا بھی ٹھیک۔ ان میں بدبو پیدا نہیں ہوئی وہاں
تھرموس تھا نہ ٹفن کیریر تھا۔ کچھ بھی نہ تھا کوئی محافظ بھی نہیں۔ لیکن نبی جس
کو کھانے والا ہے وہ خوراک بھی محفوظ۔ نبی کا بدن بھی محفوظ کپڑے بھی نہیں پھٹے
نہیں بڑھے داڑھی کے بالوں میں فرق نہیں آیا تو یہ بات ہماری عقل میں
آئی! کس طرح ہو سکتا ہے کہ سو سال زمین پر پڑا رہے۔ نہ چیونٹیاں آئیں
اور جانور آیا سو سال تو بڑی چیز ہے سردی آتی ہے گرمی آتی ہے بارش ہوتی۔
دھوپ ہوتی ہے ہمارا تو یہ حال ہے جب ہم دنیا سے جاتے ہیں جس وقت ہماری
زندگی ختم ہوتی ہے تو پھر کیا ہوتا ہے۔ پھر ہم ٹائم دیکھتے ہیں فلاں صاحب ذرا
کردار کی حالت خراب ہو رہی ہے۔ یہ لاش کی حالت بدل جاتی ہے ہماری
ہم دو گھنٹے چارپائی پر نہیں رہ سکتے جب ہماری روح نکل جائے تو ہم دو گھنٹے
پر نہیں رہ سکتے تین گھنٹے یہ انجکشن لگاتے ہیں۔ برف کی سلیں رکھ دیتے ہیں۔ تاکہ
خراب نہ ہو کراچی سے بھائی آجائے میت کو دیکھے پھر دفن کریں ہم دو گھنٹے اپنی
پر نہیں رہ سکتے روح نکلنے کے بعد لیکن اللہ کا نبی سو سال تک زمین پر پڑا ہوا
تو یہ بات ہماری عقل میں نہیں آسکتی تھی۔ اس لئے سورہ بقرہ کے پہلے فرمایا دیکھو
باتیں جو آگے آرہی ہیں وہ ماننا پڑیں گی جس طرح تم الٓمٓ کو مانتے ہو اسی طرح
بھی چند واقعات ہیں سورہ بقرہ کا تعلق پہلی سورہ فاتحہ کے ساتھ یہ ہے کہ قرآن
کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اللہ تعالیٰ کا کلام بڑا با ترتیب با تنسیق ہے حق
حق فرمایا اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَ قُرْاٰنَہٗ ۚ فَاِذَا قَرَاْنٰہُ
فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَہٗ ۚ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ ۚ والقیامۃ

ندکی بات ہے ۔ اللہ کی بات ویسے ہی تو نہیں ہو سکتی۔ سورہ فاتحہ میں جیسا کہ آپ
لے پڑھ چکے ہیں ہم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں ایک
ایش کی تھی۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ اے اللہ چلا ہم کو سے
ند دکھا ہم کو سیدھا راستہ ہم نے سورہ فاتحہ کے شروع میں اللہ تعالیٰ سے ہدایت
دعا کی تھی اس کے جواب میں فرمایا کہ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ
ھُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ اے میرے بندے تو نے مجھ سے جو ہدایت مانگی تھی
ہدایت کیا ہے؟ وہ ہدایت قرآن کریم ہے ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورہ بقرہ کا ربط سورہ فاتحہ کے ساتھ سارے قرآن کا ربط ہے سورہ
ہ کے ساتھ۔ سورہ فاتحہ ایک دعا ہے یوں سمجھ لیجئے کہ جس کے جواب میں پورا
ن نازل ہوا۔ ربط کے اعتبار سے اسی لئے ہمارے علاقے میں بلکہ تمام مسلمان
نوں میں تقریباً یہ ہے کہ سورہ فاتحہ پہلے ہوتی ہے اور اس کے بعد پہلا پارہ شروع
اہے۔ الٓمّٓ پہلا پارہ سَيَقُوْلُ دوسرا پارہ تِلْكَ الرُّسُلُ تیسرا پارہ یہ
ان پارے بعد میں آتے ہیں۔ اور سورہ فاتحہ پہلے یعنی سورہ فاتحہ ایک دعا ہے
راست ہے کہ یا اللہ ہم تجھ سے سیدھے راستے کی دعا کرتے ہیں۔ سیدھا راستہ چاہتے
ں سیدھا راستہ مانگتے ہیں۔ تو ہم کو سیدھے راستے پر چلا تو ہم کو سیدھا راستہ دکھا۔ تی
جواب میں فرمایا ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى
مُتَّقِيْنَ قرآن مجید کو پاروں اور رکوعوں کی شکل میں بعد میں ہمارے سمجھانے

اور آسانی کے لئے کیا گیا پہلے صرف سورتیں ہی تھیں اس سے کہیں شبہ نہ ہو کہ
سورہ فاتحہ قرآن سے باہر ہے نہیں یہ قرآن مجید کا حصہ ہے شاید اسی وہم کو دور
کرتے ہوئے تفسیر کی مشہور کتاب جلالین شریف میں اس کو قرآن مجید کے تقریباً وسط
میں مندرج فرمایا ہو۔ تیسری چیز جو میں اس ضمن میں عرض کرنا چاہتا ہوں جو آیتیں
ابھی آپ کے سامنے پڑھی گئی ہیں۔ میرے دوستو! میرے بھائیو! اللہ تعالیٰ نے
ان میں نجات کے اصول بیان فرماتے ہوئے عقائد، عبادات، معاملات اور پھر ان
کا جو نتیجہ ہے وہ مرتب فرمایا ہے۔ سب سے پہلی بات جو بیان فرمائی ذٰلِكَ
الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ
يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ یہ ہے پہلی بات قرآن کریم ہدایت ہے ان لوگوں
کے لئے جو ایمان بالغیب رکھتے ہوں۔ یعنی جو چیزیں ان کی نظروں سے اوجھل ہیں
جن حقیقتوں کو وہ نہیں سمجھ سکتے لیکن ان کا ایمان ہے کہ اللہ کا حکم ہے۔ لہٰذا ہم ان
کو مانتے ہیں جیسا کہ خود رب العالمین کی ذات پر ایمان۔ اب اللہ تعالیٰ کو کس نے
دیکھا ہے؟ ہم جیسے گنہگار دنیا میں اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتے۔ لیکن اس کے
باوجود حکم ہے کہ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (محمد ۱۹) یقین رکھو کہ
اللہ تعالیٰ موجود ہے۔ اور اللہ تعالیٰ واحد لاشریک ہے۔ خود امام الانبیاء
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم نے نہیں دیکھا جنت کو نہیں دیکھا، دوزخ
کو نہیں دیکھا۔ قیامت کو نہیں دیکھا لیکن ان سب چیزوں کو جاننے کے لئے ہم کو
ایمان بالغیب لانے کا حکم دیا گیا ہے کہ ایمان بالغیب لائیں ان چیزوں پر کہ یہ
چیزیں یقیناً ہیں یہ حقیقتیں یقیناً ہیں۔ یہ ہے پہلی چیز نجات کے لئے اس کو میں آپ
کے سامنے یوں عرض کر سکتا ہوں۔ تاکہ بات ذہن میں آجائے۔ یہ سب قرآن کی تعلیم

میرے بھائیو! اور میرے دوستو! ہر کام کے لئے دنیا میں چار چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ جن کو علم فلسفہ کی اصطلاح میں علل اربعہ کہتے ہیں چار علتیں ۱۔ علت غائی ۲۔ علت مادی ۔ ۳۔ علت صوری ۔ ۴۔ علت فاعلی ۔ ان چار علتوں سے گزر کر پھر جا کر آگے کام ہوتا ہے ۔ علت غائی وہ مقصد اور مدعا ہوتا ہے جس مقصد کے لئے ہم کام شروع کر رہے ہیں علت مادی وہ میٹریل (Material) ہوتا ہے جس سے ہم کام لینا چاہتے ہیں ۔ علت فاعل ہمارا اپنا وجود یا اس کام کو طے کرنے والوں کا وجود اور علت صوری وہ نقشہ جو ہمارے ذہن میں ہوتا ہے یا جس نقشے کو ہم پیش کرنا چاہتے ہیں ۔ یہ چار مرحلے گزرنے کے بعد چیز کا وجود ہوتا ہے جس طرح کپڑے بنانے دیکھئے جب ہم گرمیوں میں گرمی کے کپڑے بناتے ہیں ۔ سردیوں میں سردی کے کپڑے بناتے ہیں ۔ تو پہلے ہمارے دماغ میں ایک ضرورت پیدا ہوتی ہے داعیہ پیدا ہوتا ہے کہ سردی کا موسم ہے مجھے کوٹ بنانا چاہیئے یہ دماغ میں پہلے آیا اسے کہتے ہیں علت غائی ۔ ہو سکتا ہے کہ میرے ذہن میں جو بات آئی ہے آگے چل کر میں اسے پورا نہ کر سکوں لیکن ذہن میں پہلے آئی ہے پھر اس کے بعد کپڑا خریدتے ہیں پھر کسی درزی کے حوالے کرتے ہیں پھر اس کو اپنا ناپ دیتے ہیں تب جا کر وہ چیز تیار ہوتی ہے ۔ اگر ہم پہلے اس بات کو دماغ میں راسخ نہ کرلیں ۔ کہ ہمیں ضرورت ہے کوٹ کی یا ہمیں ضرورت ہے لباس کی ۔ تو ہمارے اگلے قدم جو ہیں وہ نہیں اٹھ سکتے ۔ اس لئے ایمان بالغیب کو مقدم فرمایا کہ قرآن ان لوگوں کے لئے ہدایت ہے جن کا ایمان بالغیب ہو جو اس بات پر یقین رکھتے ہوں کہ ہمارے لئے قرآن سچا ستا ہے ہمیں اس قرآن کریم پر عمل کر کے اس دنیا وی زندگی کو سنوارنا ہے ۔ ہم نے قیامت کی زندگی کو سنوارنا ہے ۔ اس کے بعد وہ

عمل کی زندگی میں آتے ہیں۔ عقیدہ پہلے ہے عمل بعد میں ہے۔ اگر عقیدہ ہی ٹھیک نہیں تو عمل کہاں چلے گا۔ پہلے عقیدہ کی درستگی ہے۔ اس کے بعد پھر عمل کا نام آتا ہے میں اب ساتھ ان آیتوں کا انشاء اللہ ترجمہ بھی کرتا جاؤں گا۔ اور تفسیر بھی کچھ تھوڑی سی کرتا جاؤں گا۔ الٓمّٓ اس کا صحیح ترجمہ تو وہی ہے جیسا کہ میں پہلے تمہید میں عرض کر چکا ہوں۔ کہ اس کی مراد اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ جتنے حروف مقطعات ہیں۔ ان سے کیا مراد ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ اکثر علمائے تفسیر نے یہی ترجمہ فرمایا۔ اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِمُرَادِہٖ بِذٰلِکَ اللہ تعالیٰ اچھا جانتے ہیں اپنی مراد کو جو ان حروف سے ہے اور بعض علمائے تفسیر نے تاویلات بھی کی ہیں۔ مثلاً ایک یہ بھی تاویل مشہور ہے کہ الف (ا) سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات۔ لام سے مراد جبرئیل امین اور میم سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کے ذریعے اس قرآن کو نازل کیا۔ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب انور پر۔ ایک ترجمہ یہ بھی کیا گیا ہے لیکن پہلا زیادہ صحیح ہے اسی کی طرف اکثر علمائے تفسیر گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ زیادہ بہتر جانتے ہیں کہ ان کی مراد حروف مقطعات سے کیا ہے۔ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ یہ قرآن ایک کتاب ہے ذٰلِکَ اشارہ آتا ہے بعید کے لیے "وہ" کے معنے میں اور "وہ" میں عظمت ہوتی ہے لیکن ترجمہ جب ہم کریں گے تو اس کا ترجمہ ہوگا "یہ" یہ کتاب لَا رَیْبَ فِیْہِ جس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہے۔ یہ کتاب ایسی کتاب ہے جس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہے جس کو بھیجنے والے ہیں رب العالمین۔ لانے والے ہیں جبرئیل امین اور جن پر اتارا گیا وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی صداقت پر وہ بھی گواہ تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پتھر مارتے تھے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کی رسالت کے قائل نہ تھے لیکن یہ بات مانتے تھے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں نے کبھی خیانت نہیں کی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضاء نے کبھی کوئی ایسی بات نہیں کی جو ان کی شان اور عظمت کے خلاف ہو جیسا کہ بخاری شریف میں ہے آپ سن چکے ہوں گے کتنی دفعہ کہ جب امام الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی دفعہ سارے قریش کو اکٹھا کیا ان کے مختلف خاندانوں کو کوہ صفا پر اور ان کے سامنے آپ نے دعوت توحید پیش فرمائی تو پہلے ان سے ماننے کی اپنے متعلق پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر میں یہ کہہ دوں کہ اس پہاڑ کے دامن میں ایسی مسلح فوج موجود ہے۔ جو تمہیں قتل کرنے کے لئے آئی ہے۔ تمہیں تہ و بالا کرنے کے لئے آئی ہے تو میری بات کو مانو گے؟ اِنْ قُلْتُ نبی جھوٹ نہیں بولا کرتا اگر میں کہہ دوں تو میری بات مانو گے۔ حدیثوں میں بھی ہے سیرت کی کتابوں میں بھی ہے کہ جو بڑے بڑے سرداران قریش تھے۔ انھوں نے اوپر ہو کر دیکھا کہ نیچے تو کوئی چیز نہیں ہے۔ آخر سب نے متفقہ طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیک وسلم ہم دیکھتے ہیں کہ نیچے کچھ نہیں ہے[1] لیکن اگر آپ کہہ دیں گے تو ہم مان لیں گے۔ اس لئے کہ آپ کی زبان سے کبھی جھوٹ نہیں نکلا۔ تو اتنی بڑی ذات جس کی صداقت پر دشمن بھی شہادت دیتے ہوں۔ اس ذات کے منہ سے جو لفظ نکلیں اور آپ فرمائیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ تو اس میں کیا شک ہو سکتا ہے؟ اس لئے فرمایا ذٰلِكَ الْكِتٰبُ یہ قرآن وہ کتاب ہے لَا رَيْبَ فِيْهِ جس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں اور باقی جب کوئی شک کرنے لگے تو اب دیکھئے باہر دھوپ ہے ساڑھے دس پونے گیارہ کا وقت ہے اور ایک آدمی کہتا ہے کہ جی میں تو مانتا

---

[1] بخاری شریف

ہی نہیں کہ سورج ہے۔ اس کو آپ کیا دلیل دے سکتے ہیں۔ جو لا ادریہ ہو گئے جو انکار ہی کرنے والے ہیں۔ وہ کہتے ہیں ہم مانتے ہی نہیں۔ آپ کس دلیل سے سمجھائیں گے؟ دلیل تو اس کے لئے ہو جو دلیل چاہتا ہو۔ جو اپنی طبیعت کو سکون میں لانا چاہتا ہو جو اپنے شبہات کو حل کرنا چاہتا ہو۔ اور جو اڑ جائے اس بات پر کہ میں تو کبھی بھی نہیں مانوں گا۔ اس کو کون منوا سکتا ہے۔ قرآن کریم کی صداقت میں قرآن کریم کی تعلیمات کی عظمت میں کوئی شک نہیں اس لئے فرمایا ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ یہ قرآن وہ کتاب ہے جس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہے۔

اسے نازل کیوں کیا گیا هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ یہ قرآن راہ دکھاتا ہے۔ یہ قرآن رہنمائی کرتا ہے لِّلْمُتَّقِيْنَ ان لوگوں کی جو پرہیزگار ہیں۔ جو پرہیزگار بننا چاہتے ہیں۔ جو اس دنیا میں اس زندگی کو بھی گزارنا چاہتے ہیں۔ اور اپنے دامن کو کانٹوں سے بھی بچانا چاہتے ہیں جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضؓ کے متعلق ہے۔ کہ آپؓ نے کعب احبار سے پوچھا کہ تقویٰ کی تعریف کیا ہے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ تقویٰ اسے کہتے ہیں کہ ایک راستے پر آپ نے جانا ہو لیکن اس راستے پر کانٹے بچھے ہوں۔ اس طرح آپ چلیں کہ آپ راستہ بھی طے کر لیں اور کوئی کانٹا نہ آپ کے کپڑے کے ساتھ چبھ سکے نہ آپ کے بدن کو زخمی کر سکے آپ راستہ بھی طے کر جائیں اور کانٹوں سے بھی دامن بچا کر نکل جائیں اسے کہتے ہیں تقویٰ۔ بات ٹھیک ہے اسی کا نام تقویٰ ہے۔ دنیا میں وہ کر اللہ سے اپنا تعلق قائم کرے۔ بیوی والا ہو۔ بچوں والا ہو۔ بیوی خاوند والی ہو۔ خاوند ملازمت والا ہو۔ تجارت والا ہو۔ روزگار والا ہو۔ رزق حلال پیدا کرنے والا ہو۔ پھر بھی اپنے رب کو راضی کر رہا ہے۔ یہ ہے متقی۔ یہ ہے پرہیزگار۔ دنیاوی زندگی میں وہ کر اللہ تعالےٰ کو راضی کرے ہمارے ہاں بعض چیزیں غلط طور پہ مشہور ہو چکی

ہیں۔ ہمارے نزدیک تقویٰ ولایت اور بندگی اسی کو کہتے ہیں۔ کہ کوئی کام بالکل نہ کرے کسی پودے کے نیچے جا کر بیٹھ جائے۔ کسی پہاڑ پر جا کر بیٹھ جائے یا کسی ایسی شکل کو اختیار کرلے جو ایک عجیب سی ہوتی ہے۔ تو ہم کہتے ہیں۔ کہ بھائی یہ اللہ کا نیک بندہ ہے۔ اور جو آدمی دفتر میں کلرک ہو جو آدمی سڑک پر روڑی کوٹتا ہو جو آدمی لکڑی اٹھاتا ہو۔ اپنے رب کو راضی رکھنے والا ہو۔ اس کے متعلق ہمارے ذہن میں کبھی نہیں آتا کہ یہ بھی کوئی نیک بندہ ہے۔ کیونکہ یہ تو دنیا والا بندہ ہے۔ حالانکہ صحیح حدیث میں ہے۔ ایک صحابی رسعد بن معاذ جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لیے آئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ملے جب مصافحہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا آپ کے ہاتھ کھردرے معلوم ہوتے ہیں کیا بات ہے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو مزدوری کرتا ہوں۔ ان ہاتھوں سے پتھر کوٹتا ہوں روڑی کوٹتا ہوں پتھروں پر کدال چلاتا ہوں۔ اس وجہ سے میرے یہ ہاتھ کھردرے ہو گئے ہیں تو حدیث میں ہے اور یہ بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کے ہاتھ پر بوسہ نہیں دیا۔ جہاں تک میری حقیر معلومات کا تعلق ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ہاتھ کو بوسہ دیا جس نے اپنے بیوی بچوں کے لئے رزق حلال کی محنت میں اپنے ہاتھوں کو کھردرا کیا ہوا تھا تو جس کے ہاتھوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوسہ دیں تو کیا وہ ولی نہیں۔ صحابہ تو ویسے ہی قطبوں اور غوثوں سے بلند تر ہیں۔ لیکن یہ بات بتاتی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں یہ چیز تھی اپنی محنت سے روٹی کمانا۔ بال بچوں کا پیٹ پالنا۔ تجارت، کرنا۔ زراعت کرنا۔ کھیتی باڑی کرنا۔ مزدوری کرنا یہ ساری چیزیں اسلام میں میرے دوستو! میرے بھائیو! عبادت ہیں۔ ان کو عبادت سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ بشرطیکہ رب العلمین

ایمبو جلد ۳ صفحہ ۴۵

کی حدوں کو نہ توڑے اگر اللہ کی حدوں کو توڑ دے۔ جیسے ایک آدمی مسجد جاتا ہے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ نماز پڑھنے جا رہا ہے۔ لیکن وہ جاتا ہے جوتی چرانے کے لئے اس کو نمازی تو نہیں کہہ سکتے بھائی! اس کی تو نیت ہی غلط ہو گئی۔ تو تقویٰ سے کیا مراد ہے وہ لوگ جو اس دنیا میں رہ کر دنیاوی زندگی بھی گزاریں۔ اپنے دامن کو بچائیں تو فرمایا قرآن ہدایت ہے ان لوگوں کے لئے جو پرہیزگار ہیں۔ یا پرہیزگار بننا چاہتے ہیں۔ جو آدمی یہ چاہتا ہو کہ میری زندگی اللہ کے عذاب سے بچے۔ میری قبر اللہ کے عذاب سے محفوظ ہو۔ میری قیامت اللہ کے عذاب سے محفوظ ہو اس کے لئے قرآن ہدایت ہے۔ تقویٰ کا یہی مفہوم ہے۔ تقویٰ مشتق ہے وقایہ سے۔ وقایہ کہتے ہیں عربی میں کتاب کی جلد کو۔ ہمارے جو پرانے قسم کے مسلمان ہیں کہتے ہیں بھائی میں نے کتاب کو وقایہ لگایا ہے۔ وقایہ کا معنیٰ کاٹھی جلد۔ تو جس طرح کتاب کو جلد لگ جاتی ہے۔ اور وہ کتاب برباد ہونے سے بچ جاتی ہے اسی طرح جس مسلمان کو تقویٰ حاصل ہو جاتا ہے اس کا دل دنیا میں بھی برباد ہونے سے بچ جاتا ہے اور قیامت میں بھی انشاء اللہ بچ جائے گا۔ تقویٰ کا یہی مفہوم ہے۔ جو انسان کو دنیا میں بھی بچائے اور قیامت میں بھی اللہ تعالےٰ کے عذاب سے بچائے۔ تو فرمایا یہ قرآن ہدایت ہے۔ لِّلْمُتَّقِيْنَ ان پرہیزگاروں کے لئے۔ ان پرہیزگار بننے والوں کے لئے جن کی صفات آنے والی ہیں۔

ان کی پہلی صفت کیا ہے کہ اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وہ متقی اور پرہیزگار بننے والے یا وہ متقی جو ایمان رکھتے ہیں غیب پر اور غیب سے مراد ما غاب عنهم جو چیز ان کی نظروں سے اوجھل ہے۔ ان کی تحقیقات میں وہ بات نہیں آتی لیکن اللہ کے نبی نے فرما دیا۔ اللہ نے فرما دیا۔ ان کا اس پر ایمان ہے۔ قرآن کریم میں میرے دوستو! آدھی سے زیادہ آیتیں قیامت کے متعلق ہیں۔ جنت و دوزخ کے

متعلق ہیں لیکن آج ہم ان مسئلوں کی طرف جاتے ہی نہیں۔ حالانکہ ایمان بالغیب بنیاد ہے۔ ہمارے ایمان کی یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ ایمان رکھتے ہیں غیب پر۔ ان چیزوں پر ان حقیقتوں پر جو ان کی نظروں سے اوجھل ہیں اور وہ ان کو مانتے ہیں۔ کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ یہ تو ہے عقیدے کی درستگی۔ اس کے بعد دوسرا نمبر عبادات اور معاملات کا ہے فرمایا وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ ایمان بالغیب کے بعد جب ان کا قدم اٹھتا ہے عملی زندگی کی طرف تو وہ کیا ہے۔ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ اور وہ نماز کو قائم کرتے ہیں۔ اقامت الصلوٰۃ سے کیا مراد ہے؟ بعض علمائے تفسیر فرماتے ہیں کہ یودونها بحقوقها نماز کو ادا کرتے ہیں۔ اس کے حقوق کے ساتھ پورا رکوع۔ پورا سجود، پوری التحیات۔ باقاعدہ وضو۔ جس طرح نماز پڑھنے کا حق ہے اس طرح نماز پڑھتے ہیں جیسا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نمازی کو فرمایا تھا۔ تین چار مرتبہ صَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ نماز پڑھ تو نے ابھی تک نماز نہیں پڑھی۔ نماز پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ تو نماز کے ارکان کو پورا پورا ادا کرے تو بعض علمائے تفسیر اس کا ترجمہ اس طرح فرماتے ہیں۔ يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ یعنی نماز کو ادا کرتے ہیں۔ پورے حقوق کے ساتھ اور بعض یہ فرماتے ہیں اقامت الصلوٰۃ نماز کو کھڑا کر دیتے ہیں۔ کھڑا کرنے کا مطلب کیا ہے؟ نماز کو ایسا مشہور کر دیتے ہیں اتنا رواج ہو جاتا ہے کہ گھر کا۔ سوسائٹی کا۔ ملک کا۔ علاقے کا کوئی بندہ بے نمازی نہیں رہتا گھر میں میاں نماز پڑھتا ہے۔ بیوی نماز پڑھتی ہے۔ بچے نماز پڑھتے ہیں۔ بچیاں نماز پڑھتی ہیں۔ آقا نماز پڑھتا ہے۔ ملازم نماز پڑھتا ہے۔ ڈرائیور پڑھتا ہے۔ باورچی پڑھتا ہے۔ چھوٹے پڑھتے ہیں۔ بڑے پڑھتے ہیں۔ سارے پڑھتے ہیں۔ یہ ہے اقامت الصلوٰۃ

لہ مشکوٰۃ

اور ایک نے نماز پڑھ لی۔ باقی سب بے نمازی ہیں۔ یہ تو اقامت الصلوٰۃ نہیں ہے
نماز کو رواج دینا، نماز کو کھڑا کرنا۔ کہ کوئی گھر کا فرد متعلقین یا متعلقات میں سے کوئی
بھی باقی نہ رہے۔ اور اسی کا حکم دیا ہے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ان
کی وساطت سے ہم سب کو فرمایا وَاْمُرْ اَھْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ
عَلَيْهَا (طٰہٰ ع ۱۳۲) اے میرے حبیبؐ اپنے اہل کو نماز کا حکم دے اور نماز پر پابندی
کی جائے یعنی نماز کی اقامت نماز کو ادا کرنا۔ اس کے حقوق کے ساتھ یا نماز کی اقامت
کا مفہوم نماز کو اتنا رواج دینا کہ کوئی بھی آدمی بے نماز نہ رہے۔ سارے کے سارے
نمازی ہو جائیں۔ یہ ہے اقامت الصلوٰۃ۔ اب اقامت الصلوٰۃ کے بعد کیا ہے۔
وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ اور ہر اس چیز سے جو ہم نے ان کو دی۔
وہ ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ یہ انفاق فی سبیل اللہ کا مسئلہ صلوٰۃ کے ساتھ قرآن
میں آپ دیکھیں۔ اقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ
جگہ جگہ آتا ہے۔ نماز پڑھو۔ زکوٰۃ دو۔ نماز پڑھو زکوٰۃ دو۔ یہاں بھی فرمایا۔ نماز
پڑھتے ہیں۔ اور اس مال سے جو ہم نے ان کو دیا ہے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں۔
اس کے متعلق سورہ فاتحہ کی تفسیر میں اشارہ کر چکا ہوں۔ کہ نماز میں اقرار ہے۔
رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کی ربوبیت کا۔ ہم نماز میں اقرار کرتے ہیں کس بات کا؟ کہ
یا اللہ تو ہمارا رب ہے تو ہمارا پالنے والا ہے۔ ہم اپنے پالنے والے نہیں ہیں۔
نہ کسی اور کو پالنے والے ہیں۔ میرا مال میرا مال نہیں ہے۔ میری دولت میری دولت
نہیں ہے یا اللہ تو ہمارا پالنے والا ہے۔ نماز میں ہم اقرار کرتے ہیں۔ یہ صدقہ
فی سبیل اللہ۔ یہ مصدق ہے ہمارے اقرار کا یعنی تصدیق کرنے والا ہم مسلمان دن میں
کم از کم ۳۲۰ مرتبہ اللہ کو رب ماننے کا نماز میں اقرار کرتے ہیں کہ یا اللہ تو میرا رب ہے

میرا بٹوہ میرا رب نہیں میری دکان میرا رب نہیں میرا کھیت میرا رب نہیں میری نوکری میرا رب نہیں۔ یا اللہ تو میرا رب ہے تو پھر جب ایک سائل سامنے ملتا ہے۔ گداگر ملتا ہے مسکین ملتا ہے کہ اللہ کے لئے مجھے ایک روٹی کھلا دو۔ تو ہم کیا کہتے ہیں کہ جاؤ تم لوگوں نے فیشن ہی بنا لیا ہے۔ جدھر دیکھو روٹی کھلا دو روٹی کھلا دو فیشن ہی بنا لیا ہے۔ ابھی تو کہہ کر آ رہا ہے کہ میں رب العالمین کو مانتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ میرا ہی بندہ ہے۔ حدیث قدسی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے جو کلمات ہیں۔ وہ کلمات اللہ تعالیٰ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمائے اور وہ ہم تک منتقل ہوئے انہیں کہتے ہیں اللہ کا کلام اور حدیث قدسی کہتے ہیں کہ الفاظ ہیں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور معنے کا القا ہوا من جانب اللہ۔ اس کو کہتے ہیں حدیث قدسی۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پوچھیں گے ایک بندے سے کہ اے میرے بندے میں بھوکا تھا۔ تیرے دروازے پر گیا۔ کہ مجھے کھانا کھلا۔ تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا۔ وہ کہے گا یا اللہ تو میرے ہاں آتا اور میں انکار کرتا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ میں پیاسا تھا تو نے پانی نہیں پلایا۔ پھر آگے آتا ہے۔ کہ میں ننگا تھا۔ تو نے مجھے کپڑا نہیں پہنایا۔ بندہ یہی کہے گا یا اللہ یہ کیسے ہو سکتا ہے یعنی آپ میرے پاس تشریف لائے؟ اس وقت تو پھنسا ہوا ہوگا۔ اس وقت تو حساب و کتاب کا معاملہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اس سختی سے محفوظ رکھے۔ تو وہ کہے گا۔ یا اللہ آپ میرے پاس آتے اور میں اتنا بخل کرتا؟ یا اللہ میں اتنا ہی بد اخلاق تھا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ وہ جو تیرے دروازے پر آتے تھے۔ تیرے سامنے ہاتھ پھیلاتے تھے۔ وہ میرے ہی بندے تھے۔ اسی کو غالب نے کہا ہے ؎

لہ۔ الاحادیث القدسیہ صفحہ ۷۵ بحوالہ صحیح مسلم

(لہ ۷)

بدل کر فقیروں کا ہم بھیس غالب   تماشائے اہل کرم دیکھتے ہیں!

تو فرمایا تو نماز میں اقرار کرتا ہے۔ خدا کی ربوبیت کا۔ اس لئے نماز کے ساتھ زکوٰۃ کو لگا دیا۔ نماز کے ساتھ انفاق فی سبیل اللہ کو لگا دیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو آدمی نماز تو پڑھتا ہے لیکن صاحب نصاب ہونے کے باوجود زکوٰۃ نہ دیتا ہو۔ تو اللہ اس کی نماز بھی قبول نہیں کرتا۔ کہ نماز میں تو وہ اقرار کرتا ہے نماز تو ایک حلف ہے۔ ایک اقرار ہے۔ کہ یا اللہ تو میرا رب ہے۔ تو عمل کا جب وقت آتا ہے تو پیچھے ہٹ جاتا ہے جیسا کہ میرے پاس ایک آدمی آپ میں سے آئے اور کہوں کہ بھائی کوئی حکم، میں تابع ہوں۔ میں تابع ہوں۔ آپ کہیں کہ بھائی دو آنے کے پیسے دے دو۔ پیسے تو نہیں پر میں تابع ہوں۔ کیا آپ میری بات سے خوش ہو جائیں گے۔ جب ہم دن میں کم از کم ۳۲۰ دفعہ رب العالمین کو رب رب پکاریں۔ اور جب دینے کا وقت آئے۔ اللہ کے نام پر تو ہم بخل کر جائیں تو ہم کیسے فرمان بردار ہوئے

انفاق فی سبیل اللہ میرے بھائیو! اور دوستو! ایک بہت بڑی نعمت اور اسلام کا ایک بہت بڑا حکم ہے۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے بشمول عطا فرمائے۔ قرآن کریم آپ پڑھیں۔ دیکھیں گے کہ موت کے وقت انسان کسی بات کی بھی خواہش نہیں کرتا۔ مرنا تو سب نے ہے میں نے بھی اور آپ نے بھی اس سے بھاگے گا تو کہاں جائیگا۔ فرمایا وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ (ق ۱۹) اور موت کی بے ہوشی ضرور آئے گی۔ اللہ سب کا خاتمہ بالایمان کرے۔ فرمایا کہ انسان موت کے وقت کس چیز کی خواہش کرتا ہے موت جب انسان کے سامنے آجاتی ہے۔ موت کے واردات شروع ہو جاتے ہیں۔

---

[1] کتاب الاموال صفحہ ۳۵۲ بحوالہ طبرانی و ابن ابی شیبہ۔

سے یقین ہو جاتا ہے کہ اب میں مرنے والا ہوں۔ تو موت کے وقت بندہ کیا خواہش
یا ہے۔ قرآن مجید میں ہے فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ
جَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُنْ مِّنَ الصَّالِحِينَ (المنفقون)
ب موت کا وقت آجاتا ہے تو بندہ کیا کہتا ہے لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ
جَلٍ قَرِيبٍ اے اللہ مجھے تھوڑی سی مہلت دے دے پھر میں کیا کروں۔
أَصَّدَّقَ وہ جو ثمرہ گھر میں پڑا ہوا ہے۔ جو بنک میں پیسے جمع کئے ہوئے ہیں
لٰلہ! وہ تیرے نام پر صدقہ کر دوں۔ وَأَكُنْ مِّنَ الصَّالِحِينَ اور میں
ن میں سے بن جاؤں فرمایا لَن يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا۔
ب موت آجاتی ہے تو وقت مقررہ ہوتا ہے۔ اور کسی کا وقت پھر ٹلتا نہیں۔ سورہ
منون میں فرمایا۔ جب سکرات موت طاری ہو جاتے ہیں۔ تو بندہ عرض کرتا ہے
ب ارجعون میرے اللہ مجھے لوٹا دے ذرا۔ لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا
مَا تَرَكْتُ تاکہ میں جا کر اپنے مال کو جو گھر چھوڑ کے آیا ہوں۔ نیکی پر اس کو خرچ
کے آؤں فرمایا كَلَّا یعنی چھوڑ اس بات کو جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ قرآن شریف میں
میرے بھائی اس کو عَقَبَة کے ساتھ تعبیر فرمایا۔ عقبہ کہتے ہیں بڑی دشوار
ٹی کو یعنی انفاق فی سبیل اللہ بڑی دشوار گزار گھاٹی قرآن شریف میں آتا ہے کہ
امت کے دن اللہ تعالیٰ جب حساب اور کتاب لے گا جنہوں نے دنیا کی ایک
ٹی کو عبور کر لیا ہو گا۔ وہ تو جنت میں چلے جائیں گے۔ ان کا نامہ اعمال دائیں ہاتھ
دیا جائے گا فرمایا فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا
عَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ۝
يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝ ثُمَّ

كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ۔ یہ آیات تیسویں پارہ کی سورہ البلد کی آخری آیتیں ہیں جن میں نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں چاہنے والوں کو ایک گھاٹی عبور کرنے کا حکم فرمایا۔ اور وہ گھاٹی کون سی ہے فرمایا غلام کا آزاد کر دینا یعنی انسانیت کو اس نعمت سے نوازنا جو اس کا پیدائشی حق ہے اگر غلام نہ ہو پھر سخت بیروزگاری کے دنوں میں قحط کے وقت معاشی بدحالی کی صورت میں خود کے ساتھ کسی رشتہ دار یتیم کو یا مٹی میں لتھڑے مسکین کو کھانا کھلا دینا۔ ظاہر ہے یتیموں کو کون کھلاتا ہے؟ اور پھر ان مسکینوں کو جن کے کپڑے میلے کچیلے پھٹے ہوں۔ ان کو کون ہے جو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلائے۔

سبحان اللہ! مسکینوں کو کھانا کھلانا ثواب اور اجر میں غلام کے آزاد کرنے کے برابر فرمایا۔ احکام یعنی اسلامی قانون میں بھی مسکینوں کو کھانا کھلانے کو آزادی کا ہم پلہ قرار دیا۔ جیسا کہ جب کوئی آدمی قسم کھائے اور اس کو پورا نہ کرے توڑ دے تو اس کو جو فدیہ دینا ہے۔ اس کو یوں ارشاد فرمایا۔ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ (المائدہ ۸۹) ترجمہ: اس قسم توڑنے کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانی خوراک کھلانی یا ان کو لباس دینا یا ایک غلام آزاد کرنا۔) قرآن مجید کی سورہ الماعون جس کا دوسرا نام الیتیم بھی ہے اس میں تو واضح فرمایا کہ جو نمازی یتیموں کو قریب کرنے کے بجائے ان کو دھکے دیتا ہو نہ خود مسکینوں کو کھلاتا ہو۔ اور نہ دوسروں کو اس کی ترغیب دیتا ہو۔ تو وہ نماز کی حقیقت ہی سے بے خبر رہا وہ تو نماز کی روحانیت کو نہ سمجھ سکا اللہ تعالیٰ

ب کو باخبر نمازی بنائے۔ تو گھاٹی ذرا مشکل سا راستہ ہے۔ جیب سے پیسے
لنے ذرا مشکل ہیں۔ مالیات میں انسان کا ایمان متزلزل ہو جاتا ہے۔ یاد رکھو
ز پڑھنی آسان، روزہ رکھنا آسان۔ لیکن دوسروں کی امانت دینا۔ بڑی مشکل
ض دینا بڑا مشکل۔ قرض لیتے ہیں ہم دیتے نہیں۔ حالانکہ میرے بھائیو! میرے
ستو! قرض بڑے عذاب کی چیز ہے۔ امام الانبیاء کے پاس ابتدا میں جب جنازے
ئے جاتے تھے تو آپ پوچھا کرتے تھے هَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ اس پر قرض ہے؟
کہا جاتا کہ ہاں حضور! ہے تو فرماتے صلوا علی اخیکم تم اپنے بھائی پر
ازہ پڑھو۔ میں نہیں پڑھتا۔ یہ بندے کے حق میں پھنسا ہوا ہے میں جنازہ نہیں
ھتا۔ پھر آخر میں فرمایا کرتے مَنْ تَرَكَ كَلًّا فَعَلَيَّ وَ مَنْ تَرَكَ
الًا فَلِوَرَثَتِهِ (او کما قال) جو کوئی بوجھ چھوڑ کر مرجائے
میں ادا کروں گا یعنی اس کا قرضہ میں ادا کروں گا۔ اور جو مال چھوڑ کر مرجائے
ں کے وارث بانٹ لیا کریں لیکن قرضے کا فیصلہ پہلے فرماتے تھے تب
از جنازہ پڑھتے تھے۔ ایک صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ کہ یا
سول اللہ صلی اللہ علیک وسلم کیا ارشاد ہے جناب کا۔ اگر میں جہاد میں مارا جاؤں میں
مارا جاؤں میرا گھوڑا بھی ذبح ہو جائے میرے ہتھیار بھی ٹوٹ جائیں میرے
ن کے پرزے پرزے ہو جائیں تو کیا یا رسول اللہ میری اس قربانی سے میرے
ناہ معاف ہو جائیں گے؟ کتنا پیارا سوال ہے۔ اے اللہ کے نبی! اتنی میں قربانی
دوں کہ جہاد پر جاؤں۔ اللہ کے دین کے لئے لڑوں۔ میں بھی ذبح ہو جاؤں میرا
ن ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے میرا گھوڑا بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔ میرے

ے مشکوٰۃ ۔ ے مشکوٰۃ

ہتھیار بھی ٹوٹ جائیں اتنی میں قربانی دوں تو کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم اس کی برکت سے میرے گناہ مٹ جائیں گے۔ امام الانبیاء نے فرمایا ہاں بے شک بہت بڑی قربانی ہے۔ وہ اٹھا ابھی مسجد ہی میں تھا کہ جبریل امین آ گئے۔ حضور نے بلایا۔ لوٹایا۔ فرمایا تو نے کیا پوچھا تھا؟ عرض کیا حضور ابھی جو میں عرض کر گیا کہ میں جہاد میں شریک ہوں اور جہاد میں مارا جاؤں۔ میرے بدن کے پرزے پرزے ہو جائیں۔ میرا گھوڑا بھی ذبح ہو جائے میرے ہتھیار بھی ٹوٹ جائیں۔ کیا اتنی قربانی کے بعد میرے گناہ معاف ہو جائیں گے آپ فرماتے ہیں ہاں تیرے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اِلَّا الدَّیْنَ كذلك قال جبرئیل یعنی قرضہ معاف ہوگا۔ ابھی جبریل نے آ کر مجھے بتلا دیا۔ اس سے دوسرا مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے دین کی مجلس ہے! قرآن کی برکت ہے۔ یہ انہیں اللہ کے نیک بندوں کی دعاؤں کا اثر ہے۔ ورنہ مجھ جیسا گنہ گار نہ ایسی باتیں سمجھ سکتا ہے اور نہ کر سکتا ہے۔ اس سے اور بات نکلتی ہے کہ نبی کبھی غیر مناسب بات نہیں کر سکتا نبی اگر منہ سے بات نکالے گا۔ جو غیر پسندیدہ ہوگی۔ اللہ تعالے فوراً متنبہ فرماویں گے اسی وقت رجوع ہو جائے گا۔ اگر اللہ تعالے نے متنبہ نہیں فرمایا۔ نبی کے منہ سے جو نکلا وہ بالکل صحیح ہے۔ اس لئے امام الانبیاء فرماتے ہیں۔ وَاللّٰہِ مَا خَرَجَ مِنِّیْ اِلَّا حَقٌّ مجھے خدا کی قسم میرے منہ سے وہی نکلتا ہے جو حق ہوتا ہے۔

نبی تو وہی بات منہ سے نکالتے ہیں۔ جو ہمارے رب کو پسند ہو۔ اور

۱؎ کتاب الذریعہ ۲؎ مسلم

سورہ والنجم میں بھی فرمایا۔ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ نبی تو اپنی خواہشات نفسانی سے کوئی بات بھی نہیں کہتا تو جبرئیل علیہ السلام نے آ کر بتلا دیا کہ آپؐ نے جو فیصلہ دیا۔ آپؐ کی بات تو پھر وحی بن جائے گی۔ آپؐ کی بات تو پھر حجت اور دلیل بن جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے حبیبؐ بات آپؐ نے ٹھیک کی لیکن ذرا یہ شرط ساتھ لگا دیں۔ إِلَّا الدَّيْن قرض کو میں معاف نہیں کروں گا۔ جب تک قرض خواہ معاف نہ کرے تو قرآن مجید فرماتا ہے کہ دل کو مال سے ہٹانا۔ یہ بڑا مشکل کام ہے۔ جب تک اللہ کی مدد شامل حال نہ ہو۔ بڑے بڑے دعویدار ہوتے ہیں لیکن پیسوں میں ایسے ڈوب جاتے ہیں نہ نماز کا پتہ ہوتا ہے۔ نہ روزے کا پتہ ہوتا ہے۔ سارے اعمال ضبط ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی زندگی سے بچائے۔ مولانا کو پچاس ہزار روپے دیئے گئے۔ دو آدمی پچاس ہزار روپیہ لائے پچاس ہزار۔ شام کی نماز کے بعد حضرت کے حجرے میں گئے۔ اور حضرت کے سامنے پیش کی۔ کہ ہم کچھ رقم دیتے ہیں۔ اور آپ دین کے کام میں لگا دیں۔ حضرت نے فرمایا میرا قرآن شریف چھپ رہا ہے۔ اس میں لگا دوں۔ بڑی لمبی بات ہے میں خلاصہ عرض کر رہا ہوں۔ عرض کیا جو آپ کی مرضی ہو کریں۔ تو پچاس ہزار روپیہ آپ نے پھر دوسرے کو دے دیا۔ وہ قرآن مجید کی طباعت میں خرچ ہو گیا۔ نہ حضرت مولانا نے پوچھا تم کون ہو اور نہ انہوں نے بتایا ہم کون ہیں۔ اگر مجھ جیسا کوئی ہوتا تو کہاں بتاتا پچاس ہزار روپیہ کسی کو مل جائے۔ خفیہ طریقے پر مل جائے۔ وہ کب ظاہر کرتا ہے۔

این چیز کم ہے مگر ؎

این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ!

اسی لئے فرمایا یہ بڑی مشکل گھاٹی ہے۔ مالیات کے بارے میں اپنے آپ کو پاک کر لینا بڑی مشکل گھاٹی ہے۔ تو اب لگایئے۔ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ نماز کو قائم کرتے ہیں۔ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ اور اس مال میں سے جو ہم نے ان کو دیا ہے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ میں یہ عرض کروں کہ یہاں پر صرف مال ہی مراد نہیں ہے۔ مِمَّا ہر اس چیز سے جو ہم نے ان کو دی۔ کسی کو اللہ نے طاقت دی کسی کو اللہ نے علم دیا۔ کسی کو اللہ نے ہنر دیا۔ کسی کو اللہ نے تجربہ دیا۔ تو جو کچھ دیا اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ مثلاً آپ میں سے ایک دوست جا رہے ہیں۔ اچھے تندرست۔ نوجوان۔ خوبصورت۔ دیکھا ایک مزدور چلا آ رہا ہے اس بوڑھے کے سر پر ٹوکرا ہے۔ بوری ہے۔ بڑی بھاری ہے۔ جس کو بوڑھا نہیں اٹھا سکتا۔ اس نے صرف پیٹ کے لئے اٹھایا ہے۔ یا گلیوں میں سامان ڈھو رہا ہے وہ پیٹ کے لئے ہے اور میں ساتھ جا رہا ہوں۔ میرا بدن بھی ٹھیک ہے طاقت مجھ میں ہے۔ اگر میں یہ کہہ دوں کہ بھائی میں بھی اسی طرف جا رہا ہوں۔ پیسے تم لے لینا لیکن میں تیری مدد کر سکتا ہوں۔ کہ یہ بوجھ میں اٹھا لوں۔ اس سے اگر میں نے لیا۔ تو مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ میں میں بھی آ گیا۔ میں نے اپنے بدن کو خرچ کیا۔ میرے پاس علم ہے ایک آدمی کہتا ہے جی مجھے درخواست لکھ دو میں ان پڑھ ہوں۔ میں نے کہا ٹھیک ہے درخواست لکھ دی یہ بھی ہے اِنْفَاقٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ میرے پاس طب ہے۔ تجربہ ہے جو کچھ میرے پاس ہے جو اللہ نے مجھے سکھایا۔ اس کو میں اللہ کے نام پہ خرچ کر دوں۔ یہ سب انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ اللہ تعالٰی سب کو عمل کی دولت سے نوازے۔

چوتھا درس قرآن مجید

منعقدہ شوال ۱۳۸۴ھ فروری ۱۹۶۵ء

یہ درس مقدس مندرجہ ذیل آیات گرامیہ کا درس ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۔ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

اس درس میں مندرجہ ذیل مضامین آئے ہیں۔

۱۔ قرآن کریم سے نفع اٹھانے والے کون ہو سکتے ہیں۔
۲۔ شان صحابہ کرام
۳۔ دورِ حاضرہ میں ایمان نام ہے اتباعِ سلف کا
۴۔ نماز باجماعت کی اہمیت
۵۔ خواتین کے لئے حج کی ضروری شرط
۶۔ سب سے زیادہ سخی علمائے حق اور آئمہ مساجد ہیں۔
۷۔ کتابت حدیث دورِ نبوت میں۔
۸۔ پہلی آسمانی کتابوں پر ایمان لانے کا مطلب
۹۔ قیامت پر یقین رکھنے والوں کی نشانی
۱۰۔ علم فائدہ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ میں حصر کا ہونا۔

اللہ تعالیٰ عمل سے نوازیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میرے بزرگو اور بھائیو! گزشتہ درس میں آپ ابتدائی آیات پڑھ چکے ہیں۔ مگر
میں پھر پڑھ دیتا ہوں۔ شائد اس طرح سننے سنانے سے اللہ تعالے ہمیں عمل سے نواز
گزشتہ درس میں سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات پڑھی گئی تھیں۔ سورہ فاتحہ میں ہم
اللہ تعالے سے درخواست کی تھی۔ اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ہمیں
سیدھا راستہ دکھا۔ سیدھے راستے پر چلا۔ جواب میں یوں سمجھ لیا جائے کہ اللہ تعا
نے اپنی کمال مہربانی سے پورا قرآن نازل فرما دیا۔ شروع ہی میں فرمایا ذٰلِكَ
الۡكِتٰبُ لَا رَیۡبَ فِیۡهِ یہ قرآن وہ کتاب ہے جس میں کسی قسم کا کوئی شک
شبہ نہیں۔ اسے اتارنے کی حکمت کیا ہے۔ هُدًى لِّلۡمُتَّقِیۡنَ فرمایا جو
ہدایت کو تم مانگتے ہو۔ وہ تمہیں کہاں ملے گی۔ فِیۡهِ هُدًى وہ تمہیں اس
قرآن میں ملے گی۔ لیکن یہ ہدایت کس کے لئے نافع ہے؟ لِّلۡمُتَّقِیۡنَ یہ قرآن
ہدایت ہے پرہیزگار بننے والوں کے لئے یعنی جو ہدایت چاہتا ہو۔ ہدایت کا
متلاشی ہو۔ جیسا کہ ایک آدمی سخت پیاسا ہو۔ پاس ٹھنڈے پانی کی بھری صراحی پڑی
ہو۔ بلکہ برلبِ دریا بھی بیٹھا ہو۔ جب تک خود نہ پینا چاہے اسے کوئی نہیں پلا سکتا
اور نہ اس کی پیاس بجھ سکتی ہے۔ پانی پیاس تو بجھاتا ہے۔ لیکن اس کی جو پانی پیئے
یہ تو نفسیاتی بات ہے۔ عقل بھی یہی کہتی ہے۔ کہ ہم اس کو پانی پلا سکتے ہیں۔ جو پینا
چاہے جو پیاسا ہو۔ لیکن پینا ہی نہیں چاہتا۔ اس کو کون پلائے۔ اسی لئے فرمایا

کہ یہ قرآن ہدایت تو ہے ان لوگوں کے لئے جو پرہیزگار بننا چاہتے ہیں۔
وہ لوگ جو اپنی دنیا نیز اور قیامت بہتر بنانا چاہتے ہیں۔ ان کے لئے قرآن بہترین لائحہ
عمل ہے۔ چنانچہ سورہ اسراء میں فرمایا وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا
هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ وَ لَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ
اِلَّا خَسَارًا فرمایا یہ قرآن سراپا شفا ہے۔ علاج نہیں شفا۔ کسی علاج کو دعویٰ
نہیں ہو سکتا کہ وہ شفا ہے۔ کوئی بڑے سے بڑا حکیم، ڈاکٹر، ماہر امراض یقین سے
یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرا علاج سراپا شفا ہے کیونکہ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ
الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا (اسراء ۸۵) انسان کا علم ذاتی نہیں۔ بلکہ اسے دیا گیا ہے
اور یہ علم رب العالمین کے علم کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہیں رکھتا چنانچہ قرآن
کو اللہ تعالیٰ نے سراسر رحمت اور سراپا شفا سے تعبیر فرمایا۔ قرآن یقیناً شفا ہے
جو اس کے ساتھ چمٹ گیا وہ شفایاب ہو گیا جیسا کہ ابوبکرؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ
حضرت علی مرتضیٰؓ، خالد بن ولیدؓ اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے اور شفایاب
ہوئے کس سے شفایاب ہوئے کس نے ان کو بیماریوں سے نکالا۔ اور ایسے تندرست
ہوئے، کہ قیامت تک تندرست رہیں گے۔ فرمایا رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ
وَ رَضُوْا عَنْهُ اب ہمیشہ کے لئے میں ان سے راضی ہوا۔ ان پر کبھی
خفا نہیں ہوں گا۔ چنانچہ اہل بدر کے متعلق فرمایا اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ
فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ (بخاری) یہ قرآن رحمت ہے کس کے لئے
لِلْمُؤْمِنِیْنَ ایمان والوں کے لئے اور جو ایمان نہیں لاتے۔ ان کے
متعلق فرمایا وَ لَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا وہ لوگ جو
اللہ کی حد توڑنے والے ہیں ان کے لئے یہ قرآن تو سراسر گھاٹا اور نقصان کا

باعث ہے۔ دیکھیں۔ لائل پور کے ایک شقی القلب نے قرآن کی توہین کی۔ اس کے لئے قرآن نقصان کا باعث ہوا۔ بہن کو قرآن سے محبت اور عشق ہے۔ وہ قرآن کی تلاوت کر رہی ہے اور یہ پاس بیٹھا ریڈیو سن رہا ہے۔ بہن نے کہا اللہ کے بندے اس خبیث کو بند کر دو۔ میری تلاوت میں خلل نہ ڈال۔ اگر سننا ہی چاہتا ہے تو ذرا آہستہ کر دے۔ دیکھئے تو ذرا کہ دونوں ایک ہی باپ کی اولادیں۔ ایک کو قرآن سے محبت ہے دوسرے کو اس سے نفرت ہے۔ ایک کے لئے قرآن رحمت ہے۔ دوسرے کے لئے خسارہ ہے۔ اللہ تعالےٰ سب کی اولادوں کو نیک صالح بنائے۔ اور ہمیں توفیق دے کہ ہم اپنی اولادوں کو جہنم سے بچائیں۔ مگر اولاد کا کیا قصور ہے فرمایا[1] قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو جہنم کی آگ سے تمہارا فرض ہے۔ جس طرح بیماریوں سے بچاتے ہو اسی طرح جہنم سے بھی اپنی اولاد کو بچاؤ۔ اس بیٹے کو جس کو قرآن سے اتنی نفرت ہے کہ قرآن سننا وہ گوارا نہیں کر سکتا اسے ریڈیو کس نے لا کر دیا ہو گا جو اس کی ہلاکت کا سبب بنا۔ عند اللہ والدین مجرم ہیں۔ ان سے پوچھا جائے گا تو فرمایا قرآن ہدایت ہے ان لوگوں کے لئے جو پرہیز گار بننا چاہتے ہیں۔ پرہیز گاری کسے کہتے ہیں۔ اس کے متعلق کافی کچھ میں پہلے عرض کر چکا ہوں۔ اس کی نشانی کیا ہے؟ جو پرہیز گار بننا چاہتے ہیں۔ ان میں طلب ہے یہ نہیں چلیا کہ آج ہمارا حال ہے راستے میں کسی پیر صاحب یا مولوی صاحب کو دیکھ لیا تو کہہ دیا حضرت میرے لئے دعا فرمایا کریں۔ حالانکہ یہ تو مذاق کرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے تو فرمایا ہے۔ وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ

---

[1] سورہ تحریم۔ آیت ۶

دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ[1] فرمایا میں تو اپنے بندوں کے بڑا قریب ہوں نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ[2] میں تو اس کی رگِ حیات سے بھی زیادہ قریب ہوں۔ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي[3] چاہیئے کہ میرا حکم مانے اپنی منوانے کے لئے میری بھی تو مانیں۔ پھر دیکھئے قبول کرتا ہوں کہ نہیں۔ تو ان کی نشانی کیا ہے۔ متقین کی نشان وہی اللہ تعالیٰ نے یوں فرماتے ہیں۔ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں بن دیکھے۔ میں اعادہ اس لئے کر رہا ہوں کہ آپ حضرات کچھ سمجھ جائیں۔ اور میرے ایمان میں بھی زیادتی ہو۔ اللہ کا نام ہے بار بار پڑھنے۔ سننے سے دلوں میں راسخ ہو جاتا ہے۔ فرمایا جو ایمان رکھتے ہیں۔ بن دیکھی باتوں پر۔ پھر ایمان بالغیب کا درجہ بڑھتا جاتا ہے پھر وہ بحث نہیں کرتے کہ اس کی حقیقت کیا ہے۔ بس جو اللہ نے اور اس کے رسول نے فرمایا وہ ٹھیک ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ پھر جتنا زمانہ دورِ نبوت سے دور ہٹتا جاتا ہے۔ ایمان بالغیب کی ترکیب بھی بدلی جا رہی ہے۔ وہاں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سو ٹھیک ہے۔ چنانچہ ابوجہل نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تمہارے دوست نے تو آج یہ دعویٰ کیا ہے کہ مجھے اللہ نے معراج کرایا۔ میں جب واپس آیا تو بستر اسی طرح گرم وضو کے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ فرمایا کیا تو سچ کہتا ہے کہنے لگا ہاں تیرے ساتھی نے ایسا کہا ہے۔ فرمایا ارے بیوقوف یہ تو چھوٹی سی بات ہے اس سے بھی بڑی بات ہوتی تو اس پر بھی میرا ایمان ہے۔ آپ میں سے اکثر دوست پڑھے لکھے ہیں۔ سیرت کی کتابوں میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] بقرہ ع ۱۸۶ [2] ق ع ۱۶ [3] بقرہ ع ۱۸۶

کو کافر نبی تو نہیں مانتے تھے۔ مگر آپ محمد امین صلی اللہ علیہ وسلم، مشہور تھے
کہتے تھے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، بڑے امانتی ہیں ایسے امانتی جس کی آنکھ نے کبھی خیانت
نہیں کی۔ جس کی زبان، دل و دماغ اور ہاتھ پاؤں نے کبھی خیانت نہیں کی۔ مال
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس امانت رکھتے تھے۔ کہتے تھے بڑا امانتی ۔ لیکن نامعلوم
کس نے اس پر جادو کر دیا۔ وَ یَقُولُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ آپ صلی اللہ
علیہ وسلم کو شہید کرنے پہ تیار ہو گئے۔ مگر امانتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے
پاس ہیں۔ چنانچہ ہجرت کی رات حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ تم یہیں رہو۔
مکہ والوں کی امانتیں جو میرے گھر پڑی ہیں ادا کر کے آنا۔ گھر سے نکال رہے ہیں
پھر بھی کافروں کا مال آپؐ کے پاس امانت ہے۔ حضرت علیؓ کو حکم دیا۔ دے کر
آنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم، کے ہر قول، ہر فعل و ارشاد بلکہ جو بات آپ صلی
اللہ علیہ وسلم کے منہ مبارک سے نکلی۔ بس مسلمان کا اس پر ایمان تھا۔ دلیل یا حجت کا
تو کوئی سوال ہی نہ تھا۔ پھر جوں جوں زمانہ گزرتا گیا۔ وہی احکام وہی باتیں۔ وہی
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات دین کی شکل میں منتقل ہوتے چلے آئے۔ آپ
صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے پہلے مخاطب شاگرد تھے۔ صحابہ کرام صحابہ کے
بعد تابعین۔ پھر تبع تابعین یہی سلسلہ ہم تک پہنچا۔ دارالعلوم دیوبند اور دوسرے
دینی مدارس میں اصول فقہ کی آخری کتاب مسلم الثبوت پڑھائی جاتی ہے۔ اس
میں لکھا ہے اما المقلد فمستندہ قول المجتہد آپ سب
ملازم ہیں۔ آپ کو کوئی بات کرنی ہو۔ یا کہنی ہو۔ تو اپنے محکمے کے ہیڈ سے رابطہ
قائم کرتے ہیں۔ یا کوئی شکایت ہو تو اپنے ہیڈ سے کرتے ہیں۔ یہ نہیں کہ کوئی

ملازم یہ کہے کہ میں صدر صاحب کو ٹیلیفون کرتا ہوں۔ صدر صاحب تک پہنچنے کے لئے بھی آپ اپنے ہیڈ سے ہو کر جائیں گے۔ اس کی اجازت سے جائیں گے یہاں تک کہ آپ اپنی مرضی سے چھٹی نہیں کر سکتے۔ آپ اوپر سے جو آرڈر آئے اس کے مکلف ہیں۔ محکمہ کا ملازم لیبے سربراہ۔ اپنے ہیڈ کی معرفت کے بغیر قانوناً چھٹی نہیں کر سکتا۔ یہی ہے ایمان بالغیب۔ اسی طرح دین میں ہمارے سربراہ ہمارے ہیڈ امام ابو حنیفہؒ امام شافعیؒ۔ امام مالکؒ۔ امام احمدؒ بن حنبل۔ حضرت امام الاولیاءؒ لاہوری۔ حضرت عبدالقادر رائے پوریؒ ہیں ہمیں ان کی بات ماننی پڑے گی۔ کیوں؟ اس لئے کہ یہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے۔ یہ تو وہی کہتے ہیں جو ان کو اوپر سے ملی ہو حتیٰ کہ یہ سلسلہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچتا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول کسی فعل۔ کسی ارشاد پر صحابہ دلیل نہ پوچھتے تھے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ بھی فرماتے تھے من جانب اللہ ہوتا۔ اسی کا نام سند ہے۔ میں نے بخاری اور ترمذی شریف اپنے محبوب حضرت مدنی رحمتہ اللہ علیہ سے پڑھی اور سنی۔ انہوں نے اپنے شیخ سے۔ ان کے شیخ نے اپنے شیخ سے۔ حتیٰ کہ یہ سلسلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچا ہے۔ یہی ہے ایمان بالغیب۔ پچھلے دنوں اس مسئلہ پر جسے ہم حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ یہ بحث چلی۔ میں نے حضرت رائے پوریؒ کی خدمت میں عریضہ ارسال کیا کہ جناب اپنی رائے سے مطلع فرمادیں۔ یاد رکھئے کہ اس دور کی تین ہستیاں بڑی بلند گذری ہیں۔ جن کو نہ ہم جانتے ہیں نہ جان سکتے ہیں۔ حضرت مدنی رحمتہ اللہ علیہ۔ حضرت رائے پوری رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت لاہوری رحمتہ اللہ علیہ۔ ان کی قدر پچاس ساٹھ سال بعد میں آئے گی۔ ہاں تو میں نے حضرت

رائے پوری کی خدمت میں عریضہ ارسال کیا۔ آپ نے جواب میں فرمایا۔ میں تو اپنے اکابر کا من وعن مقلد اور متبع ہوں۔ حضرت کا مکتوب گرامی اب بھی میرے پاس محفوظ ہے۔ یہ ہے ایمان بالغیب۔ ایک شخص کہے کہ میں نے ٹونٹی سے پانی پیا۔ دوسرا کہے نہیں میں نے چشمہ یا دریا سے پانی پیا۔ ہیں تو دونوں ٹھیک جس نے ٹونٹی سے پانی پیا۔ وہ بھی کسی واسطہ سے ٹونٹی تک پہنچا۔ پانی کا مخزن دریا یا چشمہ یا کنواں ہے۔ لیکن پانی آگے جاکر کئی نلوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ جو بلاواسطہ لوگوں تک پہنچتا ہے۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے کنوئیں کا پانی پیا۔ حالانکہ وہ نلکے سے پی رہا ہو۔ تو وہ درست ہے۔ کیونکہ پانی کا مخزن تو کنواں ہے۔ ایمان بالغیب پہلی کڑی ہے۔ اللہ کی ہدایت کو قبول کرنے کے لئے۔ اس لئے ایمان کو سب پر ترجیح دی۔ ایمان کے بعد دوسری چیز اقامت الصلوٰۃ ہے۔ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ اور قائم کرتے ہیں نماز۔ اس کے متعلق بھی میں پہلے کافی عرض کر چکا ہوں۔ اس کا ایک نیا معنی یہ ہے کہ ادا الصّلوٰۃ بالجماعۃ نماز با جماعت ادا کرنا۔ جیسا کہ اقامت سے ظاہر ہے۔ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوة جس نماز کو کھڑا کرنا چاہتے ہو۔ قد قامت وہ کھڑی ہو گئی ہے اور اگر جماعت سے رہ جائے کسی مجبوری کی وجہ سے تو بھی بہتر ہے۔ اکیلے ہی اقامت کہے اور پھر نماز پڑھے۔ سفر میں ساتھ اور کوئی نہیں۔ یا جنگل میں ہے ساتھی کوئی نہیں ہے۔ فرض نماز کے لئے اجازت ہے۔ اقامت کہو اور پھر نماز پڑھو۔ اور کوئی شریک نہ ہوا تو فرشتے اور جن شریک ہو جائیں گے۔ جن بھی تو مکلف ہیں۔ نماز با جماعت ادا کرنا۔ ہمارے دین کا بڑا ضروری جزو ہے ۔ اگر

لے۔ رحمت کائنات بار پنجم صفحہ ۱۴

احمد بن حنبلؒ کے نزدیک تو نماز با جماعت فرض ہے یعنی اگر جماعت کے ساتھ ادا نہ کی تو ہوگی ہی نہیں۔ واجب تو سبھی کے ہاں ہے۔ ایک اندھے صحابی حاضر خدمت ہوئے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی بارش ہو تو گلیوں میں کیچڑ ہو جاتا ہے[1] اور میرے گھر اور آپ کی مسجد کے درمیان کافی فاصلہ ہے میرا بیٹا یا کوئی ملازم نہیں جو مجھے مسجد تک لائے وَ لَیْسَ لِیْ مَنْ یَّقُوْدُنِیْ اگر آپ اجازت فرمائیں تو میں نماز گھر ہی میں پڑھ لیا کروں۔ فرمایا بہت اچھا۔ ابھی اٹھنے ہی والا تھا کہ فرمایا جب اللہ کا منادی ندا کرتا ہے تجھے آواز پہنچتی ہے یعنی تو آذان کی آواز سنتا ہے۔ عرض کیا جی ہاں۔ تو فرمایا پھر اس کے سننے کے بعد گھر پڑھنے کی اجازت نہیں کسی کو۔ اندھے کو۔ حالانکہ اندھے کو اجازت ہونی چاہیئے۔ یہ حکم صرف مردوں کے لیے ہے۔ عورتوں کے لیے گھر میں نماز پڑھنی بہتر ہے۔ عورتوں کے لئے ضروری ہے کہ مردوں کے اختلاط سے اپنے آپ کو بچائیں۔ ان کے لئے گھر مسجد سے بہتر ہے۔ ایک عورت حاضر خدمت ہوئی۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں جہاد پہ جانا چاہتی ہوں۔ فرمایا[2] جِہَادُکُنَّ اَلْحَجّ تو اللہ کے گھر کا حج کر یہی تیرے لئے جہاد ہے۔ لیکن حج کے لئے ضروری ہے کہ ساتھ بیٹا یا باپ یا خاوند یا بھائی ہو۔ جس طرح اور بیماریاں ہمارے معاشرے میں پائی جاتی ہیں انہی میں سے ایک یہ ہے۔ کہ اکثر ہماری مائیں بہنیں بچیاں غیر محرم کے ساتھ سفر کرتی ہیں کبھی میں نے پڑوسی کے ساتھ حج کیا۔ جو شرعاً کسی حالت میں درست نہیں۔ جس کے ساتھ نکاح شرعاً کسی وقت بھی جائز ہو۔ شرعی نقطہ نظر سے

---

[1] مسلم [2] بخاری و مسلم

اس کے ساتھ سفر حرام ہے۔ حج کا ادا کرنا فرض ہی نہیں جس کے ساتھ محرم نہ ہو۔ محرم کون ہے؟ باپ ہو یا بیٹا، بھائی ہو یا بھانجا یا بھتیجا یا خاوند ساتھ ہو۔ حدیث شریف میں ہے: ایک صحابی حاضر خدمت ہوئے۔ اے اللہ کے رسولؐ میں جہاد پر جا رہا ہوں۔ اور میری بیوی حج کا قصد کئے ہوئے ہے۔ میرے لئے کیا حکم ہے۔ فرمایا جا تو اپنی بیوی کو حج کرا۔ بزرگو! صحابہ کا دور ہے۔ اور جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا زمانہ ہے کیا ان میں بھی نعوذ باللہ بدنیتی پائی جاتی تھی۔ نیت، بدنیتی کا سوال نہیں، قانون اپنی جگہ قانون ہے۔ دیکھئے صحابی کو فرمایا جہاد چھوڑ دو[1]۔ بیوی کو حج کراؤ۔ تیرا یہی جہاد ہے۔ آج کے اس دور میں عورت کے لئے بڑی عبادت گھر کی چار دیواری ہے۔ بلکہ عورت کے لئے حکم ہے۔ کہ وہ اعتکاف بھی گھر ہی میں بیٹھے۔ مرد کے لئے مسجد میں اعتکاف بیٹھنا ضروری ہے۔ تاکہ نماز باجماعت کا اہتمام ہو سکے۔ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ط اور اس سے جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں میرا اپنا تو کچھ ہے ہی نہیں۔ سب کچھ اللہ کا دیا ہوا ہے۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ میرے پاس اگر مال ہے تو اللہ کا ہے۔ جان ہے طاقت ہے تو اللہ کی دی ہوئی ہے۔ علم و ہنر ہے تو اللہ کا دیا ہوا۔ اسی لئے فرمایا مِمَّا جو کچھ ہم نے ان کو دیا۔ انفاق فی سبیل اللہ ہر چیز سے ہے۔ خواہ وہ علم کی صورت میں ہو۔ دولت کی صورت میں ہو۔ ہنر کی صورت میں یا طاقت کی صورت میں ہو۔ جیسا کہ میں بہت سی مثالیں عرض کر چکا ہوں۔ ایک آدمی تندرست

---

[1] زبدۃ المناسک ص ۱۲۱ ج ۱ [2] بخاری و مسلم

توانا۔ طاقت ور ہے۔ دیکھتا ہے کہ ایک ادھیڑ عمر کا آدمی بال بچے کے لئے دو چار پیسے کمانے کے لئے اپنا پیٹ پالنے کے لئے دو من کا بوجھ اٹھائے راستے پر جا رہا ہے۔ اس سے بوجھ اٹھا لے۔ یہ بھی انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ صرف مال ہی مراد نہیں میرے پاس علم ہے۔ مجھ سے کوئی طالب علم پڑھنا چاہتا ہے۔ میں اس کو پڑھاؤں یہ بھی انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ دنیا میں سب سے سخی علمائے کرام ہیں۔ یہ اللہ کی مخلوق کو وہ دولت دیتے ہیں۔ جو دنیا میں بھی۔ قبر میں اور قیامت کے دن بھی کام آنے والی ہے علم سب سے بڑی دولت ہے۔ سب سے بڑے سخی وہ علمائے حق ہیں۔ جنہوں نے قوم کی گالیاں کھائیں۔ مگر مسجد کو نہ چھوڑا۔ بھوکے رہے مگر درس دیتے رہے۔ اللہ کی مسجدوں کو آباد رکھا۔ بڑے بڑے فتنوں کا جو اسلام کے خلاف اٹھائے گئے۔ جواب دیا۔ ہم جیسے گنہگاروں کے ایمان کو محفوظ رکھا۔ بھائی آپ کسی کو کہہ دیں کہ میرے لڑکے کو ایک گھنٹہ انگریزی اور الجبرا پڑھا دیا کرو۔ کہے گا کم از کم پچاس روپے لوں گا۔ اور صرف ایک گھنٹہ آیا کروں گا۔ اور کسی مولوی صاحب کو کہہ دیں۔ استاد جی مولوی صاحب میرے لڑکے کو قرآن تو پڑھا دیں۔ بڑی خوشی سے کہے گا۔ جناب آپ اپنے بچے کو بھیجا کریں۔ قرآن کریم پڑھا دوں گا۔ آپ کا بچہ میرا بچہ ہے۔ آپ پرواہ نہ کریں۔ آپ دیکھیں گے کہ یہ جگہ جگہ قرآن کے درس کون دیتا ہے۔ یہ کتابیں کون تصنیف کرتے ہیں۔ یہ صرف علمائے حق ہیں۔ حضرت لاہوری نے کتنے ہی رسالے شائع کئے۔ قرآن کی تفسیر لکھی اور کتابیں لکھیں۔ لیکن ان کے نام پر کوئی جیز رجسٹرڈ نہیں۔ خدام الدین حضرت رحمتہ اللہ علیہ کا اپنا پرچہ ہے۔ مگر جب اپنے پڑھنے کے لئے لیتے تو ہم آنے دے کر پرچہ لیتے تھے۔ آپ نے اپنے دماغ و دل اللہ کے نام پر مخلوقات الٰہیہ کی ہدایت کے لئے

وقف کر رکھا تھا۔ اسی طرح حکیم الامت حضرت تھانویؒ جو قوم کی بیماریوں کے روحانی طبیب تھے۔ آپ کی تصنیفات کی تعداد ایک ہزار ہے مگر ایک کتاب بھی اپنے نام رجسٹرڈ نہیں۔ یہ کہیں نہ لکھا اور نہ فرمایا کہ میری اجازت کے بغیر کوئی شخص میری کوئی تصنیف نہیں چھاپ سکتا۔ آج مخلوقات دنیاوی طور پر ہزاروں کے حساب سے روپیہ کما رہی ہے۔ جس کی مرضی ہو وہ چھاپ لے۔ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ اور وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں۔ اس ساری ہدایت پر جو اتاری گئی آپ پر وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ اور جو اتاری گئی آپ سے پہلے۔ تعميم بعد التخصيص دو تین خصوصی باتیں کرنے کے بعد عمومی حکم دے دیا۔ جو کچھ بھی آپ کی طرف نازل ہوا سب کو مانتے ہیں۔ مَا عموم کے لئے ہے۔ جو کچھ بھی آپ کی طرف نازل ہوا۔ اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ صرف نماز پر صرف انفاق فی سبیل اللہ پر اکتفا نہیں بدنی اور مالی عبادت کے علاوہ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ سب پر ایمان رکھتے ہیں۔ اتنی بات عرض کر دوں کہ اللہ تعالٰے کا کلام جتنا جامع، مفید اور معانی پر مشتمل ہے اور کوئی کلام نہیں کیوں نہ ہو جب کہ اللہ خود متکلم ہیں۔[۱] وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا اور تیرے رب کی باتیں انتہا کو پہنچ چکی ہیں سچائی اور انصاف کے لحاظ سے عدل کے ایک معنی ہیں۔ وَضْعُ شَيْءٍ فِيْ مَحَلِّهٖ یعنی جہاں اللہ تعالٰے نے اسے اتارا کو بالکل اپنے محل پر اتارا۔ محدث عصر حضرت انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ قرآن کے جو الفاظ جس ترتیب سے لائے گئے تقلیبن نہیں لا

۱ۃ الانعام ع۱۱۵

لا سکتے کوئی یہ کہے۔ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ کو ہٹا کر کوئی اور کلمہ لے آئیں۔ یہ ناممکن ہے۔ ہم تو اکابر کے مقلد ہیں۔ جو انہوں نے فرمایا وہی ہمارے لئے درست اور صحیح ہے۔ ہم خود جاہل ہیں۔ ان ہی کی برکتوں سے اللہ تعالےٰ عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ جو کلمات اللہ نے فرمائے۔ ان سے بہتر کون لا سکتا ہے۔ شاہ صاحب نے جو فرمایا یہ قرآن مجید میں بھی آتا ہے۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ۔

اگر سارے جن اور انسان اکٹھے ہو کر ایسی کتاب لانا چاہیں تو لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ کبھی نہیں لا سکیں گے۔ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ۝ (اسراء ۸۸) اگرچہ وہ ایک دوسرے کی مدد کریں پورا قرآن تو لانا درکنار ایک دو لفظ بھی نہیں لا سکتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے جو یہاں یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ فرمایا۔ بالکل صِدْقًا وَّعَدْلًا کے طور پر فرمایا اسے کوئی نہیں بدل سکتا۔ اگر اس سے مراد صرف ایمان بالقرآن ہی ہوتا۔ تو اللہ تعالےٰ یوں کیوں نہ فرما دیتے وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْقُرْاٰنِ وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں۔ ہر اس بات پر جو نازل کی گئی آپ پر۔ اس لئے کیوں نہیں فرمایا۔ صرف قرآن ہی کرہائیں۔ بھائی دنیا چند دنوں کی ہے۔ اطاعت میں گزری یا نافرمانی میں گزر تو جائے گی۔ مگر نافرمان زندگی ابدالآباد تک رہ جائے گی۔ اللہ سب کو محفوظ رکھے یہ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ کیوں فرمایا؟ معلوم ہوتا ہے کہ رب العالمین فرماتے ہیں۔ کہ تم میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ڈاکیہ (POSTMAN) یا کلرک نہ سمجھو یہ تو میرے رسول ہیں ان کی

ہر بات میری بات ہے۔ اس لئے جو کچھ اترا سب کو ماننا پڑے گا خواہ وہ قرآن ہو یا غیر قرآن۔ فرمایا الا انی اوتیت القرآن و مثلہ معہ[1]۔ جس نے قرآن لایا اس نے حدیث بھی لائی۔ آپ کا ہر فعل اور ہر قول قرآن کی شرح ہے فرمایا۔ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ بے شک آپ بڑے اونچے اخلاق کے مالک ہیں۔ آپ کے اخلاق کیا تھے۔ کان خلقہ القرآن آپ تو قرآن کی عملی تفسیر ہیں۔ آپ کی ہر بات حضرت ابو ہریرہ رض اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رض لکھ لیا کرتے تھے۔ قرآن میں آیا ہے جس کو ابھی آپ پڑھ چکے ہیں۔ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ تو کتاب کس کو کہتے ہیں۔ لکھی ہوئی چیز کیا وہ کتابت نہ جانتے تھے۔ دوسری جگہ ہے۔ نٓ وَ الْقَلَمِ وَ مَا یَسْطُرُوْنَ نون دوات کو کہتے ہیں۔ قلم قلم ہوا۔ اِقْرَاْ وَ رَبُّکَ الْاَکْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ تو کیا وہ قلم کو نہ جانتے تھے۔ وَ اَلْقَی الْاَلْوَاحَ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تختیاں پھینک دیں۔ معلوم ہوا عرب تختی کو کتاب کو بھی جانتے تھے۔ وَ لَوْ نَزَّلْنَا عَلَیْکَ کِتٰبًا فِیْ قِرْطَاسٍ اور اگر ہم آپ پر کوئی کاغذ پر لکھی ہوئی کتاب بھی اتار دیتے۔ فَلَمَسُوْهُ بِاَیْدِیْهِمْ اور لوگ اور لئے ہاتھوں سے چھو کر بھی دیکھ لیتے تب بھی ایمان نہ لاتے۔ کاغذ قلم دوات تختی لکھنے والے سب کچھ موجود تھا۔ اگرچہ تعداد کم تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں آپ کے ارشادات اور اعمال لکھے جاتے تھے تاکہ لوگ ان سے ہدایت حاصل کریں۔ مولانا شبلی رح نے سیرت النبی ﷺ میں لکھا ہے کہ سب سے پہلا جو مجموعہ احادیث مرتب ہوا تھا۔ اس کا نام صادقہ تھا۔ سنت اور حدیث حضور اکرم صلی اللہ علیہ

[1] ابوداؤد

وسلم کو آئینی حیثیت حاصل ہو چکی تھی۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰے عنہ کو جب یمن کا عامل بنا کر بھیجنا چاہا۔ تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان سے پوچھا۔ تو لوگوں میں کس ہدایت کی روشنی میں فیصلے کرے گا۔ آپ نے عرض کیا۔ اللہ کی کتاب سے۔ پھر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا۔ اگر کتاب اللہ میں نہ ملا۔ تو پھر آپ نے عرض کیا جناب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنت کی روشنی میں۔

دیکھئے ہمارے حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے کلمات طیبات جو آپ نے اپنی زندگی میں فرمائے۔ بھائی عثمان غنی صاحب نے جمع کیئے۔ ان کو مرتب کیا۔ اب کتابی شکل میں چھپ چکے ہیں۔ اسی طرح اکابر کے فرمودات لوگوں نے قلم بند کیئے۔ ہمیں اپنے اکابر سے اتنی محبت ہے۔ اتنی عقیدت ہے کہ ان کی ہر بات لکھ لی جاتی ہے۔ میری تقریریں لوگ نوٹ کرتے ہیں حالانکہ میں بڑا ہی گندہ انسان ہوں۔ تو کیا صحابہ کرام رض کو آپؐ سے اتنی محبت بھی نہ تھی ضرور تھی اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین نے آپؐ کی ہر بات لکھی یہ آواز کہ حدیثیں بعد میں لکھی گئی ہیں یہ سراسر الزام ہے اسلام کے خلاف بلکہ یہودیوں نے حضرت ابوہریرہ رض کو طعنہ دیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کبھی خوش ہوتے ہیں کبھی غصے میں اور تم ان کی ہر بات لکھ لیتے ہو۔ حضرت ابوہریرہ رض نے حاضر ہو کر خدمت میں عرض کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وَاللّٰہِ مَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا یَرْضٰی رَبُّنَا۔ خدا کی قسم ہم نبی محمد اللہ کی مرضی کے سوا بات ہی نہیں کرتے۔ غرضیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہاں بھی شریعت اور نہ بھی شریعت، حج کے زمانہ میں ایک آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں آتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیک وسلم قرآن میں جو آتا ہے۔ وَ لِلّٰہِ عَلَی

لے مشکوٰۃ باب العمل فی القضاء

النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً۔
تو کیا حج ہر سال فرض ہے؟ جس طرح زکوٰۃ اور رمضان کے روزے یا عمر میں ایک دفعہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے کوئی جواب نہ فرمایا۔ آپؐ سے تین دفعہ پوچھا۔ آپؐ نے کوئی جواب نہ فرمایا۔ پھر فرمایا۔ لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال واجب ہو جاتا۔ کیونکہ میری ہاں بھی شریعت ہے اور نہ بھی شریعت ہے اور مسلمانوں کا اسی پر عمل ہے۔ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ حدیث کی کوئی ضرورت نہیں تو ہر سال حج کرنا پڑ جاتے۔ آج جہاں اور احکام کو پس پشت ڈالا جا رہا ہے۔ حج کے متعلق بھی کہا جاتا ہے۔ کہ حج میں ویسے ہی پیسے برباد ہوتے ہیں نعوذ باللہ اگر لندن یا پیرس کا چکر لگائیں تو وہاں پیسے اصلی مصرف پر خرچ ہوتے ہیں۔ وہاں برباد نہیں ہوتے اور حج پر برباد ہوتے ہیں۔ اسی طرح کہتے ہیں قربانی کی کیا ضرورت ہے۔ قربانی نہ کرو پیسے جمع کرکے ایک ہوائی جہاز لے لو۔ سینماؤں میں کلبوں میں اور عیاشیوں میں خرچ کرتے ہوئے روپیہ کو برباد نہ کرو۔ یہ نہیں کہتے کہ جب یہ رقم حرام کے راستے پر صرف ہو رہی ہے۔ قوم کا سرمایہ اندھا دھند ان فضولیات میں صرف ہو رہا ہے اس کو جمع کرکے ہوائی جہاز لے لیں۔ ان فضولیات میں خرچ کرنا ان کے نزدیک دولت کو ضائع کرنا نہیں اور دین کے احکام میں قطع و برید کرتے نہیں شرماتے۔ اللہ تعالیٰ سب کو سمجھ عطا فرمائے۔ آپؐ نے فرمایا۔ هٰذِهٖ سُنَّةُ اِبْرٰهِيْمَ یہ قربانی تو میرے دادا ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے اور امت کہہ رہی ہے کہ اس میں پیسے برباد ہوتے ہیں۔ معلوم نہیں یہ انہوں نے کہاں سے

لے مشکوٰۃ

نکال لیا۔ ایسے نفس کے دھندوں میں پھنس کر رہ گئے۔ حالانکہ فرمایا جو اللہ کی طرف سے آیا وہ بلا چون وچراں ماننا ضروری ہے۔

مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ ہر اس ہدایت پر جو نازل کی گئی۔ خواہ قرآن کی شکل میں ہو یا سنت کی شکل میں وہ ساری ہدایت جو آپؐ پر نازل کی گئی۔ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ قرآن کس نے سنایا۔ مجھے میرے مرحوم باپ نے ان کو ان کے استاد صاحب نے ان کو ان کے استاد نے آگے انہوں نے اپنے استاد سے پڑھا اور سنا اور پڑھا۔ یہاں تک کہ یہ سلسلہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاتا ہے۔ جس کے منہ سے قرآن نکلا اسی کے منہ مبارک سے حدیث بھی سنی گئی۔ صحاح ستہ کے محدثین تیسری صدی ہجری میں گزرے یعنی امام بخاریؒ امام نسائیؒ ابن ماجہؒ ترمذیؒ مسلمؒ ابو داؤدؒ سب کا وصال تین سو سال کے اندر ہوا ہے۔ امام بخاریؒ بخارا کے تھے۔ مسلمؒ بغداد کے تھے۔ ابن ماجہ قزوین کے اور ابو داؤد سیستان کے رہنے والے تھے۔ یہ سب محدث جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو سو سال کے عرصے میں گزرے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ دو سو سال کے عرصہ میں علم حدیث کی اشاعت ان ممالک تک ہو گئی تھی جو صحابہ کرام نے کی۔ دیکھئے بھائی میری بات ایک دوست بیان کرتا ہے تو آخر اس تک میری بات پہنچی ہے تب ہی کرتا ہے۔ یہ دلیل اس بات کی ہے کہ اگر امام بخاریؒ بخارے کے رہنے والے آپؐ کی حدیث مرتب کرتے ہیں تو اس دو سو سال کے عرصہ میں وہاں یا اور مقامات میں احادیث صحابہؓ تابعین کے ذریعے پہنچ چکی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اشاعت حدیث کا کام شروع ہو گیا تھا۔ یہ اسلام کے خلاف زبردست فتنہ ہے۔ کہ حدیث بعد کی خود ساختہ ہے۔ ہمیں فتنوں سے بچ کر عمل کا راستہ

اختیار کرنا چاہیئے۔ دیکھئے ایک آدمی نے راولپنڈی جانا ہے۔ بس تیار ہے طریقہ تو یہ ہے کہ ٹکٹ لے لے بیٹھ جائے۔ بس آپ کو منزل مقصود تک پہ دے گی۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ بس کے چار پہیئے کیوں لگائے گئے ہیں پانچ کیو نہیں۔ اس کا رنگ سبز کیوں ہے سرخ رنگ کرتے۔ اچھا اس کا انجن آگے طرف کیوں ہے پیچھے کیوں نہیں لگایا۔ اسے ڈرائیور تیری ڈاڑھی کیوں منڈ ہوئی ہے۔ سب کہیں گے اس کا دماغ خراب ہے۔ پاگل ہے۔ تجھے ان باتوں کیا مطلب' پنڈی جانا ہے۔ تو ٹکٹ لے لو۔ اور بس میں بیٹھ جاؤ۔ تو بھائی اس کے کامل ہوئے چودہ سو سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ [1] ہدایت اور گمراہی دونوں واضح ہیں۔ ہمارا کام ماننا ہے کہ تنقید کرنا۔ اس لئے فرمایا مانتے ہیں اس ساری ہدایت کو جو آپ کی طرف نازل ہوئی ہے۔ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ اور اس ساری ہدایت کو بھی ما نیں جو آپ سے پہلے نازل ہوئی ہم توراۃ کو بھی مانتے ہیں۔ انجیل اور زبور پر بھی ہمارا ایمان ہے کہ یہ کتابیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئیں اور ہمارا ایمان ہے کہ سب انبیاء علیہم السلام سچے نبی تھے لیکن ما چیز ہے عمل اور چیز ہے عمل ہمارا قرآن پر ہے جیسا کہ اس ملک پر کبھی انگریز نے حکومت کی اور اس کے میں کس کا سکہ رائج تھا۔ اب کوئی جارج پنجم کے وقت کا سکہ بازار میں لے جائے تو کوئی نہیں لیگا۔ کیو کیا وہ سکہ نہیں؟ ضرور ہے لیکن اب وہ رائج الوقت نہیں اب اس کی کوئی قیمت نہ اس طرح آج آپ کا دور ہے آپ کی بات مانی جائیگی۔ ہر نبی علیہ السلام کی اپنے میں بات قابل قبول تھی۔ اب سلطان الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا دور ہے۔ لئے قابل عمل بات اس دور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ چنانچہ ایک ص

[1] بقرہ ۲۵۶

قرارت پڑھ رہے تھے۔ آپؐ نے دیکھ لیا۔ اور سخت ناراض ہوئے۔ فرمایا[1]
لَوْ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا لَمَا وَسِعَهٗ اِلَّا اتِّبَاعِىْ
اگر آج موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو میرا ہی کلمہ پڑھتے۔ میری لائی ہوئی ہدایت کو مانتے۔ آج تورات محرف ہو گئی۔ اگر صحیح بھی ہوتی تو بھی ناقابل قبول تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کسی نبی کی بات اب ہمارے لئے قابل عمل نہیں ہاں مانتے ضرور ہیں۔ اس لئے فرمایا۔ مَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ اور اس ساری ہدایت کو بھی مانتے ہیں۔ جو آپؐ سے پہلے انبیاء سابقین پر نازل ہوئی۔ اگر آپؐ کے بعد بھی کچھ نازل ہوتا تو اللہ تعالےٰ نے جس طرح مَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ فرمایا اسی طرح مَا اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِكَ بھی فرما دیتے۔ مگر نہیں فرمایا اس لئے کہ آپؐ خاتم الانبیاء ہیں۔ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ اور قیامت پر انہی کا یقین ہے۔ جن کی عملی زندگی اللہ تعالےٰ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں گزر رہی ہے یہی لوگ قیامت پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ هُمْ حصر کے لئے آیا ہے۔ یعنی قیامت پر انہی کا یقین ہے اوروں کا نہیں۔ نہ نماز نہ روزہ نہ حج نہ زکوٰۃ۔ نہ خدا نہ رسول تو ان کا قیامت پر یقین کس طرح ہو سکتا ہے۔ ۱۹۴۹ء کی بات ہے میرے ایک دوست کے والد صاحب سخت بیمار تھے۔ میں ان کی عیادت کو گیا۔ جب میں چائے پینے لگا۔ تو وہ دوست کہنے لگا۔ قاضی صاحب ابا جی مر گئے تو کیا ہو گا۔ سگریٹ کے کش بھی لگاتا میں ایک پیالی پیتا وہ دو لی جاتا۔ میں ایک کیا لیتا وہ دو تین لے جاتا۔ کھانا کھانے بیٹھتے یا چائے پینے لگتے۔ اس کا ورد ہو گیا۔ قاضی صاحب ابا جان مر گئے تو

---

[1] مشکوٰۃ

کیا ہوگا۔ آخر میں تنگ آگیا۔ میں نے کہا یا تو بے وقوف ہے یا مجھے بے وقوف سمجھتا ہے۔ صبح سے اب تک تم میرے ساتھ کھاپی رہے ہو۔ گویا تمہیں کچھ پرواہ ہی نہیں اور ساتھ کہتے جا رہے ہو کہ اباجی مرگئے تو کیا کریں گے۔ وہی ہوا جو اب کرتے ہو اور کیا کروگے ان پر سکرات موت طاری تھی۔ دو دن بعد فوت ہوگئے۔ اللہ تعالےٰ انہیں بخشے۔ اباجی کے پاس تم پھٹکے نہیں۔ حال تک نہیں پوچھا۔ ان کے پاس زمینیں چھوڑی ہوئی ہیں۔ اور زبانی طور پر اباجی کا بڑا غم ہے۔ تمہارے پروگرام میں کوئی فرق نہیں آیا۔ تمہیں کیا غم ہے۔ اباجی مریں یا زندہ رہیں۔ ہنس پڑا۔ اور کہنے لگا۔ جی ہم نے بھی تو زندگی گزارنی ہے۔ لوگ بوڑھے ہوگئے ہیں۔ اب بھی نماز کا نام نہیں لیتے۔ خواہشات کے بنائے بنے ہوئے ہیں۔ چوری کرتے ہیں۔ زنا کرتے ہیں۔ مگر کہتے ہیں۔ جی قبر سے بہت ڈر لگتا ہے۔ معلوم نہیں قیامت میں ہمارا کیا بنے گا۔ معلوم نہیں۔ ان کا یہ ڈر کیسا ہے۔ فرمایا قیامت پر ان لوگوں کا یقین ہے جن میں وہ صفات پائی جاتی ہوں۔ جو اوپر ذکر ہوچکی ہیں یقین اسے کہتے ہیں۔ جس کے وقوع میں کوئی شک نہیں۔ فرمایا۔ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (الحجر ۹۹) موت تک اپنی زندگی اللہ کی بندگی میں گزارو۔ موت کے وقوع کو یقین سے تعبیر فرمایا۔ جس طرح موت کا آنا یقینی ہے۔ جس سے کسی کو مفر نہیں۔ موت سے کسی کو انکار نہیں۔ اس سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتا چنانچہ مشہور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا بچپن کا ایک دوست تھا۔ جب آپ کو اللہ تعالےٰ نے نبوت اور حکومت سے نوازا۔ تو ایک دن وہ دوست آپکے پاس آیا کہنے لگا۔ آپ کو تو اللہ تعالےٰ نے نبوت عطا فرمائی۔ ایک میری خواہش بھی پوری فرمادیں۔ فرمایا۔ ضرور۔ کیا عرض ہے کہنے

لگا۔ مجھے موت سے بہت ڈر لگتا ہے۔ آپ کسی جن سے کہیں کہ وہ مجھے کسی ایسی وادی میں چھوڑ آئے۔ جہاں انسان کا نام و نشان نہ ہو۔ چنانچہ آپ نے حکم فرمایا۔ فوراً اس کو وہاں پہنچا دیا گیا۔ تھوڑی دیر بعد حضرت عزرائیل علیہ السلام حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے کہنے لگے۔ حضرت آپ کی بڑی مہربانی کہ آپ نے میری پریشانی دور فرمائی۔ فرمایا کس طرح۔ عرض کی۔ کہ وہ شخص جس کو آپ نے فلاں جزیرے میں پہنچایا ہے۔ مجھے خداوند تعالےٰ نے حکم دیا تھا۔ کہ فلاں جزیرہ میں فلاں وقت اس کی روح قبض کرنا۔ میں حیران تھا کہ وہ تو آپ کے پاس بیٹھا تھا میں اس کی روح وہاں کس طرح قبض کروں گا؟ آپ کی بڑی مہربانی کہ آپ نے اسے وہاں پہنچا کر میری مشکل حل کر دی۔ میں ابھی اس کی روح قبض کر کے آیا ہوں۔ تو بھائی! موت یقینی ہے۔ یہ تو آ کر رہے گی۔ اس لئے قیامت پر ایمان کو یقین کے ساتھ تعبیر فرمایا۔ کہ انہیں لوگوں کا قیامت پر یقین ہے۔ أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں۔ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ اور وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔ اب اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ میں جو ہم نے ہدایت مانگی وہ یہ ہے۔ ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ چلنے والے یہ لوگ ہیں۔ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ سے هُمْ يُوقِنُونَ تک۔ جب راہ ہدایت پر چل پڑے ہدایت پر آ گئے۔ تو نجات پا گئے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ نے عقیدہ و عمل اور قول و فعل کی درستی کا حکم دیا۔ اللہ تعالےٰ سب کو عمل نصیب فرمائے۔ آمین

پانچواں درس قرآن مجید

منعقدہ ذیقعد ۱۳۸۴ھ مارچ ۱۹۶۵ء

اس درس مقدس میں مندرجہ ذیل آیات کا درس ہے:-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (بقرہ ع ۶)

آیات بالا کی تشریح و تفسیر کے دوران مندرجہ ذیل علمی و تذکیری فوائد آگئے ہیں۔

۱۔ قرآن میں چار قسم کے انسانوں کا ذکر۔
۲۔ چھوٹی سی نیکی سے بھی نجات مل سکتی ہے۔
۳۔ کفر کے اسباب، سب سے بڑا مہلک سبب جحود (انکار)
۴۔ مبلغ کے فرائض میں سے وسعت قلبی اور عزم و ہمت ہے۔
۵۔ دلوں پر مہر لگنے کے اسباب اور اس کی حقیقت۔
۶۔ دورِ حاضر کے تین مصلحین امت اور بلند پایہ اولیاء کرام
۷۔ خداوند تعالے کے راضی ہونے کی علامات

"واللہ الموفق"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرے بزرگو! اور بھائیو!

یہ اللہ تعالیٰ کا خاص احسان ہے کہ آج پھر ہم چند بھائی اللہ تعالیٰ کا کلام سننے اور سنانے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی بھی توفیق عطا فرمائیں۔ بظاہر یہ درس قرآن مہینے میں ایک دفعہ اور وہ بھی تھوڑی دیر صرف ایک گھنٹے کے لئے ہوتا ہے۔ لیکن ہم گنہ گاروں کے لئے یہ چھوٹی چھوٹی نیکیاں بھی بڑے اجر کا باعث بن سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور مزید عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ہے کہ وفات کے بعد (حضرت بہت بڑے ولی، اور ہفت سلاطین میں گزرے ہیں) کسی کو خواب میں آئے۔ تو اس نے پوچھا۔ حضرت کیسا برتاؤ ہوا۔ فرمایا کام تو مشکل تھا لیکن سحری کی دو رکعتیں یہاں بڑا کام دے گئیں یعنی نماز تہجد کی طرف اشارہ ہے۔ ایسے ہی اہل اللہ کے کئی واقعات ہیں تو چھوٹے چھوٹے عمل بھی کبھی عذاب سے بچانے کا باعث بن جاتے ہیں صرف اخلاص کی ضرورت ہے۔

وہ لوگ جو موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کے لئے آئے۔ جب ایمان لے آئے فرعون نے ان کو سزا کے طور پر صلیب لگا دیا۔ قرآن کا فیصلہ ہے کہ ان کو ایمان قبول کرنے کے تھوڑی دیر بعد شہید کر دیا گیا۔ لیکن وہ جنتی ہیں۔ جنگ بدر میں ایک اعرابی (گاؤں کا سادہ مسلمان) حاضر خدمت ہوا۔ جھولی میں کھجوریں پڑی تھیں۔ کھا رہا تھا۔

پوچھا یہ کیا ہو رہا ہے۔ اور اگر میں بھی لڑوں تو مجھے کیا ملے گا؟ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کفر اور اسلام کی جنگ ہے اگر تو سلامت رہا تو مال غنیمت سے تجھے حصہ ملے گا۔ اور اگر شہید ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں جنت پائے گا۔ کھجوریں وہیں چھوڑ دیں۔ عرض کی اگر میں زندہ سلامت لوٹ آیا تو لے لوں گا۔ اللہ کی شان وہ جاتے ہی شہید ہو گیا۔[1] فرمایا گیا۔ عَمِلَ قَلِیلاً وَ اُجِرَ کَثِیراً تھوڑی دیر لڑا۔ لیکن بڑا اجر پا گیا۔ اسی طرح ہم بھی اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید رکھتے ہیں۔ کہ اس تھوڑی سی دیر بیٹھنے سے وہ ہمارے گناہوں کو معاف فرما دیں گے۔

اللہ تعالیٰ صحیح سمجھ کی توفیق عطا فرمائیں۔ سورہ بقرہ کی پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے متقین، پرہیزگاروں کی علامات۔ زندگی میں کس عمل پر قائم رہنے پھر ان کے اُخروی نتیجہ کو بیان فرمایا۔ آج کی آیاتِ گرامیہ میں اللہ تعالیٰ نے دو اور قسمیں، بیان فرمائیں قرآن میں جہاں تک مجھے اپنے بزرگوں نے بتایا" چار قسموں کے انسانوں کا ذکر آتا ہے۔

پکے مسلمان۔ جنہوں نے زبان سے اقرار کیا۔ دل سے بھی مانا۔ اور زندگی بھی اسی کے مطابق گزاری۔ یعنی اس پر ساری زندگی عمل بھی کیا۔ ان کو قرآن مے متقین صالحین مومنین۔ محسنین وغیرہا الفاظ سے تعبیر فرمایا۔

دوسری قسم کفار ہیں۔ جنہوں نے زبان سے اسلام کو ماننے سے انکار کیا۔ جن کے دل میں بھی خدا تعالےٰ کے متعلق یقین نہیں۔ توجہ نہیں دیتے اگر دیتے ہیں تو کفر کی نیت سے اور عمل بھی اسلام کے خلاف ہے ایسے لوگوں کو قرآن کریم،

---

[1] کتب الحدیث

نے کا فر کہا۔

تیسری قسم ان لوگوں کی ہے۔ جنہوں نے زبان سے تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور ضروریات دین کا اقرار کیا۔ لیکن دل سے قبول نہ کیا۔ ان کو منافق اعتقادی کہتے ہیں۔ ان کے لئے بخشش نہیں بلکہ سخت عذاب ہے۔ پانچویں پارے میں ہے۔

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ[1]

بے شک منافق، جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔ قرآن کریم میں زیادہ بحث ان ہی منافقین کی آئی ہے۔ چنانچہ سورہ منافقون میں انشاءاللہ ان کی پوری بحث آجائیگی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی نشانیاں۔ ان کا کردار اور پھر ان کا نتیجہ اور انجام مفصل طور پہ وہاں بیان فرمایا۔

چوتھی قسم کے وہ لوگ ہیں کہ زبان سے بھی اللہ تعالےٰ کی وحدانیت، جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور ضرورت دین کو مانا اور دل سے بھی قبول کیا۔ عملی طور پہ غلطی کے مرتکب ہوئے ان کو اصطلاح میں فاسق کہا جاتا ہے۔

چونکہ یہ ابتدائی آیات ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ پہلی آیات میں جو کچھ پڑھا جائے اللہ تعالےٰ طاقت نصیب فرمائے۔ اور سمجھ عطا فرمائے۔ کہ آئندہ آنے والی آیات آپ خود سمجھ سکیں۔ خداوند تعالیٰ چاہیں تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔ لیکن عالم اسباب میں یہ بات مشکل سی معلوم ہوتی ہے۔ کہ اتنی لمبی زندگی میری اور آپ کی ہوگی کہ ہم اس طرح پورا قرآن مجید درس کے طور پہ پڑھ سکیں۔ اس لئے میں کوشش کروں گا۔ کہ کچھ آیات سورہ آل عمران اور کچھ نساء اور مختلف سورتوں کی تفسیر کے ساتھ کچھ

---

[1] النساء ۱۴۵

عرض کرتا رہوں تاکہ ان کی برکت سے آپ پوری سورت کا مضمون سمجھ لیں۔
پہلی آیات میں متقین کا ذکر تھا۔ ان کی پہلی علامت یہ ہے کہ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کہ اپنے علم کی بنا پر کسی بات کی تحقیق، ریسرچ سے۔ اس کی کھوج نہیں لگاتے۔ بلکہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا۔ اس پر ان کا ایمان ہے عقیدہ کی جتنی باتیں ہیں۔ ان کو مانا۔ عمل ان کے مطابق کیا۔ نتیجۃً زندگی میں، اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ اور آخرت میں اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ آج کی آیات میں متقین کے مقابل ان لوگوں کا ذکر ہے۔ جو زبان اور دل سے اور عمل سے بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے منکر ہوئے
اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بے شک وہ لوگ جو کافر ہو چکے ہیں۔ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ ان کو آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے۔ یعنی وہ لوگ جو پہلے ہی دل سے فیصلہ کر چکے ہیں۔ کہ ایمان نہیں لائیں گے۔ آپ اُن کو ہزار ہا دلائل دیں۔ وہ نہیں مانیں گے۔ بلکہ وہ تو یہ کہنے لگے۔
قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۙ ہم ہرگز نہیں مانیں گے۔ حتّٰی کہ آپ ہمارے لئے زمین سے پانی کا کوئی چشمہ جاری کر دیں۔ وَ لَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ آپ آسمان پر چڑھ جائیں تب بھی ہم یقین نہیں لائیں گے۔ ہاں ایک بات مان لیں گے۔
حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ[1] ط جب آپ ہمارے

[1] (اسراء ۹۳)

ایسی لکھی ہوئی کتاب لے آئیں۔ جسے ہم بھی پڑھ سکیں۔ یعنی سرکلر جاری کر
ہر ایک کے نام علیحدہ نوٹس بھیج دیں۔ تو پھر ہو سکتا ہے۔ کہ ہم ایمان لے آئیں۔
تعالےٰ فرماتے ہیں۔ اگر ایسا بھی کر دیا جائے۔ تو بھی یہ ایمان نہ لائیں گے۔ انھوں
ایمان نہ لانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ وہ قطعی منکر ہو گئے ہیں۔ ان کا عقیدہ ان کا عمل
ان کا قول سب خلاف اسلام ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بے شک وہ
جو منکر ہو چکے ہیں۔ کَفَرُوْا ماضی کا صیغہ ہے۔ کفر پہ ڈٹ گئے ہیں۔
سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ برابر ہے ان پر ءَ اَنْذَرْتَهُمْ آیا آپ ان کو
میرے عذاب سے اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ یا آپ نہ ڈرائیں ان
لَا یُؤْمِنُوْنَ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اس آیتِ کریمہ میں دو تین
پائی جاتی ہیں۔
۱۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بے شک وہ لوگ جو منکر ہو چکے ہیں۔
تو بزرگو اور دوستو! کفر کے چند وجوہ ہیں۔ انسان اللہ تعالیٰ کا کیوں منکر
ہوتا ہے؟ رب العالمین سے کیوں رشتہ توڑ لیتا ہے اس کے قرآن نے کئی وجوہ بیان فرمائے
پہلے پارے میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نمرود کیوں میری ذات کا منکر ہوا۔
اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ
اَنْ اٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ (بقرہ ۲۵۸) میں نے نمرود کو حکومت
تو وہ خود رب بن بیٹھا۔ یہاں مال وجہ کفر ہوئی۔ ایک ہے کفر جہالت اور
ہے کفر جحود۔ کفر جہالت تو قابل اصلاح ہے۔ لیکن کفر جحود سمجھنے کے بعد
کر دینا۔ حق جانتے ہوئے نہ ماننا۔ اس کی اصلاح ناممکن ہے۔ یہاں پر کافر
جحود کے مرتکب ہم کفر جہالت کے مرتکب مان لیتے ہیں جب بات

سمجھ میں آجائے۔ مثلاً ایک آدمی راولپنڈی جانا چاہتا ہے لیکن وہ ناواقف ہے۔ آپ سے آکر پوچھتا ہے۔ بھائی کون سا راستہ راولپنڈی جاتا ہے آپ فرما دیتے ہیں کہ بھائی یہ راستہ جاتا ہے۔ طالب صادق تھا جب معلوم ہوا اس نے قبول کر لیا۔ اور ایک شخص راولپنڈی جانا ہی نہیں چاہتا ہے سڑک پر کھڑا ہے۔ وہ نہیں بلکہ آپ اس سے پوچھتے ہیں۔ بھائی کہاں جانا ہے۔ ہم راستہ بتا دیتے ہیں۔ آپ شفقت سے اس کے بھلے کے لئے پوچھ رہے وہ آپ سے لڑ پڑے گا۔ اپنا کام کرو۔ یا کہے میں آپ کی بات نہیں مانتا آپ کہتے ہیں۔ تو ایسے آدمی کو آپ کیسے سمجھا سکتے ہیں۔ جو طالب صادق ہو۔ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر آئے۔ آپ کا دروازہ آج کھلا ہے۔ ہدایت پا لے گا۔ يَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ہدایت اسے ملتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف جھکے۔ ضمام ابن ثعلبہ کا بخاری شریف میں واقعہ ہے۔ اپنی قوم کا رئیس تھا۔ آپؐ کے پاس آیا۔ آتے ہی چند باتیں پوچھیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ میں بات پوچھنے میں سختی کروں گا کیونکہ میں ابھی مسلمان تو نہیں ہوں۔ تھا تو کافر لیکن سچے دل سے آیا تھا۔ عَلَيَّ اِلَّا تَجِدَ، عَلَيَّ آپ مجھے یہ بات بتائیں اور مجھے یقین دلائیں کہ آپ دل میں ناراض تو نہیں ہوں گے مجھے اس بات کی تسلی دیں۔ چونکہ میں مہمان ہوں۔ عرب تو ویسے ہی بڑے مہمان نواز ہیں۔ اور جناب تو۔ اس لئے یہ ہو سکتا ہے کہ آپ بظاہر ناراضگی کا اظہار نہ فرمائیں۔ لیکن میری اس سختی کی وجہ سے دل میں مجھ سے ناراض ہو جائیں۔ علماء کرام فرماتے ہیں ضمام کو اس ادب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ایمان نصیب فرمایا۔ پہلے ہی اجازت لی کہ میری باتیں قلب منور

شاق تو نہ گزریں گی۔ صنام کی یہ ادا، اللہ تعالٰے کو پسند آگئی۔ آیا تو کافر تھا جب
اٹھا تو رضی اللہ عنہ کی سند لے کر اٹھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میرا تو
کام ہی یہی ہے اس میں ناراضگی کا کیا سوال ہے۔ اس نے پوچھا! کیا آپ اللہ
کی قسم کھا کر مجھے یہ بتا سکتے ہیں۔ کہ اللہ تعالٰے نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا۔ یہ سوال
سخت قسم کا ہے۔ اسی طرح چند اور سوال کئے۔ جب اسے تسلی بخش جواب مل گئے
عرض کی! اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنا ہاتھ آگے بڑھائیں تاکہ میں
آپ سے بیعت کر لوں۔ وہیں کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ یہ کفر جہالت تھا بات
سمجھی نہیں جب بات سمجھ آگئی قبول کر لیا۔ لیکن جہاں کفر جحود تھا۔ جناب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو جہل کو سمجھایا۔ کئی صحابہ کرام کے والدین کو سمجھایا۔ آپ
بہت زیادہ حریص تھے۔ اللہ کی مخلوق کہیں جہنم میں نہ چلی جائے۔ لیکن اللہ تعالٰے
نے فرمایا۔ اے میرے حبیب اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ
وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ آپ کا کام ہے
راستہ دکھانا۔ راہ راست پر لانا میرا کام ہے۔ آپ ان کو راہ راست بتا سکتے
ہیں۔ لیکن راہ راست پر نہیں لا سکتے۔ یہاں پر کفر جحود مراد ہے۔ لیکن وہ کون
ہیں جن کے لئے آپ کا ڈرانا نہ ڈرانا برابر ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب آپ
کا ڈرانا نہ ڈرانا برابر ہے۔ تو پھر تبلیغ کی کیا ضرورت۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ
اللہ تعالٰے نے نشاندھی نہیں فرمائی کہ فلاں فلاں ایسے ہیں۔ دوسری بات یہ
ہے کہ ہمارے علم الکلام اور علم عقائد کا مسئلہ ہے۔ اِنَّمَا الْاِعْتِبَارُ
بِالْخَوَاتِيْمِ اعتبار خاتمہ پر ہے۔ اگر خاتمہ ایمان پر ہو گیا۔ تو جنت اور

القصص ۵۶

اگر خاتمہ کفر پہ ہوا۔ تو نتیجہ جہنم۔ جنہوں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ ہم اسلام قبول نہ
کریں گے۔ ایسے لوگوں کی حرکتوں سے آپ دل برداشتہ نہ ہوں۔ اعتبار خاتمہ کا
ہے اور یہ بات میرے علم میں ہے ہو سکتا ہے کہ ایک آدمی بظاہر ساری عمر
اسلام کے خلاف گزارے۔ آخر اسے ایمان نصیب ہو جائے۔ اس لیے

وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ

اے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے دین کی بات پہنچاتے رہا کریں۔
کوئی خریدار پیدا ہو ہی جائے گا۔ دیکھیے ایسا کوئی تاجر ہے جو پہلے ہی
گھر سے بازار سے پوچھ جائے۔ کہ بھائی فلاں چیز بیچنے آؤں گا۔ آپ میں سے
لوگ خریدار ہوں گے جو پہلے آکر پوچھتا رہے۔ لوگ اسے بے وقوف کہیں گے
تاجر کا کام ہے سودا، مال لے کر گلی گلی پھرنا۔ اور آواز لگانا۔ ایک دو آدمی
پیدا ہو ہی جائیں گے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی لینے والا نہ نکلے۔ اس
دنیا میں کثیر تعداد میں انبیاء کرام تشریف لائے۔ جنہوں نے اپنے اپنے وقت میں
دین کی آواز بلند فرمایا۔ کسی نے قبول کیا کسی نے نہ کیا۔ چنانچہ قیامت کے دن اللہ
تعالیٰ کے حضور ایسے نبی علیہ السلام بھی پیش ہوں گے کہ جنہوں نے ساری زندگی
کو اللہ کی طرف بلانے میں گزار دی۔ مگر صرف ایک ہی آدمی ایمان لایا۔ اور
آپ نے بعض ایسے نبی بھی پیش ہوں گے کہ جنہوں نے خدا کا پیغام لوگوں تک
پہنچانے میں اپنی عمریں صرف کر دیں مگر ان پر کوئی ایمان نہ لایا۔ آج ہم کہتے ہیں
سے مراد ہم مولوی لوگ! کہ کسے سنائیں؟ کوئی سنتا ہی نہیں۔ یار اس زمانے

۱۔ سورۃ الذاریات ۵۵۔ ۲۔ بخاری و مسلم

کون سنتا ہے ۔ اے اللہ کے بندو۔ خدا کے نبی کافروں میں آگئے تھے یا مسلمانوں میں؟

انبیاء کرام کو تو کفر کے گڑھ میں بھیجا گیا۔ وہاں جاکر انہوں نے نورِ حق کی شمع روشن کی۔ اولیاء اللہ علماء ربِ حق نے تو دارالکفر میں کام کرکے دکھایا۔ الحمد للہ۔ ہم تو سب مسلمان ہی ہیں حضرت خواجہ غریب النواز رحمۃ اللہ علیہ اجمیر تشریف لائے۔ جہاں کا ظالم راجہ رائے پتھورا تھا۔ جو کہ ہندو تھا۔ حضرت کفرستان میں، کفر کے گھر میں تشریف لائے۔ وہاں کا یہ حال تھا۔ کہ خداوند تعالیٰ کو ماننے والا ایک فرد بھی نہ تھا۔ لیکن جب دنیا سے تشریف لے جانے لگے۔ تو نوے ہزار ہندو کلمہ اسلام پڑھ چکے تھے۔ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ جب لاہور تشریف لائے تو کیا پہلے سے آپ کے معتقدین وہاں موجود تھے؟ نہیں انگریز دہلی سے آپ کو ہتھکڑی لگا کر لایا اور شیرانوالہ کے باہر احاطہ میں نظر بند کر دیا۔ پوچھنے والا کوئی نہ تھا۔ لیکن جب سفر آخرت کیا۔ آہا۔ کیا شان ہے اللہ والوں کی۔ بھائی ہم دین کو اور دین کی حقیقت کو سمجھے نہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ تقریباً دو لاکھ انسانوں نے پڑھا۔ اسے کہتے ہیں تبلیغ۔ لوگوں کے سامنے دین پیش کرنا اس کا نام ہے۔ وہاں تو سراسر اخلاص تھا۔ بیان کرنے والے میں اخلاص پایا جائے۔ تو ماننے والے پیدا ہو ہی جاتے ہیں۔ یہ نہیں کہ پہلے مُرید بن جائیں تو پھر میں جاؤں گا۔ اللہ کے بندے اللہ کے نام کی منادی کرتا رہ۔ کوئی نہ کوئی سننے والا پیدا ہو جائے گا۔ ورنہ تجھے اجر مل ہی جائے گا۔ دیکھئے میں الحمد للہ آپ کے سامنے دین کی باتیں کر رہا ہوں۔ آپ سب نیک آدمی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اس نیکی میں مزید ترقی عطا

فرمائے۔ آپ خدانخواستہ میری کوئی بات نہ مانیں تو بھائی میرا تو اعادہ ہو جائے گا۔ یہ آپ لوگوں کی برکت اور محنت کا اثر ہے کہ مجھ جیسا گنہ گار بھی اس محفل میں حاضر ہو جاتا ہے۔ اگر آپ درس کا اہتمام نہ کرتے تو نا معلوم میں یہ وقت کس کام میں گزار دیتا۔ اس لئے فرمایا تو نصیحت کرتا رہ پس بے شک نصیحت مومنوں کو نفع دے جائے گی۔ اس لئے قرآن نے فرمایا۔ آپ اپنی تبلیغ جاری رکھیں۔ آپ کو یہ معلوم نہیں کہ کس کا خاتمہ کفر پر ہو گا۔ یہ بات اللہ تعالےٰ کے علم میں ہے۔ ہم فیصلہ نہیں کر سکتے کہ آیا یہ جو کافر ہے اس کا خاتمہ کفر پر ہی ہو گا۔ یا یہ جو مسلمان ہے اس کا خاتمہ ایمان پر ہو گا۔ کسی شخص کی ظاہری علامات کو دیکھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ فلاں کافر ہے۔ اس طرح ظاہری اعمال سے کسی کو مومن مسلمان کہہ سکتے ہیں۔ لیکن حتمی فیصلہ قطعی یقین کے ساتھ کہ جنتی ہے یا دوزخی، یہ تو اللہ تعالےٰ ہی جانتے ہیں۔ اس لئے جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں کو اسلام کی دعوت دی۔ آپؐ تو معالج تھے۔ دین کے داعی تھے اور یہی چیز آپ نے امت کو بھی دی۔ فرمایا۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ؎

اے مسلمان تو عالم کی ہدایت کے لئے پیدا کیا گیا۔ لیکن افسوس کہ مسلمان یہ کام چھوڑ بیٹھا۔ کہتے ہیں۔ پاکستان میں عیسائی بڑھ رہے ہیں۔ اچھا یہ کس کی ذمہ داری ہے کہ اس سیلاب کو روکے۔ یہ حکومت کی ذمہ داری ہے۔ جی ہاں حکومت کی ذمہ داری بھی ہے۔ لیکن وہ تو اپنی جگہ اس کے جواب دہ ہوں گے ہم نے کتنے مسلمانوں کو عیسائی بننے سے روکا۔ یا کتنے عیسائیوں کو مسلمان کیا۔ ہم تو اپنے مسلمان بھائیوں

؎ سورہ آل عمران ع۱۱

پر کفر کے فتوے جڑ رہے ہیں۔ ہمارے ہاں وہ لوگ بھی آباد ہیں جن کو آپ اور ہم اچھوت کہتے ہیں۔ قرآن تو فرماتا ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ¹ ہم نے

انسان کو بڑے بہتر قالب میں بنایا۔ کیا ہم اچھوتوں میں تبلیغ اسلام نہیں کر سکتے لیکن کیا کیا جائے۔ کہ ہم میں وہ جذبہ ہی نہیں کہ ہم کسی گم کردہ راہ کو راہ راست پر لائیں۔ ہم کسی اور نظریے سے دیکھتے ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نظریہ کچھ اور تھا۔ ہم اپنوں میں دین بیان نہیں کرتے ذرا سی بات پر انہیں اسلام کے دائرے سے خارج کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ملانے کا حکم دیا۔ ہم کاٹتے ہیں۔

تو برائے وصل کردن آمدی

نے برائے فصل کردن آمدی

کسی کافر کے آخری وقت تک ایمان سے ناامید نہ ہونا چاہیئے۔ بخاری میں ہے کہ آپ آخری وقت تک اپنے چچا ابوطالب کے پاس بیٹھے رہے۔ اور انہیں تبلیغ کرتے رہے کہ شاید مان جائیں۔ بستر مرگ پر پڑے ہوئے تھے ابھی آپ ناامید نہیں ہوئے بلکہ مسلم کی روایت ہے۔ کہ آپ نے یہاں تک فرمایا اے میرے چچا کچھ کلمات تو کہہ دو کہ کل قیامت کے دن میں اپنے رب کے ساتھ آپ کے بارے میں جھگڑا کر سکوں۔ آپ آخری وقت تک ناامید نہ تھے اس لئے فرمایا کہ جو لوگ آپ کو نہیں مانتے ان کا کفر اسلام میں جانتا ہوں۔ آپ تبلیغ کرتے رہیں۔ آپ اپنا کام سرانجام دیں۔ ہدایت بتانا آپ کا کام اور ہدایت دینا۔ ہدایت پہ چلانا میرا کام ہے۔

---

¹ والتین

یہ کام ہیں۔ یہ فرائض ہیں انبیاء کرام شہداء۔ علماء اور صلحاء کے جیسے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب بیت اللہ تیار کر چکے۔ تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔

وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ۝ الحج

اے ابراہیمؑ اعلان کر دے۔ اے لوگو! کعبہ شریف تیار ہو چکا ہے۔ آؤ اور اللہ کے گھر کا طواف کرو۔ لیکن کس کو آواز دیں۔ وہاں تو انسان کی ذات بھی نہیں۔ جہاں بیت اللہ ہے۔ اس جگہ کو اللہ تعالےٰ نے بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ فرمایا جہاں اب مکہ شریف آباد ہے۔ وہاں اس وقت ایک گھر بھی نہ تھا۔ کس کو آواز دیں۔ لاکھوں سلام ہوں حضرت ابراہیمؑ پر اور آپ کی آل پر۔ اللہ جو حکم فرماتے ہیں پھر اسباب کو دیکھنا نہیں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی اے اللہ! میں تو مطیع ہوں۔ کیونکہ میں نے پہلے کہہ دیا تھا۔ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (بقرۃ ۱۳۱)
لیکن یا اللہ میں کس کو اعلان کروں۔ سامنے کوئی نہیں۔ ایک میں ہوں اور ایک میرا چھوٹا سا بچہ ہے۔ فرمایا ابراہیم "آواز دینا تیرا کام لوگوں کی روحوں تک پہنچانا میرا کام" چنانچہ جس جس کی روح نے لبیک اس وقت کہی وہ ضرور جائے گا جو ہمارے دوست جا چکے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان کو حج مبرور نصیب فرمائے اور خیریت سے ان کو اپنے بال بچوں میں لوٹائے۔ اور اللہ تعالےٰ مجھے اور آپ کو بھی زیارت حرمین نصیب فرمائے۔ آمین۔

لے ابراہیم ۳۷

میں عرض یہ کر رہا تھا۔ کہ آپ کو اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ کہ آپ اپنا کام جاری رکھیں۔ ان آیات میں آپ کو تسلی دی گئی کہ بے شک وہ لوگ جو انکار کر چکے۔ انکار پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ ان پر برابر ہے آیا آپ ان کو ڈرائیں میرے عذاب سے یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اس لئے آپ ان کے ایمان نہ لانے سے دل برداشتہ نہ ہوں۔ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ختم کہتے ہیں مہر کر (سلحصۃ) کو ایک مضمون کو ختم کر دینے کے بعد۔ یا کوئی افسر کوئی آرڈر کرتا ہے۔ یا کوئی نوٹس جب دیا جاتا ہے یا جب کوئی حاکم فیصلہ کرتا ہے۔ یا مفتی علماً جب فتویٰ لکھتے ہیں تو نیچے مہر لگا دیتے ہیں۔ ایک یہ مہر ہے اور خاتم اسی مہر کے ضمن میں آتی ہے :

وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ[1] نبوت کی فہرست ختم ہو چکی ہے۔ اب آخر میں آپ کی مہر لگ چکی ہے۔ دوسرے معنی ختم کے ہیں کسی چیز کا منہ بند کر دینا هُمْ کا مرجع ہے : وہ لوگ جو کفر پہ ڈٹے ہوئے ہیں۔ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مہر کر دی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر وَعَلٰى سَمْعِهِمْ اور ان کے کانوں پر وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ اور ان کی آنکھوں پر ایک خاص قسم کا پردہ ہے یہ تنوین تنوع کے لئے ہے۔

یہ آیت بھی ان معرکۃ الآراء آیات میں سے ہے جو لوگوں میں محل غور و فکر ہیں۔ ایک تو یہ کہ جب آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا ان کے لئے برابر ہے تو پھر تبلیغ کی کیا ضرورت ہے۔ ؟ اس کا جواب تو میں عرض کر چکا۔ دوسرا یہ سوال اکثر

---

[1] احزاب ۴۰

لوگ کرتے ہیں۔ کہ جب اللہ تعالٰے نے مہر کر دی تو پھر ان کے قبول نہ کرنے میں ان کا کیا گناہ ہے؟ خَتَمَ اللّٰہُ مہر کر دی اللہ تعالٰے نے، کب؟ انہوں نے انکار پہلے کیا۔ مہر بعد میں لگی۔ وہ منکر ہو گئے حضرت آدمؑ سے لے کر جناب محمد رسول اللہ تک انبیاء کرام کے خداوند تعالٰے نے اپنی کتاب نازل فرمائی۔ علماء بھیجے، صلحاء بھیجے، سچ۔ پھر عقل و شعور سمجھ و دانش عطا فرمائی لیکن یہ ہر بات پر اڑے رہے جب یہ نہیں آتے تو مجھے کیا ضرورت ہے۔ میں نے مہر کر دی تاکہ آئندہ کے لئے راستہ ہی بند ہو جائے آہی نہ سکیں۔ کفر پہلے ہے مہر بعد میں دوسری جگہ فرمایا

بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ مہر کر دی اللہ تعالٰی نے ان کے دلوں پر ان کے کفر کی وجہ سے۔ مثلاً آپ ایک آدمی کو اپنی خوشی سے انعام دیتے ہیں نہیں لیتا۔ آپ زبردستی اس کی جیب میں ڈال دیتے ہیں۔ وہ نکال کر پھینک دیتا ہے۔ پھر اٹھا کر دیتے ہیں۔ نہیں لیتا۔ آپ سمجھاتے ہیں کہ تیرے کام کی چیز ہے۔ اس میں تیرا ہی فائدہ ہے۔ وہ نہیں لیتا۔ آپ تنگ آکر کہیں گے بھائی میں نے اتنی اس کی منت سماجت کی اور اس کا یہ حال ہے۔ آپ قسم اٹھا کر کہہ جائیں گے کہ اب تجھے کبھی نہیں دوں گا۔ اللہ تعالٰے نے عقل و شعور دیا اپنی معرفت کے لئے۔ اب اگر بندہ بجائے اللہ تعالٰی کو پہچاننے کے اللہ کا مخالف بن جائے۔ ان کے دل۔ ان کے کان پہلے ہی سے منکر ہو چکے ہیں میری ہدایت کو قبول کرنے سے ان کے دل نیک بات کو قبول نہ کرہ نہیں کرتے۔ قرآن مجید میں دوسری جگہ اس کی تفصیل ہے

گیارہویں پارے میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور فرعونیوں کو دعوت دی۔ تو انہوں نے جھٹلا دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بددعا فرمائی۔

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰى یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ

اے اللہ ان کے مالوں کو برباد کر۔ اور ان کے دلوں کو سخت کر دے اور ان کو ایمان کی دولت نصیب نہ کر۔ جب تک یہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں

قَالَ قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فرمایا تم دونوں کی دعا قبول ہو چکی فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کا پیچھا مقابلہ کیا۔ پھر تعاقب کیا۔ جب فرعون اور فرعونی دریا کے درمیان میں پہنچے اور ڈوبنے لگے۔ ڈوبتے وقت جب فرعون نے آنکھوں سے عذاب الیم کا مشاہدہ کیا تو اس وقت کہنے لگا۔

اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ کہا ایمان لایا میں کہ کوئی معبود نہیں مگر جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ فرمایا

آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ

اب جبکہ زیست سے ناامید ہو گیا ہے۔ اب ایمان لاتا ہے۔ اِیْمَانُ الْیَاسِ اب تیرا ایمان قابل قبول نہیں۔ جب تجھے اقتدار حاصل تھا تو پہلے سے کبھی نہ سمجھا۔ اب تو تو مجبور ہے۔ غرغرہ کا مفہوم یہ ہے کہ فرمائی پہلے مرحلہ اور پھر بعد میں لگی۔ اس کی تفصیل جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمائی

لہ مشکوٰۃ

کہ جب کوئی انسان ایک گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ بیٹھ جاتا ہے۔ دل شفاف آئینہ ہے پھر جب انسان نافرمانی کرتا ہے۔ تو اس کے دل پر نقطہ سودا بیٹھ جاتا ہے۔ اگر بندہ نے توبہ کی سچے دل سے تو وہ نقطۂ سودا سیاہ نقطہ دھل جاتا ہے۔ اگر توبہ نہ کی تو جب دوسرا گناہ کرے گا۔ تو ایک اور نقطہ پڑ جائے گا۔ اور جب تیسرا گناہ کیا تو تیسرا نقطہ اس کے دل پر بیٹھ جائے گا یہاں تک کہ دل کا شفاف آئینہ انسان کا سیاہ ہو جاتا ہے کہ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ کا مصداق بن جاتا ہے۔ اس لئے میرے بزرگو اور بھائیو! جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ توبہ کرنے میں دیر مت کرو۔ ڈھیل نہ لگاؤ۔ جب کوئی گناہ سرزد ہو جائے۔ فوراً رب العالمین سے معافی مانگو۔ نیک بندوں کی نشانی یہ ہے کہ۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ بے شک وہ لوگ جو اللہ سے ڈرتے ہیں جب شیطان ان کو کوئی چٹکی لگا گیا۔ شیطان کا جھونکا لگ گیا تَذَكَّرُوْا فوراً چونک پڑتے ہیں۔ یہ کیا ہو گیا۔ فوراً اللہ کی یاد میں لگ جاتے ہیں۔ لاحول ولاقوۃ۔۔ استغفر اللہ پڑھتے ہیں۔ وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا اور اپنے کئے پر اڑے نہیں رہتے بلکہ فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ فوراً سنبھل جاتے ہیں۔ اپنے آپ کو سنبھال لیتے ہیں۔ ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ جس طرح دوستو! ہم بازار میں جا رہے ہوں

لہ الاعراف ۲۰۱ ، لہ آل عمران ۱۳۵

ٹھوکریں ہوں۔ کہیں کیلے کے چھلکے پر سے پھسل جائیں تو کیا وہاں ہی لیٹ جاتے ہیں یا سنبھل جاتے ہیں؟ فوراً چونک جاتے ہیں پہلے سے زیادہ ہوشیار ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اللہ کے نیک بندے جب انہیں شیطان کا کوئی جھونکا لگ جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مجھے یاد کیا سنبھل گیا۔ فوراً اللہ تعالیٰ سے گناہ معاف کرایا نہ کیے پر ڈٹے نہیں۔ غلطی گناہ تو سب سے ہوں گے سوائے انبیاء کرام کے کوئی تھوڑے گناہ کا مرتکب ہے کوئی زیادہ کا۔ کوئی بندوں کے حقوق ضائع کر رہا ہے۔ اور کوئی حقوق اللہ کو صحیح طور پر ادا نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بچائے اپنی نافرمانی سے اور ہمارے گناہ معاف فرمائے۔ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ

گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ اس لئے ختم کا مفہوم ہے۔ کہ گناہ کرتے کرتے اس کا دل ایسا سیاہ ہو جاتا ہے کہ پھر ہدایت کی طرف نہیں آتا۔ مثلاً ہم میں سے کسی آدمی نے ایک نماز چھوڑ دی۔ سنبھل گیا تو بہتر ورنہ شیطان اپنا جال پھیلائے گا۔ اور اس کے کانوں میں اس کی گمراہی کی باتیں پھونکتا رہے گا۔ کہ چلو جمعہ کی نماز پڑھ لیں گے اب دیکھا اس سے روزانہ کی پانچ نمازیں چھڑوا کے جمعہ پر لے آیا۔ اب کی بار جمعہ پر کسی پارٹی میں چلا گیا یا کسی فنکشن آ گیا یا طبیعت ناساز ہو گئی۔ جمعہ بھی رہ گیا۔ دیکھا اب دن بدن پیچھے لے جا رہا ہے۔ یہاں تک۔ کہ چلو عید پر پڑھ لیں گے کرتے کرتے اسے پورا گمراہ کر دے گا۔

اور ایک وہ بھائی ہے کہ اگر ایک نماز رہ گئی۔ فوراً محسوس کیا۔ اور ساتھ ہی طبیعت ناساز ہو گئی۔ طبیعت پر بوجھ پڑا۔ فوراً رجوع الی اللہ کیا۔ یہ تو

---

[1] مشکوٰۃ

کامیابی کی نشانی ہے۔

امام سیوطی رحمتہ اللہ علیہ جو نویں صدی ہجری کے مجدد گزرے ہیں بہت بڑے امام وقت تھے۔ آپ نے کافی تصانیف فرمائیں۔ تفسیر جلالین، درمنثور، تفسیر اتقان وغیرہا۔ آپ کی ایک دفعہ تہجد کی نماز رہ گئی۔ حضرت الرشاد رحمتہ اللہ علیہ نے انوار الباری میں اس کا ذکر کیا ہے۔ کہ آپ کو بخار ہو گیا۔ وہ اتنا مانوس ہو چکا تھا۔ اللہ کی عبادت سے کہ قطعاً سو دا نہ بیٹھ سکا۔ نماز کے جانے سے بدن پر اثر ہو گیا۔ اس پچھلے دور کے ہمارے اکابر رحمتہ اللہ علیہ کا یہی حال تھا۔ ہم سب بزرگوں کا ادب اور احترام کرتے ہیں ہمارے نزدیک سب اللہ کے نیک بندے ہیں۔ خواہ وہ کسی سلسلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن جن بزرگوں کو ہم نے دیکھا۔ جن سے ہمیں فائدہ ہوا۔ ہمارا فرض ہے کہ تحدیث نعمت کے طور پر ان کا ذکر کریں۔ ویسے ہمارے نزدیک سب بزرگ ہستیاں قابل احترام ہیں۔ پچھلے دور کی تین ہستیاں بہت اونچے درجے کی گزری ہیں حضرت شیخ الاسلام حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز۔ مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت امام الاولیاء لاہوری رحمتہ اللہ علیہ۔ یہ اس دور کے چوٹی کے انسان تھے۔ ان کی قدر نہ اس وقت ہوئی تھی اور نہ اب ہے اور نہ آئندہ ہو گی۔ سو سال کے بعد ان کی دید کے لئے ترسیں گے۔ افسوس کریں گے۔ میں ان دنوں حضرت رائے پوری کی سوانح حیات پڑھ رہا ہوں۔ بھائی محمد اکرم صاحب مرحوم نے عطا فرمائی تھی۔ اس میں ایک واقعہ میں نے پڑھا ہے۔ آپ بھی سن لیں۔ حضرت رائے پوری چودہ سال تک حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے زیر نظر رہے۔ کسی تقاضے کو پورا نہ کیا۔ نہ ہی کھانے کی پرواہ کی چودہ سال کا عرصہ

تکمیل میں گزار دیا۔ شیخ کی خدمت کی۔ دل پر نقطہ سودا نہ آنے دیا۔ نیک بندوں کے دلوں پر ذرا سی بدبو گزر جائے تو سارا سارا دن پریشانی میں اور ذکر اللہ میں گزارتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو علمائے حق کی صحبت نصیب فرمائے۔ اللہ والے سب سے پہلے دل کو صاف کرنے کا طریقہ بتلاتے ہیں۔ چونکہ دل برتن ہے اسے اللہ کے ذکر کے ساتھ آباد کرو تو شیطان نہیں آسکتا۔ اسی لیے لطیفہ قلبی بتاتے ہیں۔ یہ سلطان الاذکار ہے۔ علم کے لئے دو راستے ہیں۔ اور تیسری چیز مرکز ہے۔ سمع اور بصر دو راستے ہیں۔ کھلی چیز آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ تو پھر دماغ میں آتی ہے۔ کانوں سے سنتے ہیں۔ تو دل تک پہنچتی ہے۔ ان کے کفر کی وجہ سے ان کے ہدایت کے دروازے بند ہو چکے ہیں۔ ان کے بند ہونے سے اب بات دل تک پہنچتی نہیں۔ اس لئے دل کو ہدایت سے خالی پا کر شیطان بسیرا کر لیتا ہے۔ اور زیادہ گمراہی کی طرف لے جاتا ہے۔ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ یہ قابل اصلاح نہیں ہیں۔ انہوں نے پہلے کفر کیا۔ تو پھر اللہ تعالیٰ نے اوپر سے مہر لگا دی

کانوں سے اللہ کے دین کی بات کو نہیں سنتے ــــ جَعَلُوْا اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ حضرت نوح علیہ السلام کئی سو سال تک قوم کو ہدایت کی طرف بلاتے رہے فرمایا اِنِّىْ دَعَوْتُ قَوْمِىْ لَيْلًا وَّنَهَارًا اے اللہ میں نے رات کو اور دن کو ان کو دعوت دی۔ مگر یہ مجھ سے بھاگتے ہی رہے۔ وَاِنِّىْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ اے اللہ جب بھی میں ان کو بلاتا۔ یہ کانوں

لے سورہ نوح علیہ السلام

میں انگلیاں ٹھونس لیتے۔ تاکہ نبی علیہ السلام کی بات سنائی ہی نہ دے

آج بھی ایسے کئی کم نصیب ہیں جو سب باتیں سنتے ہیں۔ لیکن دین کی بات نہیں سنتے بلکہ پسند ہی نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت عطا فرمائے۔ ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی۔ اور ان کی آنکھوں پر ایک خاص قسم کا پردہ ہے۔ ان آنکھوں سے ناول پڑھ لیں گے۔ قرآن نہ پڑھیں گے۔ انہیں سینما نظر آجاتا ہے مسجد نظر نہیں آتی۔ ریڈیو سن لیتے ہیں۔ اذان نہیں سن سکتے۔ ہم بڑے پرخطر دور سے گزر رہے ہیں میرے بزرگو! اپنے گھروں کو اس ریڈیو سے پاک کرو۔ اپنے ہاتھوں اپنے اہل وعیال کو کیوں غرق کرتے ہو۔ قرآن کا ارشاد ہے

قُوٓا اَنۡفُسَکُمۡ وَ اَھۡلِیۡکُمۡ نَارًا[1] اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو جہنم کے عذاب سے بچاؤ۔ ریڈیو رکھنے سے گھر میں گمراہی آ ہی جاتی ہے سینما اور ریڈیو ہمارے معاشرے کی تباہی کا باعث ہیں۔ آج اگر سینما اور ریڈیو سے محفوظ رہیں تو ۵۰ فیصد ہمارے معاشرے کی اصلاح ہو سکتی ہے جہاں ریڈیو پہنچا حیا نکل گیا۔ کیا کیا جائے ہم تو ریڈیو میں کھو گئے۔ ارے خدا کے بندے خود اپنے خدا سے باتیں کر قرآن کا حکم ہے۔

لَّا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الۡمُطَہَّرُوۡنَ[2] ؕ اللہ تعالیٰ سب کو سمجھ کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمارے بھائی ریڈیو سے کس طرح قرآن سنتے ہیں۔ رضائی اوڑھے بیٹھے ہوتے ہیں۔ ابھی ابھی داڑھی صفا کی، ابھی صابن لگا ہوا ہے۔ منہ سے سگریٹ کے کش لگا رہے ہیں اور ادھر قرآن پڑھا جا رہا ہے۔ ادھر صاحب سن رہے ہیں یہ کوئی طریقہ ہے یا یہ ادب ہو رہا ہے۔ کلام مجید کا۔ قرآن سننے بیٹھیں

---

[1] التحریم ۶۔ [2] الواقعہ ۷۹

لگے کھڑے ہو جائیں۔اس کلام مجید کو عیسائی سنتے تو ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں بہنے لگیں اور قرآن سن کر ایمان لے آتے تھے۔

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَى أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ ط

مگر ہمارا یہ حال کہ ابھی قاری صاحب تلاوت ختم کرتے ہیں۔ مائیکروفون گرم ہی ہوتا ہے۔کہ چلو قاری صاحب آپ کو چھٹی۔ پیچھے کوئی نعت آرا آجاتی ہے۔نعتیں یا اولیاء کا کلام نہیں بلکہ ایسے نحش گانے گائے جاتے ہیں جن کو یہاں دہرانا گناہ ہے۔ جاتے میرے کانوں میں بھی ان کی آواز پڑتی ہے۔میں جب گھر جاتا ہوں ظہر کا وقت قریب ہوتا ہے۔ گلیوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ ہر طرف ٹاں ٹاں کی آواز ہے۔چونکہ بابو صاحب اسی وقت دفتر سے آتے ہیں۔کھانا کھانے بیٹھتے ہیں۔ ان ریڈیو کا گانا سننے کے بغیر ان کو روٹی کا مزا کب آتا ہے۔کھانا ہضم ہی نہیں ہوتا۔پھر خوب دل کی جلن نکالتے ہیں۔خوب اونچا کر کے سنتے ہیں۔ریڈیو کا زور اتنا ہوتا ہے۔کہ اذان سنائی نہیں دیتی۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ کفار مکہ کہتے کہ جب قرآن پڑھا جائے غلغلہ مچا دو۔ تاکہ قرآن کی آواز سنائی نہ دے۔ ریڈیو بھی ان ہی کی ڈیوٹی ادا کرتے ہیں۔ ریڈیو اتنا بلند کرو کہ کوئی اذان نہ سن سکے۔ بچے بچیاں سب سنتے ہیں۔ اب تو مولوی صاحب کے گھروں میں ریڈیو رکھے ہیں۔مولوی صاحب یہ باجہ کس لئے رکھا ہے؟ جی میں لڑکے کو قاری

باسط کی تلاوت سنانا چاہتا ہوں۔ ارے لڑکے کو تلاوت سناتے ہو بیوی کو
سناتے ہو۔ یہ بات چھوڑ دو۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا قرآن
پڑھو۔ نہیں آتا تو کوشش کرو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں
جو قرآن مجید کو روانی تیزی کے ساتھ بآسانی پڑھے۔ اس کو ایک ثواب ملے گا
جو قرآن کو رک رک کر۔ نہ آئے پھر بھی کوشش کرے۔ ہجے کرے۔ جوڑ کر کے
حروف کا بار بار اعادہ کرے۔ نہیں آتا پھر بھی پڑھتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ
کو خدا کا کلام بہت اچھا لگتا ہے۔ ایسے آدمی کو دو اجر ملیں گے۔ ہم خود
نہ اپنے رب کے کلام کو پڑھیں۔ اپنی زبان سے پڑھیں۔ اپنے گھروں کو
کریں۔ حیاتیوں سے پھر دیکھیں۔ بڑی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں گی۔ اور ا
آنکھوں پر ایک خاص قسم کا پردہ ہے۔

[1] وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ
وَالْإِنسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ
أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ
بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ
أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ۔ بہت سے جنوں اور انسانوں میں
ہیں نے جہنم کے لئے پیدا کئے ہیں۔ ان کے بڑے بڑے دل ہیں۔ بڑی مضبوط
باڈیاں جسم ہیں۔ لیکن دل سے دین کی باتوں کو نہیں سوچتے۔ سارا دن کاروبار
کرتے ہیں۔ لیکن قیامت کی بات نہیں سنتے۔ نہیں سوچتے سارا دن کاروبار
کرتے ہیں۔ بھائیو! شاہ فاروق سابق شاہ مصر جس کا کبھی سکہ چلتا تھا۔ جس

[1] اعراف ۱۷۹

ہمارے پر مصر کی حکومت چلتی تھی۔ جھنڈے لہراتے تھے۔ لیکن جب وہ اٹلی میں
مرا۔ قبر کے لیے زمین کوئی نہیں دیتا تھا۔ کیا دولت اس کے کام آئی۔ اللہ تعالیٰ
ان کو بخشے۔ مسلمان بادشاہ تھا۔ میری مراد اس کی توہین نہیں۔ میں عبرت کے لیے عرض
کر رہا ہوں۔ اور اس کے مقابلے میں ایک محمد علی جوہر ہیں۔ انگریزی پڑھے تھے۔ فوت
ہوئے لندن میں اور دفن کیے گئے بیت المقدس میں۔ فرق ہوا یا نہ؟ وَ
عَلٰی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ ایسی نظریں جو حق نہ دیکھ سکیں ایسے
منہ جو حق بات صحیح نہ کہہ سکیں۔ ایسے کان جو حق بات نہ سن سکیں۔ اُولٰٓئِکَ
کَالْاَنْعَامِ یہ مانند چارپایوں کے ہیں۔ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ
بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔ اگر گھوڑے کو ایک چابک مارو ٹھیک چلنے
لگ جاتا ہے ہمارے زمیندار بھائی بھینس اگر دودھ نہ دے تو مار مار
کر اپنے ہاتھ اس پہ ٹھنڈے کرتے ہیں۔ حرام خور چار سیر کھل کھا گئی۔ اور
دودھ نہیں دیتی۔ اور خود انسان زمین کی نعمتیں سب کھا گیا۔ ساٹھ ستر سال اسی
طرح گزار دیئے۔ اب قبر کے دہانے پہ بیٹھا ہے پھر بھی خدا کے سامنے سر
نہیں جھکاتا۔ تو بڑا حرام خور کون ہے۔ وہ بھینس ہوئی یا ہم خود؟
اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْغٰفِلُوْنَ یہ میری حقیقت سے بلکہ اپنی حقیقت
سے بھی بے خبر ہیں۔ کھاتے پیتے دنیا کا سب کاروبار کرتے ہیں۔ لیکن میری
طرف نہیں آتے۔ اس لیے میں نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پہ
مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر ایک خاص قسم کا پردہ ہے۔ جو
دوسروں کو نظر نہیں آتا۔ وَلَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ان
کے لیے بہت بڑا عذاب ہے عذاب کی نوعیت کیسی ہے؟ ایک سزا

بدنی ہوتی ہے۔ جیسے کسی دوسرے کے بدن کو دکھایا اور ایک ہے رُو
سزا دوسرے کے وقار کو ٹھیس پہنچانا کافر کے لئے عذاب عظیم ہے
سمجھتے ہیں۔ کہ دنیا کی سب سے بڑی طاقتیں آرام میں ہیں۔ کوئی تو خدا کا
کوئی حضرت عیسٰی علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتا ہے۔ کوئی عین خدا کہتا ہے
اور کوئی شریک کرتا ہے۔ اور آئے دن جناب رسول اکرم صلی اللہ
وسلم کی توہین کے درپئے آزار ہیں۔ آپ کی گستاخی میں لٹریچر شائع
کرتے ہیں۔ کیا وہ آرام کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ دنیا میں چین سے رہ رہے
اس کے باوجود کہ وہ کافر اور مشرک ہیں اور وہ عیش بھی کر رہے ہیں
نہیں نہیں ہم نہیں سمجھے۔ ان پر تو نیند بھی حرام ہے۔

ہر ایک چاہتا ہے کہ دوسرے کو مٹا دے۔ دوسرے کو تباہ
کر دے۔ اس کو اڑا دیا جائے۔ یہ بھی عذاب عظیم ہے۔ اور عذاب
عظیم کیا ہوتا ہے؟ ہاں آخرت کا عذاب ابھی باقی ہے۔ اللہ کے منکر
سرکش اور باغی ہیں۔ اور جو باقی چھوٹے چھوٹے ممالک ہیں۔ ان کا بھی یہی حال
ہے۔ بھائی جسے خدا اپنے دروازے پر نہ جھکائے کیا اللہ تعالیٰ اس
سے راضی ہوگا۔ جس سے اپنا ذکر نہ کرائے۔ یہ بھی عذاب ہے۔ سارا دن
سارے بازار کا چکر لگاتا ہے نہیں تھکتا۔ لیکن مسجد جانے سے اور خدا کے
سامنے جھکنے سے تھک جاتا ہے۔ اللہ جسے اپنے گھر نہ چھوڑنے دے۔
اپنی کتاب کے قریب نہ پھٹکنے دے۔ یہ بھی عذاب ہے۔

بھائی دیکھئے آپ میں سے کوئی ایسا ہے جس نے آج اخبار نہ پڑھا
ہو۔ بلکہ گلی میں جو جوتی مرمت کر رہا ہے۔ اس کے پاس بھی اخبار ہے

ہے۔ لیکن آپ میں سے کتنے ہیں جنہوں نے صبح اٹھ کر تلاوت کی ہو۔ اپنے رب کے ساتھ ہم کلام ہوا ہو۔
میرے بزرگو! اور دوستو! ہم تعمیر کوہستان نوائے وقت کی طرف تو آئے۔ لیکن قرآن کی طرف نہ آئے۔ معلوم ہوا کہ خدا ان سے اتنا ناراض ہے کہ اسے اپنے کلام کو پڑھنے سے روک دیا۔ اپنے سامنے جھکنے کی توفیق سلب کرلی۔ آج کہتے ہیں فلاں سے خدا بہت راضی ہے۔ اچھا بھائی تجھے کیسے پتہ چلا؟ جناب اس پر دولت برس رہی ہے۔ اتنی کمپنیاں۔ اتنے کنوئیں۔ اتنی کاریں۔ سب بیٹے ملازم ہیں۔ خدا بہت راضی ہے اس سے۔ اچھا بھائی نماز پڑھتا ہے؟ نماز تو اس کو آتی ہی نہیں۔ اچھا بھائی زکوٰۃ دیتا ہے۔ توبہ جی خدا کے نام کی دمڑی نہیں نہیں دیتا۔ اچھا بھائی وہ اتنا مالدار ہے۔ اس نے حج بھی کیا۔ جی نہیں۔ کرے بھائی پھر اس سے خدا راضی ہوا یا ناراض ہوا۔
لہ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ط
اللہ تعالےٰ کے ہاں تو پرہیزگاروں کی قدر ہے۔ وہ ان کے مال قبول کرتا ہے۔ میں ایک دفعہ پھر ترجمہ کر دیتا ہوں۔ ایک گھنٹہ ہو چکا ہے۔
اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بے شک وہ لوگ جو منکر ہو چکے ہیں سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ برابر ہے ان پر ءَاَنْذَرْتَهُمْ آیا آپ ان کو ڈرائیں اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ یا آپ نہ ڈرائیں ان کو لَا يُؤْمِنُوْنَ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

لہ المائدہ ۲۷

خَتَمَ اللّٰهُ مہر کر دی اللہ تعالیٰ نے عَلٰی قُلُوْبِہِمْ
ان کے دلوں پر وَعَلٰی سَمْعِہِمْ اور ان کے کانوں پر
وَعَلٰی اَبْصَارِہِمْ غِشَاوَۃٌ اور ان کی آنکھوں پر ایک
خاص پردہ ہے۔ وَلَہُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ۔ اور ان
کے لئے بہت بڑا عذاب ہے اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو کفر سے
نفاق سے محفوظ رکھے اور اپنے عذاب سے بچائے ۔ آمین

چھٹا درس

منعقدہ ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ مطابق اپریل ۱۹۶۵ء

یہ درسِ مقدس سورہ بقرہ کی مندرجہ ذیل آیات پر مشتمل ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝

اس درس میں مندرجہ ذیل مسائل اور ابحاث کا ذکر ہے۔

۱۔ صحبت کا اثر۔ شرفِ صحبت سب سے بڑا شرف اور صحبت سب سے بڑا معلم ہے۔

۲۔ نمازِ چاشت کا اجر و ثواب اور اس کی اہمیت

۳۔ دورِ نبوت میں نفاق کا لباس غیر مسلموں نے کیوں پہنا۔ اور اس کا تاریخی پس منظر

۴. سلوک اور روحانی تربیت کا اعلیٰ مقام شہود ہے۔
۵۔ بیعت طریقت کا مفہوم۔ مروجہ پیری مریدی پر شرعی تنقید، اصل شئی اتباعِ شریعت ہے۔
۶. شیخ طریقت کا مقام اور نسبت کا اثر۔
۷. نفاق کی قسمیں۔ اب نفاق سے مراد صرف نفاق عملی ہی ہے۔
۸. عملی کمزوری وحدۃ امّت کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتی۔

واللہ الموفق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میرے بھائیو اور بزرگو! یہ اللہ تعالیٰ کا خاص احسان اور بے انتہا فضل و کرم ہے کہ آج پھر ہم قرآن کے سننے اور سنانے کے لئے اکٹھے ہو گئے ہیں مسلمانوں کا ویسے بھی ملنا جلنا باعث اجر و برکت ہے اور پھر دینی طلب اور وہ بھی قرآن کے سننے اور سنانے کے لئے اکٹھا ہونا، مل بیٹھنا، یہ اس رب العالمین کی خاص مہربانی اور نوازش ہے۔ بزرگو اور دوستو! سب سے بڑی چیز جو دنیا میں بھی انقلاب لاتی ہے۔ جو قیامت کی بہتری کا سبب بھی ہے۔ صحبت ہے۔ نیکی کے موضوع پر سوچ بچار۔ نیکی کا سننا اور سنانا ایک عملی انقلاب لاتا ہے اور اگر برائی کے لئے سوچ بچار کی جائے بحث و تنقید کی جائے تو برا اثر پڑے گا۔ اسی کے متعلق فرمایا ہے

صحبت صالح ترا صالح کند　　صحبت طالح ترا طالح کند

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ انسان سارق بالطبع ہے یعنی فطرتاً اثر پذیر ہے خواہ اس کا ارادہ ہو یا نہ ہو نیکی اور بدی بھی اس پر اثر انداز ہوتی ہے آپ کسی نیک آدمی کے پاس بیٹھیں تو نیکی کا اثر لے کر اٹھیں گے۔ اگرچہ آپ کا ارادہ نہ ہو برے آدمی کے پاس بیٹھیں۔ دل و دماغ پر برا اثر لے کر اٹھیں گے۔ طبیعت کا میلان برائی کی طرف ہو گا قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ

وَالْعَشِيِّ (پ ۱۵، سورہ الکہف، آیت ۲۸) صحابہ کرامؓ صحبت کے لئے ہر چیز کو قربان کر دیتے تھے جب کوئی موقع آتا عرض کرتے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی ساتھ ہوں گا؟ شاید میں اس سے پہلے کسی درس میں عرض کر چکا ہوں کہ جب جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کا حکم ہوا آپ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب سے پہلے پوچھا یا حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا میں بھی ساتھ ہوں گا؟ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف مصاحبتؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حاصل کی اور آپ کی صحبت سے صحابی بنے یہ وہ انقلابی قوت ہے جو دل و دماغ میں راسخ ہو کر زندگی کا رخ پھیر دیتی ہے اس لئے مجرم قیامت کے روز افسوس کریں گے۔ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا مجرم جب جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے حسرت سے کہیں گے۔ کاش ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جانے والا راستہ اختیار کرتے يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا (الفرقان ۲۸) یہ تو ہماری بدبختی ہے۔ کاش ہم فلاں کو دوست نہ بناتے۔ فلاں کی صحبت اختیار نہ کرتے۔ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ اسی نے کیا کیا! اسی نے مجھے ذکر سے روک دیا جب ذکر میں دل لگنے لگا۔ بلکہ میرا سہارا اللہ کی طرف! اس کی دوستی نے مجھے رسوا کیا۔ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا۔ تو عرض خدمت میں یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ اسی نے ہم جیسے گنہ گاروں کو قرآن کے سننے اور سنانے کی توفیق عطا فرمائی۔ آج یہ چھٹی کا دن ہے۔ بر ملازم باقی دن تو اپنے کام میں مصروف ہوتا ہے یہ ہی ایک دن ہوتا ہے کہ ہم اپنے ذاتی کاروبار کے لئے وقت نکالتے ہیں کئی کام ہوتے رہتے ہیں کہتے ہیں چلو بھائی اتوار کو چھٹی ہو گی

اس دن کریں گے یا اگر کوئی کام نہ بھی ہو تو چلو ذرا آنکھ بند کریں۔ یا لہو ولعب میں ہی مشغول ہو جائیں لیکن میرے دوستو عذاب ایسے ہی وقت میں آیا۔ پہلی قوموں کی تباہی ایسے وقت ہوئی۔ فرمایا۔ وَهُمْ يَلْعَبُونَ[1] جب کہ وہ کھیل رہے تھے۔ اس وقت کھیل کود میں مشغول یا فراغت ہوتی اور کسی کام میں لگے ہوتے یا آرام کرتے ہیں اس لئے سحری کی نماز کا زیادہ ثواب ہے۔ کیونکہ وہ آرام کا وقت ہوتا ہے۔ فرمایا وہ مجھے بہت اچھے لگتے ہیں جو سحری کو اٹھ کر مجھ سے معافیاں مانگتے ہیں۔ میرے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ اولوا الالباب کی نشانیاں بیان کرتے ہوئے ایک یہ نشانی بھی فرمائی والمستغفرین بالاسحار (آل عمران ۱۷) سحری کے وقت معافی مانگتے ہیں۔ آرام کا وقت تھا۔ اس آرام کو قربان کرکے دوسرا آرام حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لئے میں ان کی دعاؤں کو قبول کرتا ہوں۔ ایسے کھیل کود کے وقت میں اگر کوئی دو رکعت نماز نفل چاشت پڑھے عموماً دس بجے چاشت کا وقت ہوتا ہے۔ حدیث کے الفاظ کچھ اور ہیں مفہوم یہ ہے کہ گویا اس نے ۳۶۰ قربانیاں دیں۔ صحیح حدیث ہے یہ بڑی برکت والی نماز ہے۔ اتنا اجر ثواب کیوں؟ اس لئے کہ کھیل کود کا وقت ہوتا ہے ایسے وقت عبادت میں مشغول ہونا۔ اس سے طبیعت پر بوجھ پڑتا ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں اسی لئے آپ حضرات بڑے خوش نصیب ہیں اور آپ کی وجہ سے میں بھی اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اخلاق نصیب فرمائے۔ ہم اتوار کو جو ہمارا چھٹی کا دن ہے۔ اس کو نیکی کے لئے قربان کرتے ہیں یہ ہمارا آنا جانا سب قرآن کے لئے ہے آج ایبٹ آباد سے بھی لوگ دوست تشریف لائے ہیں۔ اُن کو قرآن 'اللہ' کا کلام اچھا لگتا ہے تب ہی تو آئے۔ اللہ

---

[1] اعراف ۹۸

تعالیٰ آپ سب کو اجر و ثواب عطا فرمائے اور ہمارے اعمال میں برکت ڈالے۔ جیسا کہ میں ابتدائے سورۃ میں عرض کر چکا ہوں۔ کہ سارے قرآن مجید میں چار قسم کے لوگوں کا ذکر ہے پہلی دو قسم کا ذکر گزر چکا ہے۔ آج کی آیات میں تیسری قسم کے لوگوں کا بیان ہے۔ تیسری قسم کو سمجھنے کے لئے پہلے ایک بات کو سمجھنا ضروری ہے۔ کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کے تین حصے ہیں۔ ایک زندگی آپ کی قبل از نبوت کی زندگی ہے۔ چالیس سال کی عمر پر آپؐ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے نبوت کا اعلان فرمایا۔ اعلان نبوت کے بعد تیرہ سال آپؐ مکہ مکرمہ میں رہے۔ اسے جنابؐ کی مکی زندگی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پھر دس سال آپ اس عالم ناسوت میں مدینہ منورہ رہے جسے آپؐ کی مدنی زندگی کہا جاتا ہے۔ مکی زندگی میں آپؐ کی ظاہری طور پر کوئی طاقت، شان و شوکت نہ تھی چند ہی لوگ مسلمان ہوئے تھے۔ وہ بھی مسکین قسم کے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے یا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ باوجود مالدار ہونے کے انتہائی رحیم القلب تھے اور ان کے مزاج میں زیادہ نرمی پائی جاتی تھی مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کی اتنی طاقت نہ تھی کہ اہل مکہ مسلمانوں سے مرعوب ہو کر در پردہ کوئی سازش اہل اسلام کے خلاف کرتے۔ بلکہ اکثر دو ہی قسم کے لوگ پائے جاتے تھے۔ ایک تو وہ لوگ تھے۔ جو پکے مسلمان تھے جنہوں نے علی الاعلان اپنے ایمان کا اور اسلام کا اقرار کیا۔ ماریں کھائیں طرح طرح کی ایذائیں دی گئیں اور ان سے ترک موالات کیا گیا لیکن صاف کہہ دیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا سچا رسول مانتے ہیں۔ پھر دنیا کی کوئی طاقت انہیں اس عقیدہ سے نہ ہٹا سکی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایسی ایسی تکالیف پہنچائی گئیں جن کو سن کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور دوسری قسم کے وہ لوگ تھے۔ کہ جنہوں نے ڈنکے کی

چوٹ کہا کہ ہم اسلام کو نہیں مانتے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کیا طاقت ہے؟ کہ ہمارا مقابلہ کر سکے۔ ایمان لاتے تو علی الاعلان۔ کفر کرتے تو بھی ظاہر۔ دو رُخی پالیسی نہ تھی یہ نہ تھا۔ کہ دل میں کچھ اور ہو اور زبان پر کچھ اور ہو۔ اس طرح قوہ کرتا ہے کہ جیسے کوئی ڈر ہو ماتحت اپنے حاکم سے صاف بات نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اسے ڈر ہے کہ یہ میرا حاکم ہے۔ میری روٹی لگی ہوئی ہے میں نے ایسی بات کر دی جو اس کی مرضی کے خلاف ہوئی تو مجھے نکال دے گا۔ لیکن اگر یہی ماتحت حاکم ہو تو وہی بات بلا روک ٹوک صاف کہہ دے گا۔ کیونکہ اسے کسی کا ڈر نہیں۔ اس طرح آپ کا وہ دور جو "مکی" زندگی سے منسوب کیا جاتا ہے اس میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مخاطب دو ہی قسم کے لوگ تھے۔ پکے مومن یا پکے کافر تیسری قسم وہاں نہ تھی لیکن آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں حالات اور تھے۔ یہاں آپ تھوڑی سی بات سمجھ لیں۔ قرآن کا کوئی لفظ بھی سمجھ میں آ جائے۔ تو سعادت ہے۔ بھی کوشش کروں گا۔ کہ چند ہی رکوع اس طریقے پر عرض کر دوں کہ ان کی برکت سے ہم پر سارا قرآن آسان ہو جائے ہر آیت کی تھوڑی بہت تفصیل عرض کروں گا۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بزرگوں کے واسطے سے مجھے سمجھائی ہے۔

مدینہ منورہ میں یہودیوں کی آبادی زیادہ تھی۔ مدینہ منورہ اب شہر کی صورت میں موجود ہے اس وقت اس طرح نہ تھا بلکہ مختلف جگہوں پہ اس طرح لوگ آباد تھے۔ جس کو ہماری زبان میں ڈھوک کہا جاتا ہے اس منتشر آبادی میں زیادہ لوگ یہود تھے باقی لوگوں پہ انہی کا تسلط تھا۔ تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تشریف لانے سے پہلے مدینہ کے یہودیوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنا سردار عبداللہ ابن اُبی ابن سلول کو بنائیں۔ جو اس سارے علاقے کا سردار کہلائے گا۔ چنانچہ اس کی دستار بندی کا دن بھی مقرر ہو گیا۔ یہاں ضمناً طالب علموں کے لئے ایک علمی بات عرض کئے دیتا ہوں کہ طلبا یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ یہاں تو دد

نام آئے ہیں۔ ایک ابی اور ایک سلول تو اسی وجہ ابی باپ کا نام ہوا اور سلول دادا کا سلول اس کے دادا کا نام نہیں بلکہ ماں کا نام ہے یعنی وہ عبداللہ جس کے باپ کا نام ابی اور ماں کا نام سلول ہے۔ بخاری شریف میں ہے کہ یہودیوں نے یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ فلاں دن اسے بادشاہی کا تاج پہنایا جائے گا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر پورا باب بیان فرمایا ہے۔ اسی میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا آنا تھا کہ کیفیت ہی بدل گئی۔ لوگ مسلمان ہونے لگے۔ یہود کی ساری سکیمیں فیل ہو گئیں بادشاہ بنانے کا خیال ہی دلوں سے نکل گیا۔ اس کش مکش میں بدر کا معرکہ پیش آیا۔ جس میں چند سو مسلمان ہزاروں کافروں پر غالب آ گئے۔ وہاں اسلام کو عروج حاصل ہونا شروع ہوا۔ یہاں آ کر ایک تیسری جماعت پیدا ہو گئی جسے منافق کہا گیا۔ یہ جماعت مکہ میں نہ تھی۔ مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد سے مرعوب ہو کر بنی نَفَق کہتے ہیں سرنگ لگانے کو نافِق جنگلی چوہے کے سوراخ کو کہتے ہیں۔ جس کے دو منہ ہوتے ہیں منافق کو آپ نے دو منہیں بھی فرمایا۔ دل میں اور زبان پر اور۔ اس طبقے نے اسلام کو بہت زیادہ نقصان پہنچایا جنگ احد میں آپؐ کے دانت مبارک شہید کرائے۔ آپؐ کی شہادت کی خبر اڑا دی ستر صحابہ کرام شہید کرائے۔ عین لڑائی میں منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی اپنے تین سو رضاکار میدان جنگ سے لے کر بھاگ آیا تاکہ مسلمانوں پر برا اثر پڑے بہرحال جو کچھ بھی سیرت کی کتابوں میں سب کچھ موجود ہے۔ قرآن کریم نے یہاں بھی اشارۃً ان کی نشاندہی فرمائی۔ دوسری جگہ سورہ منافقون میں پورے طور پر ان کے اخلاق، اعمال عقائد نظریات بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیے۔ تاکہ مسلمان ان کے دجل و فریب سے ہوشیار رہیں۔ اس منافقانہ زندگی کو سمجھنے کے لیے وہاں پوری تفصیل ہے۔ اس لیے قرآن کا ایک حصہ دیکھ کر یا ایک آیت دیکھ کر فیصلہ نہ کیا جائے۔ ایک آیت کی تفصیل دوسری

موجود ہوتی ہے۔ اسی طرح ان کی پوری حقیقت وہاں آتی ہے۔ انہوں نے کس طرح
منافقت کا جال بچھایا مثلاً فرمایا۔ اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ
اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ اے میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) جب آپ کے پاس
دو مونہے لوگ آتے ہیں۔ تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں۔ دیکھئے کتنی بڑی بات کرتے ہیں!
ہم گواہی دیتے ہیں کس بات کی اِنَّكَ بے شک آپ اس میں اِنَّ حرف تاکید کیا
ہے لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ یہ لام تاکید ہے۔ آپ یقینی طور پر اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ
نے فرمایا اے میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر یہ نہ بھی کہیں تو بھی آپ میرے رسول
ہیں۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ۘ لیکن وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ
الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ اللہ تعالیٰ گواہی دیتے ہیں کہ یہ منافق جھوٹے ہیں۔
جو زبان سے کہہ رہے ہیں۔ دل سے اس کے مخالف ہیں۔ منہ سے کیوں کہتے ہیں
اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال
بنایا ہوا ہے تاکہ حملوں سے بچے رہیں۔ دل سے اسلام کے مخالف ہیں۔ آگے چل کر فرمایا
وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ۘ اے میرے رسول (صلی
اللہ علیہ وسلم) وہ نفاق میں اس قدر گہرے ہیں کہ جب آپ ان کو دیکھیں آپ کو بھی
ان کی بدنی ساخت تعجب میں ڈال دے۔ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ۘ
كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ۘ اور جب بات کرتے ہیں۔ تو ایسی چکنی چپڑی
باتیں کرتے ہیں، کہ آپ کان لگا کر سنتے ہیں۔ حالانکہ وہ پکے مخالف ہیں آپ (صلی اللہ
علیہ وسلم) کے۔ آپ کے نظریات کے۔ بااللہ ان کو مارے انہوں نے کیا ڈھونگ اختیار
کیا ہوا ہے۔ وہاں ان اجمالی آیات کی پوری تفصیل موجود ہے۔ یہاں فرمایا وَمِنَ

اَلنَّاسِ مَنۡ يَّقُوۡلُ جو زبان سے یہ کہتے ہیں. اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ۔ ہم بھی ایمان لا چکے ہیں ۔ اللہ پر اور آخری دن پر ۔ یہاں یہ شبہ نہ ہو کہ صرف ایمان باللہ اور ایمان بِالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ کا ذکر فرمایا ۔ کیا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لانا ضروری نہیں ؟ تو جیسے میں نے پہلے منافقوں کا قول نقل کیا دوسری جگہ ہے کہ وہ رسالت کا بھی اقرار کرتے ہیں ۔ قَالُوۡا نَشۡهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوۡلُ اللّٰهِ ۔ یہاں اجمالی طور پر بیان ہے ۔ ورنہ وہ سب عقائد کا اقرار کرتے تھے ۔ جیسے فرمایا کہ وہ کہتے ہیں ۔ ہم اللہ کو اور قیامت کو مانتے ہیں لیکن حقیقت کیا ہے وَمَا هُمۡ بِمُؤۡمِنِيۡنَ حالانکہ وہ ایمان نہیں لاتے ۔ پھر کہتے کیوں ہیں يُخٰدِعُوۡنَ اللّٰهَ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وہ یہ کہہ کر دھوکہ دینا چاہتے ہیں ۔ اللہ کو اور ایمان والوں کو ، اندرونی سازشیں کر کے ایمان کو مٹانا چاہتے ہیں ۔ وَمَا يَخۡدَعُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَهُمۡ حالانکہ وہ دھوکہ نہیں دیتے لیکن اپنے آپ کو ۔ یہاں دو تین باتیں میرے اور آپ کے سمجھنے کے قابل ہیں ۔ طالب علم ہونے کی حیثیت سے یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ۔ وہ دھوکہ دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کو اور ایمان والوں کو ۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے ۔ دھوکہ تو وہ ذات کھاتی ہے جو ظاہر و باطن سے ناواقف ؟ اللہ تعالیٰ تو عَلِيۡمٌ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ہیں ۔ اللہ تعالیٰ دل کی باتوں کو جانتے ہیں ۔ اس لئے قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمائیں گے ۔ اِذۡ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ ءَاَنۡتَ قُلۡتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوۡنِىۡ وَاُمِّىَ اِلٰهَيۡنِ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ (المائدہ ۱۱۶) عیسیٰ (علیہ السلام) کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں خدا مان لینا ۔ ءَاَنۡتَ قُلۡتَ کیا تو نے کہا تھا

حضرت عیسیٰ جواب میں کہیں گے قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ
اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ ۔ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ
تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ۔ اے میرے
اللہ! زبان سے کہنا تو بجائے خود رہا میرے دل میں بھی ایسی بات کا خیال تک نہیں
آیا۔ دل میں بھی ارادہ نہیں کیا۔ دھوکہ تو وہ کھائے جو دل کی بات نہ جانتا ہو۔ اس لئے اس
کے دو ترجمے کئے گئے۔

۱۔ دھوکہ دینا چاہتے ہیں اپنے خیال میں اللہ تعالےٰ کو اور ایمان والوں کو۔ جس طرح
ہم گناہ کرتے ہیں کہ ہمیں کوئی نہیں دیکھتا۔ چھپ کر کرتے ہیں اپنے خیال میں ہم نفس کو
دھوکہ دیتے ہیں۔ ورنہ اگر اللہ تعالےٰ کی ذات کا فکر اور یقین ہو جائے کہ اللہ تعالےٰ
ہمیں دیکھ رہے ہیں، تو ہم گناہ کیوں کرتے؟ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ
نے اپنے ایک مرید کو جو بظاہر سادہ طبیعت تھے۔ خلافت دے دی۔ تو باقی مریدوں
نے اعتراض کی شکل میں آپس میں بات چیت کی۔ ہم اتنی ریاضتیں اتنے مجاہدے کرتے
ہیں چلّے نکال نکال کر تھک گئے ہیں۔ اور یہ رات دن صرف حضرت کے پاس بیٹھا رہتا
ہے کبھی پاؤں دباتا ہے۔ کبھی سر دباتا ہے۔ حضرت تک بات پہنچ گئی کہ انہوں نے
بڑی میٹھی زبان میں حضرت کے پاس شکوہ کیا۔ حضرت نے ہر ایک کو ایک ایک چھری
اور ایک ایک مرغی دی۔ اور فرمایا جاؤ ذبح کر کے لاؤ لیکن ایسے مقام پر جہاں کوئی
دیکھ نہ پائے۔ اور اس کو جس کو حضرت نے خلافت دی تھی اسے بھی یہی فرمایا۔ تھوڑی
دیر بعد سارے ذبح کر کے لے آئے۔ کسی نے کہا میں نے دیوار کے پیچھے ذبح کی ہے
کسی نے کہا غسل خانے میں۔ غرض چھپ چھپ کر سارے ذبح کر لائے۔ مگر وہ سادہ
طرح چھری اور مرغی زندہ واپس لائے۔ سب نے دل میں خیال کیا ہوگا۔ اسے کوئی جگہ

نہ ملی کہ جہاں مرغی ذبح کرکے لاتا۔ اسے حضرت نے خلافت دے دی۔ یہ سب
جگہ خوش تھے۔ کہ ہم نے حضرت کا حکم بجالایا لیکن ؎

دل را بدل رہیست

وہ سمجھ گیا کہ حضرت نے جو یہ فرمایا کہ جہاں کوئی دیکھنے والا نہ ہو اس میں بھی
راز ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ اللہ کے بندے۔ تجھے کوئی ایسی جگہ نہ ملی کہ جہاں پر دیکھنے
والا کوئی نہ ہوتا۔ بعرض کی حضرت میں جہاں بھی گیا رب العالمین کی ذات کو حاضر پایا
پھر میں کس طرح ذبح کرتا۔ آپ نے فرمایا تھا کہ جہاں کوئی دیکھنے والا نہ ہو اس لئے
نہ کی۔ حضرت نے فرمایا دوسروں کو۔ کچھ سمجھے؟ اسے تو مقام شہود حاصل ہو چکا ہے
پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے خدا کے سامنے اپنے آپ کو سمجھتا ہے۔ اسی لئے حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا[1]۔ تم خداوند قدوس کو اس طرح سمجھو کہ اسی کا جلال
اور جمال ہر وقت تمہارے سامنے جلوہ گر ہے۔ ہر مصیبت سے تم محفوظ رہو گے۔
تو دھوکہ دینے کا مفہوم یہ ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ہم دھوکہ دے رہے ہیں اللہ تعالیٰ
کو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ دھوکہ نہیں کھاتے۔ دوسرا معنی دھوکہ دیتے ہیں مسلمانوں
کو۔ مسلمانوں کو دھوکہ دینا تو گویا دین کو دھوکہ دینا ہے اور دین کو دھوکہ دینا گویا
جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینا ہے۔
مَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ اور وہ دھوکہ نہیں دے رہے مگر
اپنے آپ کو۔ وَمَا يَشْعُرُونَ اور وہ نہیں سمجھتے کہ ہم کسے دھوکہ دے
رہے ہیں۔ خود کو جہنمی بنا رہے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کو دھوکہ دے رہے
ہیں۔

---

[1] التکشف محمد الدرزین ص۳۵۴

ں کی موٹی سی مثال یوں سمجھ لیجئے۔ کہ کوئی بیمار اپنے کسی معالج، ڈاکٹر یا حکیم کے پاس آئے
ر صاحب اس سے پوچھیں کیوں بھائی، رات کو کھانسی آئی تھی۔ جی نہیں میں نے
ری رات آرام سے نیند کی حالانکہ ساری رات کھانستا رہا۔ بخار تو نہ تھا؟ جی میں نے
رامیٹر لگایا بالکل نہیں تھا۔ گویا کبھی بخار ہوا ہی نہیں۔ اب طبیعت کیسی ہے؟ کوئی
یف تو نہیں۔ جی نہیں میں تو اپنے آپ کو اچھا پاتا ہوں۔ واپسی پر اپنے آپ سے
تا ہے۔ دیکھو جی کیسا ڈھنگ کیا۔ بات پتہ بھی نہ لگنے دی۔ تو سوچیے وہ اپنے
پ کو دھوکہ دے رہا ہے یا ڈاکٹر حکیم یا معالج کو۔ حالانکہ اس کو ساری رات بخار
ا لیکن معالج کے سامنے اپنی حالت پیش نہیں کرتا۔ کہ وہ اسے کوئی دوائی دے تاکہ
ل کر صحت حاصل ہو۔ آج ہم میں بھی اکثریت ان لوگوں کی ہے۔ جو صوفیائے عظام
ے جن کو ہم اپنی زبان میں پیر کہتے ہیں بیعت دنیاوی مفاد کے لئے ہوتے ہیں۔
یعت کا مفہوم تربیت ہے۔ کہ مرید اپنی بیماریاں اپنے شیخ کے حضور بیان کرے
ر شیخ ان کی اصلاح فرمائے۔ شیخ کا مقام بہت اونچا ہے۔ قطب الارشاد مولانا
شید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مرید کو یہ چاہئے کہ وہ یقین کرے کہ
س وقت میرے شیخ سے ساری دنیا میں کوئی انسان اونچے مرتبے کا نہیں[1]۔ اپنے
پ کو اس کے حوالے کرے۔ اور اس یقین کے ساتھ کہ اس وقت اس کے مقام
کوئی انسان نہیں۔ اگرچہ خارج میں موجود ہے تب ہی شیخ سے کچھ حاصل ہوگا۔
ں سب کی بھی عزت کرے۔ لیکن اگر اسے کچھ ملے گا تو صرف اپنے ہی شیخ سے۔
ہ رحمت جو اللہ تعالیٰ اسے دینا چاہتے ہیں شیخ کے ذریعہ عطا فرمائیں گے۔

---

[1] امداد السلوک ص ۶، مدسل ج ۲ ص ۲۵۹

دیکھئے ایک آدمی کا باپ ایسا ہو جو لنگڑا بھی ہو۔ اس کے منہ پر چیچک کے داغ ہوں۔ رنگ میں بھی کالا ہے۔ نسب میں بھی کم ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں اس کا پڑوسی مالدار، خوب صورت، اچھی صحت والا۔ بدنی لحاظ سے قوی ہے ریڈیو بھی رکھتا ہے۔ کوٹھیوں، بلڈنگوں والا۔ بیٹے کے لئے کیا مناسب ہے۔ اپنے غریب باپ کو سمجھے یا اس امیر پڑوسی کو؟ نیک مرید اور بیٹا ہمیشہ اپنے والد اپنے شیخ کو سب سے اونچا تصور کرتے ہیں۔ ویسے ادب سب کا کرتے ہیں کیونکہ بیٹے کو اگر کچھ ملنا ہے تو اپنے باپ کی جائداد سے نہ کہ غیر سے! اگر کچھ ملے گا۔ تو اپنے باپ کی جائداد سے۔ اللہ تعالیٰ سب کے والدین، خویش و اقارب، احباب کو بخشے۔ اور جن کے والدین زندہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا ادب کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ مرید کو اگر ملے گا تو اپنے شیخ کے حصہ سے۔ بھائی یہ سب درس قرآن ہے۔ سو بیعت کیا ہے؟ اور کیا اس کی بھی ضرورت ہے؟ تو یہ بھی ایک علم ہے، تربیت ایک کورس ہے جس طرح دنیاوی کتابیں پڑھی جاتی ہیں بی اے۔ ایم اے کرتے ہیں یا درس نظامی میں قاضی مبارک رحمۃ اللہ وغیرہ پڑھائی جاتی ہیں لیکن علم اس وقت مفید ہے جب علم کے ساتھ عمل بھی ہو اور تربیت بھی ہو۔ ساتھ یہ کورس بھی کرایا جائے۔ رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

علم را بر تن زنی مارے بود ۔۔۔ علم را بر جان زنی یارے بود

اگر علم کو بدن پہ مار دیا۔ کتابیں پڑھ لیں۔ سندیں حاصل کر لیں اور روپے دنیا سمیٹنے لگے تو یہ علم تمہارے لئے سانپ بن جائے گا۔ اور اگر علم کو روح پر لگایا علم کی برکت سے عمل کی زندگی اختیار کی، تو یہ علم تمہارے لئے تمہاری نجات کا سبب بن جائے گا۔ حضرت مدنی رحمتہ اللہ علیہ حضرت لاہوری رحمتہ اللہ علیہ حضرت

وری رحمۃ اللہ علیہ ان بزرگوں نے علم کو جان پر مارا۔ دنیا میں بھی رب کو راضی رکھا
رت کے درجوں سے بھی نوازے گئے۔ اور لاکھوں انسانوں کو تباہی سے بچا گئے
کا نام روشن کیا۔ خداوند تعالےٰ ان کے ناموں کو بھی زندہ رکھیں گے۔ علم سے
یں لے لیں، بلند عمارتیں تعمیر کرلیں، شاندار محل کوٹھیاں بنالیں، کرہ و قمر بنالی
ہے۔ لیکن وہ مقام جو قرب ربوبیت سے ملتا ہے اس سے تو محروم ہو گئے
کے اس دور میں بیعت کی بڑی سخت ضرورت ہے۔ ہم بڑے کمزور ہیں۔
ں تو قدم قدم پر راہنمائی کی ضرورت ہے۔ ہم تو بھائی شیخ کے بغیر ایک قدم
نہیں چل سکتے۔ شیخ کے ہوتے ہوئے ڈگمگاتے جاتے ہیں۔ نہ ہو تو پھر کیا
ہو۔ یہ تو بھائی وہ زمانہ ہے جس کے متعلق حضرت شیخ لاہوری رحمۃ اللہ علیہ
یا کرتے تھے۔ دنیا والو! تم کہتے ہو بینا سارے۔ نابینا کوئی کوئی۔ میں کہتا ہوں
یا سارے۔ بینا کوئی کوئی یعنی تم کہتے ہو آنکھوں والے بہت ہیں۔ اور اندھا
ی ایک آدھ ہوتا ہے لیکن میرے نزدیک سارے اندھے ہیں۔ کوئی کوئی ہی
ھوں والا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں ہے۔ میں اپنی طرف
ے نہیں کہتا اللہ مجھے بچائے ہیں تو خود گنہ گار ہوں۔ خواہ دنیاوی علوم ہوں یا
ی علوم ہوں۔ نفس علم کوئی چیز نہیں علم کو عمل میں لانا اصل چیز ہے۔ یہ شیخ کے ہاتھ
ں ہاتھ دینے سے آتا ہے پھر مرید شیخ کی خدمت میں حاضر ہوگا شیخ پوچھے
کیوں بھائی نماز پڑھتے ہو۔ جی پڑھتا ہوں۔ جماعت کے ساتھ پڑھتے ہو۔ جی
۔ لیکن کبھی کبھی رہ جاتی ہے۔ شیخ فرمائیں گے یوں کیا کرو۔ یوں کیا کرو۔ مرید
زبان بتلائے گا اور شیخ ان کی اصلاح کا طریقہ بتلائے گا پیر کا مطلب تو
تھا۔ لیکن ہم یہاں بھی دنیا کو مدنظر رکھتے ہیں بیعت ہو گئے۔ کہیں سال چھ مہینے

کے بعد چکر لگایا۔ پیر صاحب کے لئے کچھ گھی لے گئے سو روپیہ نذرانہ پیش کر
نہ پیر صاحب نے پوچھا میرے مرید! تمہاری دینی حالت کیسی ہے۔ اور نہ ہی
نے اپنی حالت بتانے کی زحمت گوارا کی، استاد، ٹیچر، پروفیسر، مدرسہ کے معل
علم حاصل کیا جائے۔ مدارس سکول، کالج کا چکر لگانا۔ بلڈنگوں کی زیارت مقص
نہیں۔ اسی طرح شیخ سے ہدایت حاصل کرنا اور پھر عمل کرنا۔ اور زندگی کو اس
اتباع میں گزارنا مقصود ہے حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت
میں کسی مرید نے لکھا۔ حضرت! جی چاہتا ہے۔ کہ آپ کی خدمت کروں۔ مگر
بہت کافی ہے صحبت اچھی چیز ہے۔ جب عمل پیدا ہو۔ عمل پیدا نہ ہو تو چراغ
پاس آنکھیں بند کرکے بیٹھنے والے کو کہاں روشنی نظر آئے گی حضرت رحمتہ ا
علیہ نے اُسے بڑا بہتر جواب ارشاد فرمایا ؎

چہ با منی در یمنی نزد منی چہ بے منی نزد منی در یمنی

اے میرے مرید اگر تو میری ہدایت پر عمل کرتا ہے۔ تو میرے پاس
اگرچہ یمن میں ہو۔ اور اگر میری بات نہیں مانتا تو میرے پاس بیٹھا بھی یہی سمجھ لو
تو یمن میں ہے۔

اسی طرح حضرت اویس قرنی رحمتہ اللہ علیہ قرن میں تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ
وسلم کو دیکھا تک نہیں۔ لیکن اتنا عشق تھا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
ساتھ حدیث میں ہے۔ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو فرمایا اقرن
میں ایک شخص اویس نامی ہوگا جب وہ تم سے ملے تو اس سے کہنا کہ وہ امت

لہ تابعین بحوالہ کتب حدیث

کی مغفرت کے لئے دعا فرمائیں۔ ملاقات تو نہ ہوئی لیکن با محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تھے۔ مگر منافق آپ کے پاس اٹھتے بیٹھتے۔ نماز پڑھتے تھے لیکن دل میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بغض تھا۔ با محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ تھے۔ بلکہ پاس بیٹھے ہوئے بھی بے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تھے۔ اس لئے یہاں فرمایا کہ منافق آپ کو دھوکہ دیتے ہیں۔ اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کو اور (اللہ تعالیٰ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دھوکہ دے رہے ہیں۔

یہ دو تین مثالیں میں نے سمجھنے کے لئے عرض کی ہیں۔ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ اس لئے کہ ان کے دل ہی خراب ہو چکے ہیں۔ دل اندھے ہیں۔ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ان کے دلوں میں ایک خاص بیماری ہے۔ مرض تنوع، تنوع کے لئے۔ آپ کو دل سے اچھا نہیں جانتے۔ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا پس بڑھا دی ان کی اللہ تعالیٰ نے بیماری۔ قرآن کا نزول ان کے لئے نقصان کا باعث ہو گیا۔ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (الاسراء ۸۲)
قرآن کا نزول مومنوں کے لئے باعث رحمت ہے۔ اور مومنوں کے دلوں کی بیماریاں اس سے دور ہوتی ہیں۔ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا لیکن جو اللہ تعالیٰ کی حدیں توڑنے والے ہیں۔ ان کے لئے خسارا ہے۔ دیکھیے آپ کیا کہتے والے ہیں۔ سورج نے طلوع ہو کر سارے ملک کو منور کر رکھا ہے۔ سورج کی روشنی سے دن منور۔ انسان حیوان پرندے چرندے سب فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ لیکن ایک ایسا پرندہ بھی ہے جسے چمگادڑ بھی کہتے ہیں۔ سورج طلوع ہوتا ہے۔ تو وہ کہتی ہے یہ کیا مصیبت آگئی ہے۔ اسے گھونسلہ تلاش کرنا پڑتا ہے۔ یہ ساری چیزیں اللہ تعالیٰ نے ہماری عبرت کے لئے پیدا فرمائیں۔ فرمایا ان کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے۔
فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا پس بڑھا دی اللہ تعالیٰ نے ان کی بیماری جبکہ

جس اسلام بڑھتا ہے۔ ان کا نفاق بھی بڑھتا جاتا ہے جس کے ساتھ حسد کرتے ہیں وہ جتنا ترقی کرتا ہے۔ ان کی بیماری، حسد بھی بڑھتا جاتا ہے۔ دنیاوی طور پر بھی حسد کرنے والا اتنا ہی غم میں گھلتا رہتا ہے۔ جس کے ساتھ وہ حسد کرتا ہے۔ اس کی ترقی پر اسلام کہ اللہ تعالیٰ پھیلا رہا ہے۔ وہ اپنے دلوں میں زیادہ کڑھتے رہتے ہیں میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور میرے دین کے ساتھ دشمنی کرتے ہیں۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ان کے لئے بڑا دردناک عذاب ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ یہ عذاب ہے قیامت کا اور دنیاوی طور پر بھی وہ ذلیل ہیں۔ لَا اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَا اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ[1] مسلمانوں کے پاس سے ان کو جوتیاں پڑتی ہیں۔ اور کافروں کے پاس جاتے ہیں وہاں بھی جوتیاں پڑتی ہیں جس آدمی پر اعتماد نہ ہو۔ جس کے قول اور فعل میں تضاد پایا جائے۔ دنیا کی زندگی میں بھی اس کے ساتھ کوئی سلوک نہیں کرتا۔ یہاں جو کچھ بیان ہوا ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ یہ نفاق اعتقادی کے متعلق ہے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جو احادیث میں آتا ہے۔ اٰيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ بات کرے تو جھوٹ بولے وعدہ کرے تو پورا نہ کرے۔ امانت رکھی جائے تو خیانت کرے اور ایک چوتھی نشانی بھی آئی ہے۔ جب جھگڑا کرے تو گالیاں دے کسی مسلمان بھائی کو آج ہم پہلے معنوں میں نہیں لے سکتے[2] حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اب دو قسم کے لوگ ہیں یا پکے مسلمان یا پکے کافر۔ نفاق کا تعلق دل سے ہے۔ دل کا حال تو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں۔ یا وہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے ذریعے واضح کرتے

---

[1] النساء ۱۴۳ [2] بخاری

ہیں۔اس لئے اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ہم کسی کو منافق نہیں کہہ سکتے۔ البتہ عملی غلطیوں کا ارتکاب ممکن ہے۔ بات میں کوئی شخص غلطی کر ڈالے۔ ایفائے عہد نہ کرے، منہ سے بک بکا کرے۔ یہ منافق عملی ہے۔ ہم اس کو دہ منافق نہیں کہہ سکتے اور یہ بات اس وقت معلوم ہوتی ہے۔ جب کوئی موقع ناموسِ نبوت پر حملہ کا آیا ہم نے دیکھا کہ ناموسِ نبوت پر قربان ہونے والوں زیادہ تعداد ایسے گنہ گار مسلمانوں کی ہوتی ہے۔

جب آپ کے سامنے ایک آدمی آتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک سمجھتا ہے۔ جناب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کا آخری اور سچا نبی سمجھتا ہے جنت دوزخ مانتا ہے۔ اللہ کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھتا ہے مجھے کیا حق پہنچتا ہے کہ میں کہوں کہ جی نہیں یہ اندر سے خراب ہے۔ اس کا دل خراب ہے۔ سب عقائد اسلامیہ کا اقرار کرتا ہے۔ عملی کمزوریاں ہو سکتی ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں۔ کہ اسے اسلام سے خارج کر دیا جائے وہ گنہ گار ہے۔ آپ کے ذمہ اسے سمجھانا فرض ہے اسے اپنے طور پر سمجھنے کی ضرورت ہے۔ بخاری شریف میں ہے کہ چند صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہم زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے گئے۔ ایک آدمی نے ان کے سامنے کلمہ پڑھا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ نے اسے قتل کر دیا۔ دوسرے ساتھی نے کہا کہ یہ تم نے غلطی کی حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، کہ اس نے دل سے نہ پڑھا تھا بلکہ جان بچانے کے لئے پڑھا۔ بات آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ پیش کی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اے اسامہ رضی اللہ عنہ! تو نے اسے کیوں قتل کیا جب کہ وہ تیرے سامنے کلمہ پڑھ رہا تھا۔ عرض کی اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم! وہ دل سے نہ پڑھ رہا تھا۔ فرمایا بخاری شریف میں ہے۔ الخ

شفقت قَلْبَهٗ یعنی تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا تھا۔ پھر فرمایا یاد رکھو
اِنِّیْ لَمْ اُوْمَرْ اَنْ اَنْقُبَ قُلُوْبَ النَّاسِ مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا
کہ میں لوگوں کے دلوں میں نقب لگا کر دیکھتا پھروں۔" بھائی جو کلمہ وہ پڑھتا ہے۔
وہی میں بھی پڑھتا ہوں۔ انبیاء کرام کے سوا کون گناہوں سے پاک ہو سکتا ہے۔ گناہوں
میں کمی بیشی تو ہو سکتی ہے۔ کسی کے گناہ تھوڑے ہیں اور کسی کے زیادہ۔ فرمایا جناب
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صَلُّوْا مَعَ کُلِّ بَرٍّ وَّ فَاجِرٍ ہر نیک و بد
کے ساتھ کھڑے ہو کر پڑھ لو۔ مثلاً میں نماز پڑھنے لگا ہوں۔ میں آپ لوگوں کے
گمان میں نیک ہوں۔ اللہ مجھے نیک ہی رکھے۔ میرے ساتھ ایک ایسا آدمی کھڑا ہو جاتا
ہے جس کی داڑھی مونچھیں صاف ہیں۔ پتلون پہنی ہوئی ہے۔ مجھے عار نہ ہونی چاہیئے۔ اللہ
کے ہاں تو فیصلہ انجام پر ہونا ہے۔ معلوم نہیں جاتے جاتے کیا ہو۔ میرے سامنے تو
وہ خدا کے سامنے سجدہ کر رہا ہے۔ ہم کیا جانیں اُس کے باطن کو۔ ۱۹۳۹ئہ میں جب
پہلی دفعہ حج کی دولت نصیب ہوئی۔ اللہ تعالےٰ نے دو دفعہ حاضری کا موقع دیا ہے۔
اللہ تعالےٰ مجھے ریا اور فخر سے بچائے۔ اور پھر بھی جانے کی توفیق عطا فرمائے۔ تحدیث
نعمت کے طور پر عرض کر رہا ہوں۔ آپ کو بھی اللہ تعالےٰ نصیب فرمائے۔ اللہ ان
کے حج قبول فرمائے۔ اور خیریت سے اپنے بال بچوں میں واپس لائے۔ اس وقت
جوانی کا زمانہ تھا۔ نفس زیادہ سرکش تھا۔ حضرت مولانا سید احمد صاحب مہاجر مدنی حضرت
مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بھائی تھے۔ مدینہ شریف میں قیام پذیر تھے۔ آپ مدرسہ
علوم شرعیہ کے مہتمم تھے۔ حضرت مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے ان کے نام
خط دیا تھا۔ نہایت ہی نیک اور مہمان نواز تھے۔ باب مجیدی کے ساتھ ہی ان کے دو
منزلہ کچے مکان تھے۔ نیچے دکانیں تھیں۔ وہاں ایک کمرے میں مجھے جگہ دی گئی۔ ملاحظہ

کے ایک دوست بھی حضرت مدنی رحمتہ اللہ علیہ کا خط لائے۔ شاید حضرتؒ کے مرید ہوں ان کو بھی میرے ساتھ ہی جگہ دی گئی۔ رات ہوئی میں نے دل میں سوچا۔ بھائی یہ کہاں آیا۔ اس کی داڑھی مونچھیں صاف ہیں۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام کے لئے آیا ہے۔ اسے کیا ملے گا۔ اسے آپ سے کیا نسبت ومحبت ہے۔ خیر رات ہوئی وہاں یہ قاعدہ ہے کہ رات کو عشاء کے بعد حرم نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرماتے ہیں آپ سے اسی طرح اپنے روضۂ اطہر میں حیات ہیں۔ جس طرح دنیا میں تھے۔ فرمایا اگر کوئی میرے روضہ کے پاس آکر درود شریف پڑھے میں خود سنتا ہوں اور جواب بھی دیتا ہوں۔ اگر دور سے پڑھے تو فرشتے مجھے پہنچاتے ہیں کتنے خوش نصیب ہیں وہ جو وہاں پڑھ رہے ہوں گے۔ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ ہمارے اسلاف کا یہی عقیدہ ہے پھر سحری کو دروازے کھول دیئے جاتے ہیں شمع نبوت کے پروانے آدھی رات ہی کو جا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ تاکہ دروازے کھلتے ہی سعادت حاصل کریں چونکہ تھکان تھا میں رات کو سو گیا۔ اپنی طرف سے سویرے اُٹھنے کی کوشش کی دیکھا تو وہ بنگالی کے دوست نہ تھے۔ میں وضو وغیرہ کر کے تیار ہوا۔ حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچا۔ جگہ بھر چکی تھی۔ میں نے اس بنگالی کو دیکھنا چاہا۔ دیکھا تو وہ آپ کے قدموں میں پڑا رو رہا تھا۔ میں نے کہا کہ زاہد یہ بہتر ہے یا تو؟ میرا خیال ہے کہ وہ رات کو نہیں سویا۔ بعد میں میں نے اس سے معافی مانگی پھر وہ میرے ساتھ ہی رہے جتنے دن ہم وہاں رہے بڑے اچھے دن گزرے۔ دیکھئے اس کی وجہ سے میری اصلاح ہو گئی۔ جن کو تم گنہ گار سمجھتے ہو ہو سکتا ہے وہ نیکی میں تم سے بہتر نکلے کسی کی نیکی

کو دیکھ کر ہم اس کی نیک سیرت و صورت سے اسے نیک تو کہہ سکتے ہیں۔ لیکن یقینی فیصلہ تو خاتمہ پر ہے۔ پتہ نہیں جاتے جاتے کیا ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔

آگے چل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صَلُّوْا عَلٰی کُلِّ بَرٍّ وَّفَاجِرٍ جو کلمہ گو مر جائے خواہ وہ نیک ہو یا بُرا جس حال میں تھا مسلمان تو تھا۔ سب بھائی کھڑے ہو کر اُس کے لیے شفاعت کی دعا کرو۔ تمہارا بھائی ہی تو تھا۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَ شَاھِدِنَا وَغَآئِبِنَا وَصَغِیْرِنَا وَکَبِیْرِنَا وَذَکَرِنَا وَ اُنْثٰنَا اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَہٗ مِنَّا فَاَحْیِہٖ عَلَی الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّیْتَہٗ مِنَّا فَتَوَفَّہٗ عَلَی الْاِیْمَانِ ط

اے اللہ ہمارے زندوں کو بخش اور ہمارے مُردوں کو اور جو حاضر ہیں اُن کو اور جو غائب ہیں ان کو ہمارے چھوٹوں کو اور ہمارے بڑوں کو ہمارے مردوں کو اور عورتوں کو، سب کو بخش دے۔ زندہ رکھے تو اسلام پر اور خاتمہ ایمان پر فرما۔

ہمارے علم سطحی ہیں۔ ہم تو خود جاہل ہیں جو اکابر سے ملا ہے۔ اللہ اُن کی قبروں پر نُور فرمائے اور کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ ان کا ہم پر بڑا احسان ہے۔ ہمیں تو جو اکابر سے ملا وہ بیان کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک پولیس کے سپاہی کی نماز جنازہ پڑھنے کے لئے عرض کی گئی۔ آپ نے فرمایا آپ دوست ہیں۔ پڑھ دیں میں نہیں آسکتا شاید عبرۃ للناس آپ نے فرما دیا۔ کیونکہ عملی لحاظ سے بہتر نہ تھا۔ اس طرح پھر

لوگوں کو دلیل مل جاتی ہے۔ گناہ پر دلیر ہو جاتے ہیں۔ رات ہوئی وہ سپاہی بڑے مزید ار سفید رنگ کا صافہ (پگڑی) باندھے ہوئے حضرت کو خواب میں ملا۔ حضرت نے کہا سنا۔ بھائی! کیسے گذری؟ عرض کی حضرت میری بیکسی پر خدا کی رحمت جوش میں آئی۔ اللہ تعالیٰ نے میرے سارے گناہ معاف فرمادیئے۔ بھائی گنہ گار تو سب ہی ہیں لیکن سب لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھنے والے ہیں۔ ہم اگر اپنے بھائیوں کے لئے دعائے مغفرت نہ کریں گے تو اور کون کرے گا۔

عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ خواہ کوئی نیک ہو یا عملی اعتبار سے کمزور ہو۔ اس پر نماز جنازہ پڑھو تم اس کے باطن کے متعلق کیا سمجھتے ہو۔ اس کا معاملہ تو اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ اس طرح جو آدمی آگے ہو گیا ہے۔ نماز پڑھانے کے لئے تم اس کے عملوں سے ناواقف ہو۔ بشرطیکہ شرعی نقطۂ نظر سے اس میں کوئی عیب نہ پایا جاتا ہو۔ ظاہری طور پر اسلامی یونیفارم ہو۔ یعنی داڑھی قبضہ ہو؟ قبضہ سے کم نہ ہو۔ جن کے مصلے پر کھڑا ہونے لگا ہے۔ کم از کم اُن جیسی صورت تو ہو۔ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ الحمد للہ۔ ہم دلوں کی بیماری سے پاک ہیں۔ ہمارے دل ٹھیک ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آتا ہے تو ہمارے دل لرز جاتے ہیں۔ گنہ گار ضرور ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں کو معاف فرمائے اور ہم پر رحم و کرم فرمائے عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ اب ترجمہ سن لیجئے۔

وَمِنَ النَّاسِ اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں۔ مَنْ یَّقُوْلُ جو زبان سے یہ کہہ دیتے ہیں۔ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ہم بھی ایمان لا چکے ہیں۔ اللہ پر اور آخری دن پر وَمَا ھُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ حالانکہ وہ ایماندار نہیں۔ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وہ دھوکا

دینا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور ایمان والوں کو وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ حالانکہ وہ نہیں دھوکا دیتے مگر اپنے آپ کو وَمَا يَشْعُرُوْنَ اور وہ نہیں سمجھتے فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ان کے دلوں میں ایک خاص قسم کی بیماری ہے فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا پس بڑھادی اللہ تعالیٰ نے ان کی بیماری۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ اور ان کے لیئے دردناک عذاب ہے۔ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔ ایک قراۃ میں تشدید بھی ہے۔ جس کا معنیٰ وہ دل سے ہمارے نبی کو جھٹلاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

ساتواں اور آٹھواں درس

قرآن مجید

محرم وصفر ۱۳۸۵ھ مئی وجون ۱۹۶۵ء

یہ درس مقدس مندرجہ ذیل آیات پر مشتمل ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝ اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰکِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ ۝ وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ اٰمِنُوْا کَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ کَمَآ اٰمَنَ السُّفَھَآءُ ط اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ السُّفَھَآءُ وَلٰکِنْ لَّا یَعْلَمُوْنَ ۝

اس درس میں مندرجہ ذیل دینی اور تذکیری مضامین ہیں۔

۱۔ سب سے بڑی خیر خواہی اصلاح ہے۔

۲۔ سب سے اچھا نظریہ اسلام میں ناپسند ہے۔

۳۔ مجدد الف ثانی کا عظیم کارنامہ
۴۔ ہر کام کے لئے مخصوص آدمی ہوا کرتے ہیں۔
۵۔ اسوہ کامل صرف اسلام میں ہے۔
۶۔ مسلمانوں کا آپس میں اختلاف ارتداد کی راہ کھولتا ہے۔
۷۔ بے پردگی کا فتنہ مہلک ہے
۸۔ صحابہ کرام سے خداوند قدوس راضی ہے۔

واللہ الموفق

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

میرے بزرگو، دوستو اور بھائیو! پچھلے درس سے پہلے درس میں اُن آیات کریمہ کو تلاوت کیا گیا تھا۔ اور اس کی تمہید میں مَیں نے عرض کیا تھا۔ کہ قرآن کریم نے یہاں سے انسانوں کی تیسری قسم کو بیان فرمایا ہے۔ جو دین کے لئے اور انسانیت کے لئے نہایت تباہ کن ایک طبقہ ہے۔ جس کو اسلامی اصطلاح میں منافق کہا جاتا ہے۔ یہ طبقہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس وقت پیدا ہُوا جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے اور اسلام دن بدن پھیلنے لگا تو کچھ لوگ وُہ تھے جنہوں نے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی اور کچھ وُہ تھے جنہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سچے دل کے ساتھ ایمان کی دولت سے اپنے آپ کو نوازا اور بعض ایسے بھی تھے۔ جنہوں نے زبانی طور پہ کلمہ پڑھ لیا۔ لیکن درحقیقت اسلام کے خلاف سازشیں کرتے رہے۔ یہی گروہ اسلام کے لئے بڑا خطرناک ثابت ہُوا۔ اس کا سلسلہ آج تک باقی ہے۔ اللہ ان کی شرارتوں سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔

اِن کی کچھ کیفیت اللہ تعالیٰ نے پہلے بیان فرمادی ہے۔ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ان کے دلوں میں بیماری ہے اور وہ بیماری دن بدن بڑھتی چلی جارہی ہے۔ جس طرح کہ اسلام بڑھتا چلا جارہا ہے

اسی طرح ان کی وہ بیماری بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ آج کی جو آیات گرامیہ تلاوت کی گئی ہیں۔ ان میں ان کے نظریئے کی شرارتوں کو اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا اور ساتھ ہی ہمیں بھی متنبہ فرمایا۔ کہ تم بھی اگر اپنے ایمان کو اس منہج پر لاؤ گے۔ تو میرے نزدیک تمہارے اس ایمان کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوگی۔ تمہارا ایمان ایک کھرا اور صحیح ایمان ہونا چاہیئے۔ جو پہلی آیت ارشاد فرمائی وہ وَ اِذَا قِیۡلَ لَهُمۡ لَا تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ ۙ قَالُوۡۤا اِنَّمَا نَحۡنُ مُصۡلِحُوۡنَ ہے۔

ترجمہ :- جب ان منافقوں سے کہا جاتا ہے کہ تم زمین میں فساد نہ پھیلاؤ تو جواب میں یہ کہتے ہیں کہ اصلاح کرنے والے تو ہم ہی ہیں۔ یعنی اپنے اس فساد کو وہ اصلاح سمجھتے ہیں۔ ان کی یہ بیماری اس حد تک بڑھ چکی ہے۔ کہ وہ اپنے آپ کو تندرست اور دوسروں کو بیمار سمجھتے ہیں۔ اپنے آپ کو مصلح اور دوسروں کو برا سمجھتے ہیں اپنے آپ کو مصلح اور دوسروں کو مفسد سمجھتے ہیں۔ اپنے آپ کو دانا اور دوسروں کو بے وقوف سمجھتے ہیں۔ تو قرآن کریم نے ان کی پہلی نشانی بتلائی وہ یہی ہے کہ وہ اپنے فساد کو اصلاح سمجھتے ہیں۔ اپنے اس نفاق کے متعلق ان کا فیصلہ ہے کہ ہم دنیا کی اصلاح کر رہے ہیں۔ اصلاح کیا ہے کہ جب مسلمانوں کے پاس بیٹھتے ہیں۔ تو اُن کے گُن گاتے ہیں۔ کافروں کے پاس بیٹھتے ہیں تو ان کے گن گاتے ہیں۔ ہم تو دونوں کو خوش کر رہے ہیں۔ اور یہ "اصلاح ہے۔ ہم لڑاتے نہیں کہ مسلمانوں کے پاس جا کے کہہ دیں کہ جی تمہارے دین میں فلاں فلاں باتیں اچھی ہیں۔ اور کافروں کے پاس جا کے کہہ دیں کہ تمہارے دین میں فلاں فلاں باتیں بُری ہیں۔ ہمیں کیا پڑی ہے کہ ہم دونوں کے ساتھ لڑتے رہیں یا دونوں سے ہم اپنے جھگڑے ڈالیں۔ ہم تو مصلح ہیں۔ اصلاح کرنے

والے ہیں۔ اور اصلاح کا مفہوم ان کے نزدیک کیا تھا؟ کہ سب کو خوش رکھو

میرے بزرگو اور میرے دوستو! ایک نظریہ دنیا میں یہ بھی چلا۔ اب بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔ وہ نظریہ یہ ہے کہ سب کو اچھا سمجھو۔ جہاں تک انسانی قدروں کا تعلق ہے۔ جہاں تک انسانی بہتری اور بہبودی کا تعلق ہے۔ جہاں تک کائنات کی بہتری اور بہبودی کا تعلق ہے۔ اس حد تک تو ہر کسی کو اچھا سمجھنا اور معنوں میں ہے۔ مثلاً اگر ایک انسان دیکھتا ہے کہ کتا پیاسا ہے۔ انسان اور کتے میں کتنا فرق ہے۔؟ انسان انسان ہے اور کتا بدترین مخلوقات ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ اس پیاسے کتے کو پانی پلا دیا جائے۔ یہ ہے اصلاح۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث ہے

آپ سے پوچھا گیا جیسے کہ بخاری شریف میں ہے۔ آپ میں سے اکثر دوست جانتے ہوں گے یا سنتے رہے ہوں گے کہ ایک فاحشہ عورت یا ایک بدکار مرد کی مغفرت اس لئے ہو گئی تھی کہ اس نے ایک پیاسے کتے کو پانی پلایا تھا۔ امام الانبیاء جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام نے پوچھا۔ کہ حضرت! (صلی اللہ علیہ وسلم) کتے کے ساتھ بھی بھلا کرنے میں کچھ اجر ہے؟ فرمایا۔

فِی کُلِّ ذَاتِ کَبِدٍ رَطْبَۃٍ اَجْرٌ ہاں کتا تو کتا رہا جس کے بھی بدن میں ترجگر ہے اس کے ساتھ نیکی کرنے میں اجر ہے۔ بلکہ ہر ذی روح تو بجائے خود رہا رحمۃ اللعلمین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہاڑوں کے متعلق ہدایات دیں پودوں کے متعلق ہدایات دیں۔ سبز پودوں کو بلا ضرورت مت کاٹو زمین پر اکڑ کر مت چلو نا جائز طریقے پر زمین پر پاؤں مت مارو زمین پر ایسی لاٹھی مت مارو کہ جس سے زمین میں سوراخ ہو جائے۔

مقصد عرض کرنے کا یہ ہے کہ جہاں تک اصلاحِ عالم کا یہ مفہوم ہے کہ اللہ
کی ہر مخلوقات کے ساتھ بہتری کا سلوک کیا جائے اس کا تو سب سے پہلا داعی اسلام
ہے۔ اور سب سے پہلے یہ پہلو اسلام نے پیش کیا۔ کہ اللہ تعالےٰ کی ساری کائنات
کے ساتھ اچھا اور بہتر سلوک کرو۔ لیکن جہاں تک اس کی برائیوں کے بیان کرنے
کا تعلق ہے۔ اسلام یہ کہتا ہے کہ بُرے کو بُرا کہو۔ بُرے کی بُرائی کھو بیان کرو۔ اپنی
زبان کو مت دباؤ۔ ایسی غلط پالیسی مت اختیار کرو۔ اگر تمہارے سامنے کسی شراب
کا ذکر آئے تو شراب کی بُرائی بیان کرو۔ اس کی ذات کے ساتھ عداوت تو تمہیں
نہیں ہے۔ تم شراب کی بُرائی بیان کرو۔ تم زنار کی بُرائی بیان کرو۔ کافر کے کفر
بیان کرو۔ تم یہ مت کرو تمہارے سامنے اگر فرعون کا ذکر آجائے تو کہہ دو کہ جی
ہم سے تو سب ہی اچھے ہیں۔ اللہ فرماتا ہے فرعون لعنتی ہے جہنمی ہے۔ تمہارے
سامنے ابولہب کا ذکر آجائے تو تم کیا کہو گے؟ قرآن نے فرمایا تَبَّتْ يَدَا
أَبِي لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا
كَسَبَ ۝ یہ نظریہ درحقیقت ان لوگوں کا ہے جو لوگ کسی کے ساتھ اُلجھتے
نہیں اور اپنا وقار قائم کرنا چاہتے ہیں کہ اگر ہم نے کسی کو اپنا مخالف بنا لیا۔ تو
ہماری ترقی میں رکاوٹیں پیدا ہو جائیں گی۔ چلو جی یہ کہہ دو کہ ہم سے سب اچھے۔
بھائی کیوں؟ جس کو اللہ تعالےٰ بُرا کہتا ہے۔ تم کیوں اس کو بُرا نہیں کہتے؟ جب
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ
النَّارِ[1] جب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ شراب پینے
والے پر خدا کی لعنت، پلانے والے پر خدا کی لعنت اور شراب بنانے والے

---

[1] النساء: ۱۴۵

پر خدا کی لعنت۔ فروخت کرنے والے پر خدا کی لعنت۔ ایجنٹی کرنے والے پر خدا کی لعنت۔ تم اس حدیث کو کیوں نہیں بیان کرتے۔ تم کیوں کہتے ہو۔ کہ اگر شراب پیتا ہے تو اپنی جگہ ہے مجھ سے تو اچھا ہے۔ تجھ سے کیوں اچھا ہے؟ تم یہ کہو دیکھو الحمد للہ میں شراب نہیں پیتا یہ شرابی ہے۔ الحمد للہ میں بے نماز نہیں ہوں۔ یہ بے نماز ہے۔ اس صفت سے تو تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ اور اس کے عیبوں کو بیان کرو۔ یہ دعویٰ کرنا کہ إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ کہ جی ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں جس کے پاس بیٹھے رہے اس کے ہی گن گاتے رہے سخت دھوکہ میں اپنے آپ کو ڈالنے کے مترادف ہے۔

میں نے کسی کتاب میں پڑھا ہے۔ اور جہاں تک میرا خیال ہے المجالس السنیہ ایک کتاب ہے۔ احادیث اربعین کی شرح ہے۔ اس میں میں نے واقعہ پڑھا ہے اللہ تعالیٰ کے ایک ولی کا کہ وہ تشریف لے گئے کسی بستی میں۔ جا کر دیکھا ایک جنازہ تھا۔ اس پر بڑا ہجوم ہے۔ مخلوقات بڑی کافی ہے۔ ایک آدمی مر چکا تھا۔ جنازہ پڑھنے کے بعد انہوں نے متعدد آدمیوں سے تبادلہ خیالات کیا۔ پوچھا بتاؤ بھائی یہ آدمی کیسا تھا؟ اس محفل میں سے جتنا بڑا مجمع تھا کسی آدمی نے بھی نہیں کہا اس کے متعلق کہ یہ سخت گیر تھا۔ یا اس کی عادت سخت تھی۔ یا کسی معاملے میں متعصب تھا۔ یا کسی معاملے میں متشدد تھا۔ جس سے بھی پوچھا سب نے کہا کہ جی میرے ساتھ اس کے تعلقات اچھے تھے۔ اس اللہ کے ولی نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایمان سے خالی چلا گیا ہے۔ اس سے کوئی بھی اللہ کے لئے خفا نہیں؟ اس نے کبھی کسی شرابی کو برا نہیں کہا؟ کبھی کسی زانی کو برا نہیں کہا؟ کبھی کسی بے نماز کو برا نہیں کہا؟ کبھی کسی بے دین کو برا نہیں کہا؟ معلوم ہوتا ہے ہر جائی تھا۔ جہ ملتا گیا اسی کے ساتھ

تعلقات قائم رکھتا گیا۔[1] حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایک بستی پر عذاب نازل کرنے کا حکم دیا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ فلاں نیک کو عذاب میں مبتلا کر دے کہ میرے دین کے مخالفوں کے لئے بھی کبھی اس کی پیشانی پر بل بھی نہ آیا تھا۔

بہتری اور بہبودی میرے دوستو اور چیز ہے اور برائی کا بیان کرنا یہ اور چیز ہے۔ یہی فرق ہے۔ علماء حق میں اور علماء سوء میں۔ علمائے سوء کے سامنے جو آ گیا "جی مجھ سے بہتر ہے" علمائے حق کہتے ہیں۔ کہ نہیں بھائی تیرے اور میرے میاں رشتہ ہے واقعی اس میں کوئی شک نہیں تم بھی انسان ہو اور میں بھی انسان ہوں تم بھی مسلمان ہو میں بھی مسلمان ہوں۔ لیکن تم میں جو فلاں فلاں عیوب و نقائص ہیں ان کو دور کر دو۔ بہتری اور چیز ہے۔ بہتری جاننا اور چیز ہے۔ اس کی اصلاح اور چیز ہے۔

بھائی ایک موٹی سی مثال ہے اگر ایک بیمار جاتا ہے ہسپتال میں ڈاکٹر کے پاس کہ ڈاکٹر صاحب میری ٹانگ میں درد ہے۔ یا ناسور ہے۔ میری ٹانگ کا آپریشن کیجئے۔ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں بھائی تم مجھ سے اچھے ہو جاؤ گھر جا کر آرام کرو۔ تو کیا ڈاکٹر نے اپنا فرض ادا کیا ہے؟ وہ تو کہتا کہ ادھر آ جاؤ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ تمہارا سارا بدن ٹھیک ہے۔ یہ ٹانگ پہ ذرا سا ناسور ہے۔ میں آپریشن کر دیتا ہوں یہ تو ڈاکٹر نے اپنا فرض ادا کیا؟ اگر ڈاکٹر یہ کہہ دے۔ کہ تمہیں غلط کسی نے کہا ہے۔ تم مجھ سے طاقتور ہو۔ میں ایک میل دوڑتا ہوں تم تین میل دوڑ سکتے ہو۔ تو میرا خیال ہے ڈاکٹر نے اس پر زیادتی کی۔ اپنے منصب

---

[1] مشکوٰۃ باب الامر بالمعروف

سے اس نے غلط فائدہ اٹھایا۔ اور بیمار کے ساتھ خیر خواہی نہیں کی بلکہ بد خواہی کی۔ اللہ والے۔ علمائے حق ہمیشہ جو کچھ کہتے ہیں۔ آپ نے سنا ہو گا۔ الحمدللہ آپ دوست اللہ والوں کے ساتھ ملنے والے ہیں ہمارے اکابر رحمۃ اللہ علیہم ہمیشہ یہ کہا کرتے تھے۔ اور خصوصاً امام الاولیاء حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ تو کہا کرتے تھے کہ میں پہلے اپریشن کرتا ہوں پھر مرہم لگاتا ہوں۔ بات ٹھیک ہے ڈاکٹر کا کام ہے کہ پہلے اپریشن کرے پھر مرہم لگائے۔ لیکن اپریشن بھی نہ کرے مرہم بھی نہ لگائے کہہ دے سب ٹھیک ہے تم درست ہو۔ جاؤ اپنی موج کرو۔ تو وہ ناسور بڑھتے بڑھتے وقت آئے گا کہ اس کو ختم کر دے گا۔ اہل اللہ یہ نہیں کرتے۔ اصلاح کا مفہوم یہ نہیں میرے دوستو۔ بہتری اور چیز ہے۔ بہتری کا چاہنا اور چیز ہے۔ لیکن حق بات کہنا اور چیز ہے۔

حضرت خواجہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ (شیخ احمد سرہندی) جو خاندان نقشبندیہ میں اللہ کے بہت بڑے ولی گزرے ہیں اور ہمارے نظریہ کے مطابق مجدد الف ثانی ہیں یعنی ایک ہزار سال بعد اللہ تعالےٰ کے دین میں جو بدعات پیدا ہو گئی تھیں۔ ان کی اصلاح کے لئے گیارہویں صدی ہجری میں جس کو پیدا کیا وہ ہیں حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ۔ اکثر دوستوں نے ان کا مزار پُر انوار دیکھا ہوگا۔ نقشبندی طریقہ کے بہت بڑے کامل اولیاء میں سے ہیں۔ یہ زمانہ ہے جہانگیر کا اکبر نے جو دین الٰہی پھیلایا تھا کہ سب دین اچھے ہیں اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ پر بات چل رہی ہے۔ یہ سب درس قرآن ہی ہے۔ اکبر نے دین الٰہی پھیلایا تھا۔ کہ سب دین اچھے ہیں۔ ہندو مل گئے یہ بھی اچھے کیتھولک عیسائی اس وقت آچکے تھے مدراس میں۔ کیتھولک عیسائیوں کے ساتھ

ملنا اکبر کا ثابت ہے۔ بلکہ بعض کتابوں میں تو لکھا ہے کہ ۱۵۹۷ء تک ۲۳ آدمی
عیسائی ہو چکے تھے اور لاہور میں گرجا بن چکا تھا۔ اس حد تک بھی تاریخوں میں آیا
ہے اکبر نے ایک معجون مرکب تیار کر دیا تھا۔ جیسا کہ آج کل ہمارے بعض بھائیوں
کے دماغ میں یہ بات آچکی ہے کہ یہ مذہبی جھگڑے ختم ہونے کے لئے ایک مشترکہ
دین بنا دو اور وہ کیا ہے؟ "سب اچھا ہے" عیسائی ملے، سب اچھا ہے۔ یہودی
ملے، ٹھیک ہے، مشرک ملے، ٹھیک ہے، بت پرست ملے، ٹھیک ہے۔ خدا کو
نہ ماننے والا ملے، ٹھیک ہے۔ "لاالف" کا ایڈیٹر ملے، ٹھیک ہے۔ "ٹائم" کا ایڈیٹر
ملے، ٹھیک ہے۔ بتاؤ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرگی کا بیمار کہنے والا
ملے، ٹھیک ہے، سب ٹھیک ہے۔ ایسا دین بنا دو کہ یہ مذہبی جھگڑے ختم ہو جائیں
تو پھر بتائیں کیوں بناتے ہو؟ ایک ایسا ادارہ بنا دو کہ کوڑھی بھی اس میں
داخل کر دو، خارش والے بھی داخل کر دو، جذامی بھی داخل کر دو، اندھے بھی داخل کر دو، پاگل بھی
داخل کر دو، صورت والے بھی داخل کر دو اور کہہ دو کہ سب ٹھیک ہے۔ ادھر تو بدی کی اتنی احتیاط
کرتے ہو کہ چھوت چھات کا مسئلہ اب تک چلا جا رہا ہے بیمار کو ہاتھ لگا دو تو صابن سے دھوتے
ہو لیکن ایک کافر کے ساتھ ہاتھ لگ جائے تو پتہ نہیں کہ کتنا کفر اندر چلا
گیا ہے۔

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس دین کو جس کو اکبر نے پیش کیا تھا
دین الٰہی یا دین اکبر کے نام سے، اس کو مٹانے کی کوشش کی۔ جہانگیر کی حکومت
تھی۔ جہانگیر تک یہ بات پہنچی۔ میں بتا رہا ہوں خیر خواہی اور اصلاح۔ اس پر
میں عرض کر رہا ہوں۔ یہ اللہ تعالیٰ سمجھا دیتے ہیں۔ میں تو بہت بڑا گنہ گار ہوں

لے آئینہ تلبیس صـ ۳۴۵

یہ انہی لوگوں کی برکت ہے۔ جن کی برکتوں سے آپ سب لوگ یہاں اکٹھے ہوئے ہیں۔ اکبر نے ایک دین بنایا تھا۔ جس کو دین اکبری بھی کہتے ہیں۔ [illegible] الٰہی بھی کہتے ہیں۔ آپ سب دوست جانتے ہیں کہ اکبر کا مشن کیا تھا۔ چنانچہ اس کی خباثت کو دُور کرنے کے لئے اللہ تعالے نے مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں بات ڈالی۔ کہ جو یہ گندگی پھیلا گیا ہے۔ اس کو دُور کرو۔ چنانچہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے خلاف قلبی اور زبانی جہاد کیا۔ جہانگیر کی حکومت تھی۔ جہانگیر تک اطلاعیں پہنچیں۔ کہ ایک مجدد سرہندی فقیر اپنی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے۔ تمہارے مقابلے میں ایک متوازی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے۔ تمہیں پتا چلنا چاہیے۔ میں اختصار کے ساتھ عرض کر رہا ہوں۔ چنانچہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو دہلی بلایا گیا۔ جس رنگ میں بلایا گیا وہ آپ بھی جانتے ہیں۔ کہ کیا رنگ ہوگا اس وقت نہ موٹریں تھیں نہ کاریں تھیں نہ ہوائی جہاز تھے اور پھر سلطانی معتوب جو انسان ہو اس کو کس طرح بلایا گیا ہوگا؟ آپ دلی دربار میں پہنچے جہانگیر تخت پہ بیٹھا ہوا تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پیش ہوئے۔ تو اس نے پہلے آپ کو مرعوب کرنے کے لئے مختلف ساز و سامان کئے۔ لیکن آپ پر ان سامانوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ جس کا تعلق اللہ تعالے سے ہو جائے بھائی میرے دوستو اور میرے بھائیو خدا مجھے بھی اور آپ کو بھی یہ بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ جس کا سر خدا کے سامنے جھک جائے۔ اس میں اللہ تعالے وہ قوت پیدا کر دیتا ہے۔ کہ وہ ساری کائنات کو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ہیچ سمجھتا ہے۔ یہ بالکل حقیقت ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وہ میری گردن تو خدا کے سامنے جھکی ہے میں تجھے کیا سمجھتا ہوں۔ کہ تو کیا ہے۔ اقبال کا شعر ہے ؎

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

ایک اللہ کے سامنے جھک جا غیر اللہ کے سامنے سجدے کرنے سے تو بچ جائے گا۔ تیرا ضمیر اتنا مستقل اور طاقت ور ہو جائے گا کہ تو اللہ کے بغیر کسی کو بھی معبود نہیں مانے گا۔ چنانچہ شیخ سرہندی رحمتہ اللہ علیہ پہنچے۔ جہانگیر کے دربار میں جا کے ہاتھ میں ہاتھ دئیے اور السلام علیکم کہہ کر بیٹھ گئے۔ اور جتنے وہاں پر تھے کوئی فرشی سلام کرنے لگا کوئی عرشی سلام کرنے لگا۔ یہ بھی عجیب لعنت تھی۔ اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو بچایا یعنی تقسیم سے پہلے ریاستوں میں چھوٹے چھوٹے جو ہمارے نواب بھائی تھے۔ اللہ ان کے گناہوں کو معاف فرمائے اور اللہ ان پر رحم و کرم فرمائے۔ اپنے کئے کی کافی سزا بھگت چکے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے نواب ہوتے تھے۔ لیکن ان کے ہاں سلام کے جو طریقے تھے۔ اکثر میرے دوست جانتے ہوں گے۔ کہ ان کے ہاں فرشی سلام ہوتے تھے۔ نواب صاحب تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایک آدمی آتا ہے۔ زمین پر لیٹ جاتا ہے یہ فرشی سلام ہے۔ کوئی عرشی سلام تھے۔ پتہ نہیں کتنی قسمیں تھیں سلاموں کی۔ "حضور پُر نور" لاحول ولا قوۃ الا باللہ مٹی کے بنے ہوئے بندوں کو بیسیوں کے لئے ہم نے کیا کیا کہا ہوا ہے۔ اللہ ہمارے سب کے گناہوں کو معاف فرمائے۔ جو اپنے وجود کو پھر باقی نہ رکھ سکے ان کو ہم نے کہا "حضور پُر نور" حضور پُر نور تو صرف ایک ذات ہے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باقی یہ خاک دھرن کے انسان ہیں کہاں نور ہے؟ اگر نور ہوتا تو یہ اللہ تعالےٰ کے نافرمان ہوتے؟ ایک ہی حضور پُر نور ہیں۔ سید الانبیاء جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

تو آپ تشریف لے گئے۔ آپ نے جہانگیر کے ہاتھ میں ہاتھ دیا۔ اور بیٹھ گئے بات آ گئی۔ جو شیخ الاسلام تھے۔ اس وقت جہانگیر کے (ہم جیسے مولوی) انہوں نے مجدد صاحب سے کہا کہ مولوی صاحب! آپ نے آداب سلطانی کو پورا نہیں کیا "فرمایا کیا"؟ کہنے لگے کہ آپ آئے آپ نے ہاتھ میں ہاتھ دیا اور بیٹھ گئے فرشی سلام نہیں کیا۔ سلطان کا آپ پوری طرح آداب بجا نہیں لائے۔ کورنش بجا نہیں لائے۔ فرمایا کہ میں کورنش نہیں جانتا۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ غیر اللہ کے سامنے مت جھکو۔ مولوی صاحب نے کہا جی اس وقت اس پر عمل کرنا جائز ہے۔ اور رخصت ہے۔ جہاں بادشاہ ہو۔ تو رخصت ہے۔ فرمایا کہ مجدد رخصت پر عمل نہیں کرتا عزیمت پر عمل کرتا ہے۔ یہ **علمی نکتہ** ہے۔ رخصت پر عمل نہیں کرتا۔ جہانگیر کے ساتھ بات ہوئی۔ تو آخر فیصلہ یہ ہوا۔ کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو گوالیار کے قلعے میں بند کر دو۔ گوالیار کے قلعے میں مجدد صاحب کو پھر بند کر دیا۔ اللہ کا فقیر اللہ کا بندہ گوالیار کے قلعے میں اپنی منزل روحانی طے کر رہا ہے۔ ان کو یہ کیا پتہ کہ جیل خانے میں کیا ہوتا ہے؟ بند شوں میں کیا ہوتا ہے۔ یا بندیوں میں کیا ہوتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو نکالا فرعون نے۔ مدین تشریف لائے۔ مدین سے واپس گھر جا رہے ہیں جلا وطنی کی حالت میں کوہ طور پہ کیا ہوا؟ اللہ نے فرمایا۔ [1] اِنِّیۡۤ اَنَا اللّٰہُ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ اے موسیٰ ادھر آ میں تجھے نبوت دیتا ہوں۔ فرعون نے ملک سے نکال دیا۔ اللہ نے نبوت دے دی۔ یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے کنوئیں میں ڈال دیا۔ عزیز مصر نے جیل خانے میں ڈال دیا۔ اللہ نے فرمایا یوسف میں تجھے مصر کا بادشاہ بنا دیتا ہوں۔ چنانچہ مصر کی حکومت آپ کو عطا ہوئی۔ اسی طرح

---

[1] القصص ۳۰

دیکھ لیجئے۔ اللہ کے فقیر۔ پھر انہی کا نام ہمیں لینا پڑتا ہے ہمارے سامنے زندگی ان ہی لوگوں کی ہے۔ حضرت لاہوری رحمتہ اللہ علیہ کو ہتھکڑیوں میں بیڑیوں میں جکڑ کر لاہور کی کوتوالی میں بند کر دیا گیا۔ کہ آپ اس دائرے سے باہر نہیں جا سکتے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فقیر جب لاہور میں آیا تو ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں محبوس تھا۔ لیکن جب لاہور سے گیا تو دہ لاکھ کے مجمع نے آپ پر پھول برسائے۔ یہ ہیں اللہ والوں کے کام۔ کیا ہم جانتے ہیں ان کی قدریں۔ ہمیں کیا پتہ ہے کہ یہ لوگ کیسے ہوتے ہیں۔

چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کو قید کر دیا گیا۔ سال یا دو سال کا عرصہ گزرتا ہے۔ جہانگیر خواب دیکھتا ہے۔ کہ دہلی کی شاہی مسجد میں بہت بڑا اجتماع اور ہجوم ہے۔ پوچھتا ہے کہ کیا بات ہے؟ بتایا گیا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ تشریف فرما ہیں۔ اور یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے چلے جا رہے ہیں جہانگیر آخر مسلمان تو تھا۔ لپکا، دوڑا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا۔ امام الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہٹ جاؤ میرے سامنے سے تو نے ایک بہت بڑے انسان کو جیل میں ڈال رکھا ہے۔ بس اٹھا، کانپتے ہوئے گوالیار خود پہنچا حضرت خواجہ سے بیعت کی۔ آپ سے معافی مانگی۔

یہ کیا تھا؟ یہ تھی اصلاح۔ مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے اصلاح کی لیکن بہبودی کا جب وقت آتا ہے بہتری کا اب دیکھئے یہ بہتری کا وقت ہے۔ جہانگیر روتا ہے۔ معافی کا خواستگار ہے۔ کہا مجھے معاف فرما دیں فرمایا کہ جہانگیر تو نے میرے ساتھ وہ کیا جو تیرے شایانِ شان تھا۔ میں تیرا بدخواہ نہیں تھا۔ میں تیرا خیر خواہ ہوں۔ اس وقت بھی تھا اور اب بھی ہوں۔ میں تیرے ساتھ وعدہ کرتا ہوں کہ اگر قیامت میں اللہ تعالیٰ جنت میں لے گئے تو میں تیرے بغیر جنت میں نہیں جاؤں گا۔

نے بہتری وہ ہے اصلاح۔ یہ بات پہلے کیوں نہیں کی؛ پہلے آپریشن کیا خوب آپریشن کیا۔ اسکی رگیں پھاڑ دیں۔ دین اکبری کا بیڑا غرق کیا۔ اکبر کے دین کو دفن کیا۔ جب اصلاح ہوگئی پھر اب مرہم لگائی کہا جہانگیر تو نے میرے ساتھ وہ کیا اور میں تیرے ساتھ وعدہ کرتا ہوں کہ اگر خدا نے مجھے جنت دی تو میں جنت میں گیا تو میں تیرے بغیر جنت میں نہیں جاؤں گا۔

اس واقعہ کو مولانا محمد میاں صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ العلماء ہند نے مجدد الف ثانی رح کے تذکرے میں جو علمائے ہند کا شاندار ماضی کے نام سے چھپا ہے پہلی جلد میں درج فرمایا ہے انہی کا میں یہ حوالہ دے رہا ہوں یعنی ہمارے علمائے دیوبند کے ہاں یہ مسلّم بات ہے۔ اور یہ نہیں ہے کہ میں کسی اور کا حوالہ دے رہا ہوں۔ تو اس لئے فرمایا کہ ان کا کیا حال ہے۔ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ کہتے ہیں کہ ہم مصلح ہیں مصلح کا معنی یہ سمجھے بُرے کو بُرا نہ کہو۔ اچھے کو اچھا نہ کہو۔ اپنے دن گزارو۔ میرے بھائی! یہ تو فساد کا پیش خیمہ ہے اور یہ وہی چیز ہے جس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب میری امت میں ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے جو بُرے کو بُرا نہ کہیں گے۔ اچھے کو اچھا نہ کہیں گے امّع بن جائیں گے امّع کے معنی جس کے پاس بیٹھے اسی کے ہو گئے۔ اس وقت میری امت فتنوں کا شکار ہو جائیگی۔[1] لیکن جس وقت تک میری امت میں حق بات کہنے والے ہوں گے اس وقت تک حق کا آوازہ بلند ہوتا رہے گا۔ اور یہ بات قیامت تک رہے گی۔

ارشاد فرمایا۔ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ بے شک یہی لوگ فسادی ہیں۔ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ؁ لیکن وہ لوگ سمجھتے نہیں کہ ہم فساد کر رہے ہیں۔ یہ تو فسادی ہیں جب بُرے کو بُرا نہ کہا چھٹی دے دی۔ اچھے کو اچھا نہ کہا۔ تو میرے بھائیو! یہ اچھی بات ہوئی یا بُری بات ہوئی؟ فساد تو یہ ہے۔ چنانچہ میرے دوستو، میرے بھائیو آپ میں سے جو دوست سیرت کی کتابوں کا مطالعہ کر چکے

---

[1] مشکوٰۃ

ہو گئے۔ یا مغازی کی تاریخ دیکھ لیجئے۔ جتنے فتنے کھڑے کئے سب منافقوں نے کھڑے کئے۔ جنگ بدر سے لے کر جتنی جنگیں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑیں یا لڑائی گئیں ان میں زیادہ ہاتھ انہی لوگوں کا تھا۔ تو قرآن نے تردید فرمائی۔ اَلَآ (یاد رکھو) اِنَّھُمْ (ایسے ہی لوگ یہی لوگ) ھُمُ الْمُفْسِدُوْنَ (یہی فسادی ہیں) وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ (لیکن یہ سمجھتے نہیں کہ یہ فساد ہے) جیسے کہ ایک بیمار کی بیماری حد سے بڑھ جائے اور وہ اپنے آپ کو اچھا کہے اور تندرست کو پاگل کہے۔ ایسے لوگ بھی تو ہیں جو اپنے آپ کو تندرست کہتے ہیں۔ اور تندرستوں کو بیمار کہتے ہیں۔ فرمایا کہ سمجھ بھی نہیں سکتے۔ اس حد تک نفاق ان پہ چھا چکا ہے کہ ان کی جو قوتِ ممیزہ ہے وہ سلب ہو چکی ہے۔ اصلاح اور فساد کو بھی نہیں سمجھ سکتے۔

ان کی دوسری نشانی کیا ہے۔ وَاِذَا قِيْلَ لَھُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَھَآءُ اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ السُّفَھَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ابھی میں نے عرض کیا ہے۔ کہ بیماری اتنی بڑھ چکی ہے کہ تندرستوں کو بیمار سمجھ رہے ہیں۔ اور بیماروں کو تندرست سمجھ رہے ہیں یعنی خود بیمار ہیں اپنے آپ کو تندرست سمجھتے ہیں۔ اور جو تندرست ہیں ان کو بیمار سمجھتے ہیں۔ کیسے؟ وَاِذَا قِيْلَ لَھُمْ اور جب ان سے کہا جاتا ہے) اٰمِنُوْا (تم ایمان لے آؤ) كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ (جیسے ایمان لائے یہ اور لوگ) اچھا بھائی! اگر تم واقعی یہ سمجھتے ہو کہ ہم مسلمان ہیں۔ تو پھر تمہارے اسلام میں اور ان سچے مسلمانوں کے اسلام میں فرق کیوں ہے؟ پھر تم ایسا ایمان لاؤ جیسے ایمان

کون لائے۔ یہ لوگ اُن لوگوں سے کون مُراد ہے؟ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ، عثمان غنی رضی اللہ عنہ۔ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ۔ خالد رضی اللہ عنہ۔ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔
قَالُوْٓا (تو یہ منافق جواب میں کہتے ہیں)، اَنُؤْمِنُ (کیا ہم ایمان لے آئیں؟) كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ (جس طرح یہ لوگ ایمان لے آئے ہیں؟) یہ تو بیوقوف ہیں۔ ان پڑھ ہیں۔ ہم تو ریسرچ کے بعد ایمان لاتے ہیں۔ اور تحقیق کرتے ہیں۔ کہ نمازیں پانچ فرض ہیں یا تین؟ ابھی تک تحقیق ہو رہی ہے۔ ہمارے یہاں بھی اَلَآ (یاد رکھو) اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ (یہی لوگ تو بیوقوف ہیں) وَ لٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ (لیکن اپنی بے وقوفی کو نہیں جانتے) بے وقوف تو یہ ہیں۔ کہ مُسلّمہ چیزوں کی مخالفت کرتے ہیں۔

میرے دوستو اور بزرگو! ہر چیز کے جاننے والے پہچاننے والے اس کی علم اور اس کو سمجھنے والے خاصیات کو سمجھنے والے موجود ہیں۔ لِكُلِّ فَنٍّ رِجَالٌ ۔ اگر ہم مستریوں کا کام کرنا چاہیں۔ کوئی مکان بنانا چاہیں تو مشورہ کس سے لیں گے؟ حجام سے لیں گے یا مستری سے لیں گے مستری سے لیں گے! اور بچے کا ختنہ کرنا چاہیں۔ تو مشورہ مستری سے لیں گے یا حجام سے لیں گے؟ حجام سے لیں گے۔ کوٹ سلانا چاہیں تو مشورہ کس سے لیں گے؟ موچی سے لیں گے یا درزی سے لیں گے؟ درزی سے لیں گے۔ اور جوتا سلانا چاہیں تو مشورہ درزی سے لیں گے یا موچی سے؟ ہمیں نے کبھی نہیں کہا کہ چھوڑو جی یہ کیا جانتا ہے۔ میں تو بوٹ بنانے والے کی جو بات ہے یہ پوچھوں گا اپنے امام سے ہمارے مولوی صاحب اچھا جانتے ہیں۔ کہ بوٹ کیسا بنانا چاہیئے۔ اور کوٹ

سلانے کی بات ہے۔ یہ ہمارے گاؤں میں ایک لوہار ہے وہ لوہے کا کام بہت اچھا کرتا ہے لیکن پوچھوں گا کہ کورٹ کیسے بنانا چاہیئے۔ تو بھائی اسے کون عقلمند کہے گا۔ لِكُلِّ فَنٍّ رِجَالٌ ہر فن کے لئے رجال ہیں تو اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ میرے دین کا۔ جس ایمان کو میں تم سے چاہتا ہوں۔ اس ایمان کا میں نے ایک نمونہ بنا دیا ہے۔ اور وہ نمونہ کون ہیں۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ[1] سب سے بڑا نمونہ کون ہیں؟ جناب محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی ذات بابرکات اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام نے عملی حصہ لیا۔ عیسائیت میں تو یہ ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ الصّلوٰۃ والتسلیم کو جب صلیب لگانے لگے۔ (انجیل کی روایت کے مطابق) بارہ حواری تھے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بارہ میں سے ایک تھا یہودا۔ اس نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو تیس روپلے کھوٹے لے کر پکڑوا دیا۔ پیچھے گیارہ رہ گئے۔ انہوں نے بھی جب حضرت مسیح علیہ السلام کو صلیب لگانے لگے۔ (انجیل کی روایت کے مطابق) تو یہ گیارہ کے گیارہ بھاگ گئے۔ اور صلیب پر آپ کو جب لگایا گیا تو انجیل یہ کہتی ہے کہ آپ نے کہا ایلی ایلی لَمَا سَبَقْتَنِي یعنی اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں اکیلا چھوڑ دیا۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام عیسائیت کے لئے نمونہ پیش نہ کر سکے انجیل نہیں بتا سکتی کہ عیسائی ہونے کا نمونہ کیا ہونا چاہیئے ان کے نبی کی کوئی تعلیم ان کے پاس نہیں ہے۔ لیکن جذبے کی قدر کرنی پڑے گی۔ آج اخباروں میں شور ہے۔ لیّہ میں عیسائی ہو گئے۔ اور مشرقی پاکستان میں عیسائی ہو گئے۔ تو کیوں نہ ہوں تم کیا کر رہے ہو؟ تم کلبوں میں ناچو۔ تم ثقافتی شو کرو۔ سرمایہ دار کارخانے لگائیں۔

---

[1] احزاب ۲۱

لما مجھ سے ناراض نہ ہوں) یہ ہمارے علماء نور و بشر کے جھگڑے کریں۔ اور پیران
طریقت نقشبندیہ، سہروردیہ کے جھگڑے کھڑے کریں۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے دین پر عیسائی ڈاکے ڈال رہا ہے۔ کیا ہمارے سامنے کوئی پروگرام نہیں؟
پانچ سو مشنری ہیں۔ اس وقت مشرقی پاکستان میں۔ پانچ سو مشن کام کر رہے ہیں
کے اخبار میں آپ نے پڑھا ہو گا۔ تو کبھی ہم نے غور کیا؟ کبھی ہم لیٹ گئے؟ کبھی ہم
مشرقی پاکستان گئے۔ کبھی ہم نے کوئی وفد بھیجا؟ کبھی ہم نے غور و فکر کیا؟ ہمارے کسی سرمایہ
دار نے کبھی کہا کہ ایک لاکھ روپیہ میں دیتا ہوں تبلیغی مشن قائم کیجئے اور غیر مسلموں میں
اسلام پھیلایئے؟ مسلمانوں کے عیسائی ہونے کے اسباب کی تلاش کیجئے۔ یہ لوگ کیوں
عیسائی ہوتے جا رہے ہیں؟ آج تک میرے بھائی مسلمان اپنے اسلام کی اشاعت
نہیں سمجھ سکا۔ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داعی الی اللہ تھے۔ پاکستان
بن جانے کے بعد ہمیں تو یہ چاہیئے تھا۔ کہ جو عیسائی یہاں رہ گئے تھے انہیں ہم مسلمان
کرتے جن کو ہم اچھوت کہتے ہیں۔ ان کو ہم مسلمان کرتے لیکن کیا کہا جائے ؎

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہم نے ایک دوسرے کے خلاف کفر کی توپیں لگا رکھی
ہیں۔ اپنی اپنی پارٹیاں کر دیب بنا رکھے ہیں۔ اپنا الو سیدھا کر رہے ہیں۔ میں سچ
عرض کر رہا ہوں۔ قیامت کے دن ہم سب سے سخت باز پرس ہوگی۔ "ہم"
سے مراد پیر۔ مولوی۔ امراء۔ عامۃ المسلمین۔ ایک مسلمان کا مرتد ہو جانا۔ ایک
مسلمان جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو چھوڑ دے۔ اتنے بڑے
وبال کا باعث ہے کہ کوئی وبال اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ایک غیر مسلم کا مسلمان ہو
جانا اللہ تعالیٰ کی اتنی بڑی نعمت ہے۔ کہ اس نعمت سے بڑھ کر اور کوئی نعمت

نہیں ہو سکتی۔ تو وہ دین جس کے پاس کچھ نہیں۔ عیسائی اپنے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی ہمارے سامنے نہیں پیش کر سکتے۔ لیکن وہ پاکستان جیسے ملک میں جس کی بنیاد کیا تھی؟ پاکستان کا معنیٰ کیا؟ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پر حملہ کر رہے ہیں۔ اور مسلمانوں کے سارے طبقے خوابِ خرگوش میں سوئے ہوئے ہیں ہم سب ملوث ہیں اس میں۔ الا ماشاء اللہ کوئی دو چار اللہ کے بندے شور مچاتے ہیں تو ان کو کون سنتا ہے۔ اللہ مجھے بھی اور آپ کو بھی توفیق عطا فرمائے۔

اور یہودیوں کے ہاں کیا ہے؟ وہ تو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ آخر تک لڑتے رہے۔ یہودیوں کے متعلق قرآن نے مسلمانوں کو فرمایا۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ؕ[1]

اے مسلمانو! ایسے مت بننا جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی امت نے دکھ دیا آخر تک بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دکھ دیتے ہی رہے ان پر الزامات لگائے۔ بہت برے برے الزامات لگائے۔ تو میرا عرض کا مقصد یہ ہے کہ یہودیوں کے پاس کوئی تمثیلی دین نہیں ہے۔ یہودی نہیں بتاتے کہ ہمارا دین کیا ہے۔ وہ دین تو انھوں نے خود ہی قبول نہیں کیا۔ قرآن تو یہ کہتا ہے فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ[2] وہ غضبی ہو کر لوٹے۔ عیسائیوں کے پاس کوئی دین نہیں مسلمان کے پاس ایک دین ہے اور قرآن اسی لئے فرماتا ہے۔ امید

---

[1] احزاب ۶۹۔ [2] البقرہ ۹۰

كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ آج مسلمان نمونہ پیش کر سکتا ہے۔ اسلام کا، کس کو پیش کر سکتا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب تھے۔ اُن کے متعلق تو ہم کہہ سکتے ہیں۔ دنیا بھی کہہ سکتی ہے کہ نبی تو گناہوں سے معصوم ہوتا ہے۔ نبی تو اللہ کی طرف سے چنا ہوا ہے وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ[1] نبیوں کو اللہ تعالیٰ چُنتا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ چُنے اس میں کوئی عیب ہوگا؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یہ سارے نبی میرے چُنے ہوئے ہیں۔ میں نے ان کا انتخاب کیا ہے۔ تمہارا انتخاب ہو تو ہو سکتا ہے اندر گڑبڑ ہو جاتے۔ لیکن جسے اللہ چُن لیتا ہے۔ وہ گڑبڑ نہیں ہوتی۔ وہ جانتا ہے کیونکہ وہ علیم و خبیر ہے۔ اُسے پتہ ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کس طرح گزرے گی۔ اسے پتہ ہے کہ حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت داؤد علیہم السلام کی زندگیاں کس طرح گزریں گی۔ اس لئے نبیوں کے معصوم ہونے میں تو شک ہی کوئی نہیں۔ البتہ اسلام ہم نے پیش کیا۔ اسلام نے کہا کہ اگر تم اسلام دیکھنا چاہو، ایمان دیکھنا چاہو، اپنے ایمان کو پرکھنا چاہو۔ تو کس کے ایمان پر پرکھو؟ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ ایسا ایمان لاؤ جیسا ایمان ہے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا۔ جیسا ایمان ہے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا۔ جیسا ایمان ہے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا۔ جیسا ایمان ہے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا۔ جیسا ایمان ہے بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا۔ یہ سارے نمونے قرآن نے پیش کئے۔ دیکھ لیجئے۔ اٰمَنَ النَّاسُ ہے یا اٰمَنَ مُحَمَّدٌ ہے؟

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ صحابہؓ معیارِ حق نہیں وہ کتنی غلطی میں ہیں۔ قرآن تو

---

[1] ص ۴۷

کہتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہ کرو کیونکہ وہ تو سر
نبی ہیں۔ ان جیسے تو تم نہیں بن سکتے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے
نہیں بن سکتے نہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کرتا ہوں کیسے
کر رہے ہیں معیار کما آمن الناس۔ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا جب
کہا جاتا ہے ان منافقوں سے کہ تم ایمان لے آؤ کیسا ایمان؟ کما
آمن الناس جیسے ایمان یہ لوگ لائے۔ تو معلوم ہوا کہ حضور
اللہ علیہ وسلم کے بغیر اور بھی کوئی نمونے ہیں؟ جن کے نمونے کو اللہ تعالیٰ
ہے۔ تو وہ کون ہیں بھائی؟ وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ وہ عمر فاروق
رضی اللہ عنہ ہیں وہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں وہ علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
وہ صحابہ ہیں جن کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ا

ابوبکر فی الجنۃ۔ عمر فی الجنۃ۔ عثمان فی
الجنۃ۔ علی فی الجنۃ۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما
ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ میرے سارے صحابہ سب عادل ہیں اور ا
کی شہادت میں میں یہ ایک واقعہ عرض کر دوں۔ کیا کیا جائے میرے بھائی! حق
یہ ہے کہ جیسے میں یہ باتیں کرتا ہوں۔ یا ہمارے اکابر فرماتے ہیں تو وہ دل
نہیں کرتے ہم چاہتے ہیں کہ اصولی مسائل امت کے سامنے پیش کریں لیکن
میں نے عرض کیا ہے

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

ہمارے اندر سے وہ فتنے اٹھ رہے ہیں کہ الامان والحفیظ۔ اللہ
سب کو دین کی صحیح خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ اسی لئے کبھی کبھی اشا

کرنے ضروری ہیں۔

صحابہ کرامؓ کے متعلق میں نے ابھی عرض کیا کہ صحابہ کرامؓ عادل ہیں[1]
صحابہ کرامؓ اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں۔ قرآن کریم نے کیا فیصلہ کیا؟ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ذٰلِکَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّہٗ[2] میں ان سے راضی یہ مجھ سے راضی۔ کتنا بڑا فیصلہ ہے۔ اور پھر شان دیکھئے کہ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ[3] میں ان مسلمانوں سے راضی ہو گیا۔ جنہوں نے تیرے ہاتھ پر بیعت کی پیڑ کے نیچے بیٹھ کر۔ راضی ویسے ہی ہو گیا؟ نمونہ بنایا تب راضی ہو گیا۔ یا ویسے ہی راضی ہو گیا۔ ڈگری کسی کو ایسے ہی ملتی ہے بلا پاس ہونے کے؟ دوسری جگہ فرمایا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ۔ اے میرے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم جن کا ہاتھ تیرے ہاتھ میں آچکا ہے۔ ان کو معمولی مت سمجھا جائے۔ کیونکہ ان کے ہاتھوں پہ اللہ کا ہاتھ ہے۔ جن کے ہاتھوں پہ اللہ کا ہاتھ ہوگا۔ پھر کیا وہ گمراہی کی طرف (نعوذ باللہ) جائیں گے؟ وہ دین قیم کو چھوڑ دیں گے؟ وہ کوئی ایسی بات کریں گے جس سے دین پر الزام آئے؟ میں ایک مثال عرض کر رہا ہوں۔

بخاری شریف میں ہے۔ امام الانبیاء جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم

---

[1] البینۃ ع۸ [2] الفتح ۱۸ [3] جزء ثالث ص۶۴ مطبوعہ مصر

اللہ وجہ اور دوسرے دو صحابہ کو حکم فرمایا کہ تم جاؤ یہاں سے قریب ایک جگہ ہے روضہ خاخ ایک عورت جا رہی ہے مکہ مکرمہ۔ اس کے پاس ایک خط ہے وہ خط لے کر فوراً میرے پاس پہنچو صحابہ تھے۔ ہم جیسے تھوڑے ہی تھے جو آپ کو کس نے بتایا؟ اگر ہم ہوتے تو کیا پوچھتے؟ جناب کو کس نے بتایا؟ اس وقت اکیلے جائیں؟ چلو صبح کو چلے جائیں گے۔ صحابہ رض نے کیا کیا اسی وقت حضرت علی کرم اللہ وجہٗ اور دوسرے صحابی دوڑے اور راستے جا کر اونٹنی پر جا رہی تھی مکہ مکرمہ۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہٗ فرماتے ہیں۔ کہ تیرے پاس ایک خط ہے۔ وہ خط نکال۔ وہ کہتی ہے میرے پاس خط؟ خط کا کیا تعلق؟ انکار کر دیا۔ تو حدیث میں ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے تنبیہ فرمایا۔ لَاُجَرِّدَنَّكِ تو خط نکال ورنہ ہم تیرے کپڑے اتار کر تیری تلاشی لیں گے۔ (یہ تنبیہہ فرمایا) قاضی کر حاکم کو حق پہنچتا ہے کہ جب دیکھے کہ جو مجرم ہے۔ یہ بات نہیں مانتا۔ تو تنبیہہ کی کہ اگر تو نہیں نکالے گی تو ہم تیرے کپڑے اتار دیں گے۔ وہ ڈر گئی۔ تھی تو کافر مگر ننگا ہونے سے ڈر گئی۔

اب ہماری بچیاں ننگی ہو رہی ہیں اللہ ہماری بچیوں کو شرم و حیا نصیب فرمائے۔ کیا بن رہا ہے۔ ہمارے ملک میں؟ یہ ننگے فوٹو۔ العیاذ باللہ استغفر اللہ۔ استغفر اللہ۔ حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا

رُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٌ فِي الْآخِرَةِ [1]۔

بہت سی وہ عورتیں۔ بہت سے وہ بدن جو دنیا میں ڈھانپے ہوئے تم کو نظر آتے نہیں۔ قیامت کے دن ننگے ہو جائیں گے۔ آج جو ہماری بچیاں لباس پہنتی ہیں۔ اگر میری بچیاں حاضر ہیں تو میں ان سے عرض کرتا ہوں کہ میری بچیو! اس

---

[1] مشکوٰۃ بحوالہ بخاری۔

فانی زندگی پر عزو رمت کرد۔ تمہارے بازو کا ننگا ہوجانا تمہارے پورے بدن کا ننگا ہوجانا ہے۔ تمہارے دانت بھی کسی کے سامنے ننگے نہ ہوں۔ تمہارے بال بھی پردہ۔ تمہاری آواز بھی پردہ۔ تمہارے ناخن بھی پردہ۔ تمہارے پاؤں بھی پردہ۔ تمہاری شکل بھی پردہ۔ تمہارا قالب اور وجود بھی پردہ۔ بعض کتابوں میں آتا ہے۔ کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا رات کو فوت ہوئیں۔ وصیت فرمائی تھی کہ اے علی رضی اللہ عنہ! جب میں مرگئی اور رات ہی کو میری موت آگئی۔ تو رات ہی کو دفن کردینا۔ کیوں؟ اس میں کیا مصلحت تھی؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا یہ چاہتی تھیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کی میت کو بھی غیر محرم نہ دیکھیں۔ اندھیرے میں دفن کردینا۔ یہاں ہماری بچیاں مرجاتی ہیں۔ تو ان کے فوٹو ہم لیتے ہیں۔ فوٹو گرافر کو ہم بلاتے ہیں۔ اس بچی کا فوٹو لیا جاتا ہے۔ یہ حرام ہے مرنے کے بعد میت کے ساتھ چھیڑ چھاڑ ناجائز ہے۔ اگر کوئی مرجائے کوئی انسان نیک ہو۔ برا ہو۔ چھوٹا ہو۔ بڑا ہو۔ اس کے بال مت کاٹو۔ اس کے ناخن مت اتارو۔ اس کے بدن کی جو کیفیت ہے اسی پر رہنے دو۔ اور بہت جلد اس کو دفن کردو۔ اگر وہ نیک ہے۔ تو اس کو اس کے گھر پہنچا دو۔ اگر وہ برا ہے۔ تو تم عذاب والی لاش کو اپنے پاس کیوں رکھتے ہو؟ اگر وہ نیک ہے۔ مثلاً ایک شخص مرگیا ہے اس کے ناخن بڑھے ہوئے ہیں۔ اگر اس نے ان ناخنوں کے ساتھ تسبیح کے دانے چلائے ہیں ناخنوں کے ساتھ حق حلال کی روزی کمائی ہے۔ تو یہ ناخن قبر میں گواہی دیں گے تم اس آدمی کو مت چھیڑو۔ یہ اس کے شاہد عدل ہیں۔ یہ ناخن نیکی کرنے والے ہیں۔ تم اس کی نیکی کے گواہوں کو کیوں بند کرو

---

[1] کتب فقہ

رہے ہو؟ اس کا تو ابھی مقدمہ پیش ہونے والا ہے جس پر قتل کا مقدمہ ہو، شہادت اور گواہی کو تم اپنے پاس بند کر رکھو گے یا اُسے اندر بھیجو گے؟ ابھی مقدمہ چلنے والا ہے تم کیا سمجھتے ہو؟ تم سمجھتے ہو کہ ہم ڈونگے کھا رہے ہیں اور پلاؤ زردہ اڑا رہے ہیں۔ اس سے جا کر ذرا پوچھو قبر والے سے کیا بن رہا ہے۔ اللہ ہماری سب کی قبروں کو منور فرمائے۔ تو یہ معاملہ بڑا سخت ہے۔ ہم چونکہ اس عیاشی میں پڑے ہیں سمجھتے ہیں معمولی سی بات ہے۔ کاش حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھیں ہوتیں یا حضرت رائے پوری کی آنکھیں ہوتیں۔ حضرت مدنی رحمہ اللہ کی آنکھیں ہوتیں۔ تو آپ قبروں میں جا کے دیکھتے کہ کیا بن رہا ہے۔ اللہ ہماری اور آپ سب کی قبروں کو پُرنور فرمائے۔ عذاب قبر کے فتنوں سے اللہ تعالیٰ سب کو محفوظ رکھے۔

تو بھائی امیّت کے ناخن اتارنے سے روک دیا۔ اگر وہ بُرا ہے۔ تو ان ناخنوں کے ساتھ شراب کا پیالہ پیتا رہا۔ ناخنوں کے ساتھ غیر محرموں کے بدن کو چھوتا رہا۔ ناخنوں کے ساتھ گانے بجانے کے آلات کو بجاتا رہا۔ تو اب وہ عذاب والے ناخن ہیں تم عذاب والی چیز کیوں گھر میں رکھتے ہو؟ ساتھ دفن کرو۔ بھائی اگر کوئی افیون کا سمگلر پکڑا جائے۔ مٹرک پر آپ اس سے افیون لے کر اپنی کوٹھی میں رکھ لیں گے؟ پولیس سے کیا کہیں گے۔ کہ اس کو تم گرفتار کر لو۔ اور افیون مجھے دے دو۔ کرو گے ایسا؟ اگر وہ کہے بھی کہ بابوجی میں مسافر ہوں میرا یہ کپڑا گھر لے جاؤ۔ "او بھائی نہیں میں نہیں رکھتا۔" "اجی اس میں کچھ نہیں۔" "نہیں نہیں بھائی! تم تو مجرم ہو۔ تمہیں پولیس نے گرفتار کیا ہے میں تمہارا کیوں گھر رکھوں؟ تمہارا میرے ساتھ کیا تعلق ہے؟"

یہاں تو اس حد تک ہم ڈرتے ہیں اور وہاں؟ یاد رکھو میرے بھائیو مرنے

کے بعد میّت کی داڑھی کو چھیڑنا۔ میّت کی مونچھوں کو چھیڑنا۔ قطعاً حرام ہے۔ وہ نیک ہے اس کے لئے وہ نیکی کے گواہ۔ وہ بُرا ہے تو اس کے لئے وہ بُرائی کی شہادت ہیں۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی جو ہے۔ رب کا سپاہی (الحمدؐ) نئے نئے لباس پہن رہے ہیں اور بڑے افسوس سے کہتا ہوں کہ اس خباثت سے ہم مولوی بھی خالی نہیں۔ ہمارے گھروں میں بھی لباس گندے ہو چکے ہیں۔ پیروں کے گھروں میں لباس گندے ہو چکے ہیں۔ وہ لوگ جو باہر بڑے دیندار نظر آتے ہیں۔ اللہ بچائے ان کے گھروں میں جا کر اگر دیکھا جائے۔ تو وہ غلاظت پھیلی ہوگی کہ الامان والحفیظ۔ اور وہ لوگ جو اپنے آپ کو گنہگار سمجھتے ہیں۔ وہ تو کسی شمار میں ہی نہیں ہم مولوی بگڑ گئے پیر بگڑ گئے۔ ہم نے عیاشی کو اپنا شغل بنا لیا۔ اور بگڑے کس طرح؟ ہماری بچیوں کے بال کٹے ہوئے۔ ہماری بیویوں کے بال کٹے ہوئے۔ آپ میں سے اکثر دوست اس علاقے کے ہیں۔ ہمارا علاقہ ملتا ہی ہے۔ ہم چھوٹے ہوتے تھے تو کوئی جب کسی کو ذرا کہہ دیتا بیوی کو گالی کیا دیتے ہو؟ "اد سر منڈیئے کیہ پیئی کردی ایں" بیوی خفا ہوتی کہ مجھے سر منّی (سر منڈی) کہا ہے اب سر منڈنے کے باقاعدہ شفا خانے کھل گئے ہیں۔ اب تو تاریخیں دینی پڑتی ہیں مسلمان بچی کو سر کے بال کٹانے کی تاریخیں لینی پڑتی ہیں۔ کوئی گردن ملتا ہے کوئی پیچھے ملتا ہے۔ استغفر اللہ۔ استغفر اللہ۔ لوجی پھر بھی شرم باقی رہ گئی؟ حیا باقی ہے؟ نظر دوسروں پر پڑ گئی۔ بدن دوسروں کے ہاتھوں میں گیا۔ اللہ مجھے اور آپ کو بچائے۔ میں توہین نہیں کر رہا ہے۔ میں کسی کی نیت پر حملہ نہیں کر رہا بھائی! میں عرض کر رہا ہوں۔ یہ باتیں سب اچھی ہیں یا بُری ہیں؟ میری بچی کے بدن کا ناپ لینے والا ایک غیر محرم ہمارے

جوتے سینے والے غیر محرم۔ ہماری بچیاں جاتی ہیں، اپنا پاؤں موچی کے سامنے رکھتی ہیں۔ اپنی پنڈلی کو ننگا کرتی ہیں۔ استغفر اللہ! العیاذ باللہ۔ وہ بدن جس کے متعلق ارشاد فرمایا کہ وہ نماز میں بھی ننگا ہو جائے۔ تو نماز نہیں ہوتی۔ وہ بدن آج کون کون نہیں دیکھ رہا؟ ہم خود دکھلاتے ہیں بھائی۔ آج مسلمانوں کی بچیاں ننگی ہو چکی ہیں۔ لباس پہنتی ہی نہیں، اور جو پہنتی ہیں۔ وہ بھی ایسا ہے کہ جس میں بدن ننگا نظر آ رہا ہے اور یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ اللہ میری بچیوں کو اور آپ کی بچیوں کو اس عذاب سے بچائے۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ جب کہا کہ تجھے ننگا کر دیں گے۔ وہ تھی تو کافر مگر ڈر گئی تو اس نے کہا کہ مجھے ننگا نہ کرو خط میں دیتی ہوں وہ رقعہ نکال کر دے دیا۔ وہ رقعہ اسی طرح بند تھا۔ لفافہ نہیں تھا ایسے ہی رقعہ تھا۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امانتی کیسے رقعہ پڑھ سکتے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دونوں ہاتھوں میں بند کیا اور دوڑتا ہوا امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا۔ پوچھا "لے آئے؟" حضور لے آئے۔ کھولا صحابہ رضی اللہ عنہ بیٹھے تھے۔ عمر فاروق رض۔ عثمان غنی رض۔ علی مرتضیٰ رض۔ صدیق اکبر رض اور بھی کچھ صحابہ بیٹھے ہوئے تھے۔ کھولا تو دیکھا وہ خط تھا حاطب کی طرف سے یہ ایک صحابی ہیں۔ حدیث میں آتا ہے بخاری میں۔ وہاں مکہ کے کافر کے نام۔ اپنے پڑوسی کے نام وہ خط لکھ رہا ہے۔ کہ میں خیریت سے ہوں امید ہے تم بھی خیریت سے ہو گے بس نیچے اپنا نام۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خط پڑھ کر سنایا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھڑک اٹھے عرض کیا۔ فدعنی فاضرب عنقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت دیں میں اس کی گردن اڑا دوں کہ یہ مدینے

میں بیٹھ کر مکے کے کافروں کو خط لکھ رہا ہے۔ ٹھہر عمرؓ بات سن ذرا۔ پوچھا ؟ جواب دو تم نے یہ خط کیوں لکھا؟ عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بدری ہوں۔ بدر میں شریک ہوا۔ میں نے اپنی جان آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قدموں میں پیش کی ہے میں اگر منافق ہوتا تو بدر میں شریک نہ ہوتا۔ اب بھی میری جان آپ (صلی اللہ علیہ وسلم پر نثار ہونے کو تیار ہے۔ حضورؐ بات اصل میں یہ ہے کہ یہ جتنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں کسی کا باپ وہاں ہے کسی کی ماں وہاں ہے کسی کا بھائی وہاں ہے۔ کسی کا بیٹا وہاں ہے قبیلہ وہاں ہے۔ بچے وہاں ہیں۱؎ ان کے بچوں کی خبر گیری کرنے والے وہ کافر ہیں مگر رشتہ دار تو ہیں موجود ہیں۔ اور حضور! میری بیوی مکہ مکرمہ میں میرے چھوٹے چھوٹے بچے مکہ مکرمہ میں میرا کوئی وہاں بھائی نہیں ہے۔ ماں نہیں، باپ نہیں چچا نہیں، ماموں نہیں۔ میں نے اپنے ایک کافر پڑوسی کے نام یہ رقعہ دل جوئی کے لئے لکھ دیا۔ تاکہ وہ میرے بچوں کے ساتھ بہتری کا سلوک کرے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں منافق نہیں میں نے کون سی اس خط میں غلط بات لکھی ہے۔ میرے بچے وہاں ہیں۔ یہ تو ان سے پوچھیئے۔ بھائی۔ تقسیم کے بعد جن کے ماں باپ وہاں رہ چکے ہیں جن کی قبریں وہاں رہ چکی ہیں جن کے رشتہ دار وہاں رہ چکے ہیں۔ ان سے ذرا پوچھیئے۔ دل کا حال اللہ تعالےٰ ہم سب کو خشیت الٰہی نصیب فرمائے۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو مصیبتوں سے بچائے۔ اللہ بھارت کے مسلمانوں کو بھی ہندوؤں کے مظالم سے جلدی نجات دے۔ اللہ کشمیر کے مسلمانوں پر رحم و کرم فرمائے۔

۱؎ بخاری جز ۹ ص ۱۳۵ مصری

— تو فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھا ٹھیک ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے پھر صفائی خود پیش فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اے عمر فاروق رضؓ اور دیگر صحابہؓ سن لو۔ یہ بدر میں شریک ہوا ہے اور ہو سکتا ہے اللہ تعالٰے نے فرمایا ہے' بدر والوں سے فرمایا ہو۔ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ وَجَبَتْ لَكُمُ الْجَنَّةُ۔ اللہ تعالٰے نے بدر والوں کے لئے ایک پروانہ دے دیا ہے۔ کیا؟ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ اے بدر میں شریک ہونے والو! تم نے اتنی بڑی قربانی کی ہے۔ کہ اب بدر کے بعد جو تمہاری مرضی ہے کرتے رہو۔ میں نے تمہارے سارے گناہ پہلے ہی معاف کر دیئے ہیں۔

تو جن کو قرآن بھی کہتا ہو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ۔ جن کو جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی پیغام دیتے ہیں جنستی ہونے کا۔ تو وہ معیار بنے کہ نہ بنے؟ وہ معیار بن گئے۔

اس لئے قرآن فرماتا ہے۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ اور جب کہا جاتا ہے۔ ان سے کہ تم ایمان لے آؤ جیسا کہ ایمان لائے یہ لوگ۔ کون سے لوگ؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قَالُوْا وہ کہتے ہیں جواب میں اَنُؤْمِنُ کیا ہم ایسا ایمان لائیں كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ کہ جیسے یہ جاہل ایمان لائے؟ بلال رضی اللہ عنہ کو ایمان کا کیا پتہ؟ یہ تو غلام ہیں صہیب رضؓ رومی کو کیا پتہ؟ زید رضی اللہ عنہ کو ایمان کا کیا پتہ؟ یہ تو غلام ہیں۔ کمزور لوگ ہیں۔ ان پڑھ لوگ ہیں۔ ان کو کیا پتہ؟ ہم ریسرچ کریں گے۔ مدینے کے لوگ ہیں۔ ہم تحقیق کریں گے۔ ہمارا ایمان محققانہ ہے۔ ہمارا ایمان ماڈل ایمان ہے۔ ماڈل — آج کل ایک اصطلاح نکلی ہے۔ ماڈل ایمان محمد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ہونہ ہو، ماڈل ہو۔ اس پر ماڈل کی مہر لگی ہو۔ استغفر اللہ اللہ مسلمانوں کو بچائے۔ مسلمان کا ذہن بڑا بدل چکا ہے۔ بڑے افسوس کی بات ہے بھائی! آج مسلمان اگر قرآن بھی پڑھتا ہے تو وہ بھی انگریزی میں پڑھتا ہے۔ میں نے اکثر دوستوں کو دیکھا کہ وہ قرآن کا ترجمہ پڑھنا چاہتے ہیں۔ تو وہ انگریزی ترجمہ پڑھتے ہیں۔ حضرت لاہوریؒ کا نہیں پڑھیں گے حضرت تھانویؒ کا نہیں پڑھیں گے۔ کسی اللہ کے نیک بندے کا نہیں پڑھیں گے۔ وہ ترجمہ بھی انگریزی الفاظ میں ہی پڑھیں گے۔ قرآن کو بھی وہ انگریزی روپ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ تو پھر وہ "لائف" کیوں نہ پڑھیں؟ "ٹائم" کیوں نہ پڑھیں؟ پھر اگر ان کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین آئے تو کونسی بڑی بات ہے؟

تو قرآن نے جواب میں فرمایا۔ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ یاد رکھو یہی جاہل ہیں جو فائدے کی بات کو نہیں سمجھ سکتے۔ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ لیکن یہ جانتے نہیں کہ جہالت کس کو کہتے ہیں۔ جاہل تو یہ ہیں۔ جو آدمی شام کو اپنے گھر چلا جائے وہ جاہل ہے؟ یا وہ جاہل ہے جو سارے شہر کا چکر لگاتا رہے۔ پوچھئے کیوں بھائی! "جی میرا گھر گم ہو گیا ہے۔ شہر کے سارے گھر مجھے معلوم ہیں مگر اپنے گھر کا پتہ نہیں" مجھے اپنے گھر کا پتہ ہے۔ اور اپنے دفتر کا پتہ ہے۔ صبح اٹھتا ہوں اپنے گھر سے تو چلا جاتا ہوں دفتر مسجد میں آ کر نماز پڑھ لیتا ہوں۔ اور شام کو اپنے بال بچوں میں آ جاتا ہوں تو ان میں سے کون سا آدمی عقلمند ہے؟ وہ جو ساری فیکٹری میں چکر لگاتا ہے۔ نہ گھر کا پتہ ہے۔ نہ مسجد کا پتہ۔ نہ دفتر کا پتہ۔ کہتا ہے جی آج میں نے آٹھ میل ڈاک

ابے دفتر بھی گئے کہ نہیں؟ نہیں دفتر کا نہیں پتہ ہے۔ گھر بھی گئے ہو یا نہیں"؟۔ نہیں ـ مجھے گھر بھول ہی گیا ہے" ارے مسجد بھی گئے ہو یا نہیں ؟" خیر مسجد کی تو ضرورت ہی نہیں مسلمانوں کو۔

تو فرمایا کہ لَا یَعْلَمُوْنَ یہ بات کو جانتے نہیں کہ علم کسے کہتے ہیں۔ ہدایت کسے کہتے ہیں۔ ایمان کسے کہتے ہیں۔۔ اللہ تعالے مجھے بھی اور آپ کو بھی عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

"آمین"

نواں درس قرآن مجید

ربیع الاول ۱۳۸۵ھ مطابق جولائی ۱۹۶۵ء

یہ درس مندرجہ ذیل آیاتِ گرامیہ کی تشریح پر مشتمل ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِھِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَکُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَھْزِءُوْنَ ۝ اَللّٰہُ یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ وَیَمُدُّھُمْ فِیْ طُغْیَانِھِمْ یَعْمَھُوْنَ ۝ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ بِالْھُدٰی ۠ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُھُمْ وَمَا کَانُوْا مُھْتَدِیْنَ ۔

اس درس گرامی میں مندرجہ ذیل علمی اور دینی فوائد موجود ہیں ۔

۱۔ اسلام دینِ کامل ہے۔ اس لئے اب کسی دوسرے دین کی تلاش کفر ہے۔

۲۔ آج مسلمانوں میں منافق اعتقادی نہیں۔

۳۔ مناقب اور فرائض کا فرق
۴۔ حجرِ اسود شہابی پتھر ہے۔
۵۔ بیسویں صدی کے اوائل میں علماء حق کا اعلانِ حق اور برصغیر کی آزادی کی بشارت۔
۶۔ نیک اعمال شیطانی وساوس کو دور رکھتے ہیں۔
۷۔ امام بخاریؒ کی عظمت۔
۸۔ کفر کے دو سبب ہیں۔ تکذیب اور استخفاف۔

واللہ الموفق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرے بھائیو بزرگو اور دوستو!

پہلے درس میں بھی قرآن کریم نے نفاق اعتقادی کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا اس کی تشریح میں کچھ عرض کیا جا چکا ہے۔ آج جو آیات پڑھی گئی ہیں۔ ان میں بھی اللہ تعالےٰ نے نفاق اعتقادی کی علامت۔ نفاق اعتقادی کی حقیقت اور اس کا نتیجہ۔ یہ تینوں چیزیں بیان فرمائیں۔ پہلے درس میں یہ عرض کیا جا چکا ہے۔ کہ اسلام کو سب سے زیادہ نقصان پہنچانے والی چیز نفاق ہے۔ کفر سے اسلام کو اتنا خطرہ نہیں ہے۔ جتنا نفاق سے ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے منافقوں کے بارے میں تقریباً ہر سورت میں تصریحاً یا ضمناً اس بات کو واضح کیا۔ اور مسلمانوں کو متنبہ کیا کہ اے مسلمانو! تمہیں چاہیئے کہ تم نفاق عملی سے بچو۔ اور منافقین اعتقادی کے ساتھ اپنی ساز باز مت رکھو۔ سورہ بقرہ جو قرآن کریم کی ترتیب عثمانی کے اعتبار سے پہلی لمبی سورۃ ہے اس میں اللہ تعالےٰ عزاسمہ نے بہت تفصیل کے ساتھ منافقین اعتقادی کی علامتیں بیان فرمائیں۔

پہلے گزر چکا ہے۔ کہ منافقین اعتقادی اپنے ایمان کو اپنے خاص طرز پر پیش کرتے تھے یہی وجہ تھی کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا

اَنُؤْمِنُ كَمَآ آمَنَ السُّفَهَآءُ

ان سے جب یہ کہا جاتا تھا۔ کہ تم اپنے ایمان کو بجائے تحقیقی ایمان کے تقلیدی ایمان بناؤ۔ تحقیقی اسلام مت تلاش کرو۔ تقلیدی اسلام پر ایمان لاؤ اس لئے قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی تکمیل کے بعد ایک بہت بڑا اعلان فرمایا اور مسلمانوں کے لئے راہ عمل کو متعین فرمایا۔ ان کی فکری کوششوں کو محدود کر کے ارشاد فرمایا۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ (المائدہ ۳)

یہ آیت کریمہ سورت مائدہ کی ہے اور یہ وہ آیت ہے کہ جس کے نزول کے تھوڑے زمانے بعد امام الانبیاء خاتم النبیین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم ناسوتی سے رخصت ہو گئے۔

اس آیت کریمہ میں دیکھئے اللہ تعالےٰ نے کیا ارشاد فرمایا۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ۔ تمہارا دین تمہارے لئے آج میں نے کامل کر دیا۔ دین کسے کہتے ہیں؟ نظام حیات کو، نظام معاشرت کو، نظام تہذیب کو۔ تمہارا جو دین ہے وہ میں نے کامل کر دیا ہے۔ یہ غلط بات ہے کہ دین صرف چند عقیدوں کا نام ہے۔

دین تو ساری زندگی کے نظام کا نام ہے۔ کیا مسلمان صرف عقیدے کا پابند ہے۔ مسلمان تو عقیدے کا پابند۔ عمل کا پابند۔ عبادت کا پابند۔ اخلاق کا پابند۔ اسلامی معاشیات کا پابند۔ ہر سلسلے میں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع ہو گا تو جب جا کے پکا مسلمان ہو گا۔ اسی کا نام دین ہے۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا۔

وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ اور میں نے اپنی نعمت تم پر تمام کر دی۔ تم سب امتوں سے آخری امت ہو۔ تمہارا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سب نبیوں سے آخری نبی ہے۔ تمہارا نظام حیات سب نظاموں سے آخری اور کامل نظام ہے۔

وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط اور میں نے تمہارے لئے اسلام کو دین کے طور پر پسند کر لیا ہے۔

اب میرے لکھے پڑھے دوست جانتے ہیں کہ اتنا بڑا اعلان کیا بتا رہا ہے؟ اسلام ایک کامل نظام حیات ہے۔ اور وہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مکمل ہو چکا ہے۔ اب اس کے سوا کسی اور چیز کی تلاش؟ قرآن مسلمان کے پاس ہو۔ اس کی تشریح امام الانبیاء کا فعل اور اس کی تفصیل و تفسیر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وحدیث کی شکل میں مسلمان کے پاس موجود ہوں۔ اور مسلمان مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے اور پھر وہ کسی اور چیز کو ڈھونڈے، تو کیا وہ مسلمان رہ سکتا ہے؟ ایک آدمی کے پاس پانی کی ایک بڑی صراحی بھری ہوئی ہو۔ وہ کہتا ہے مجھے سخت پیاس ہے۔ صراحی میں پانی بھی موجود ہے۔ گلاس بھی موجود ہے۔ پینے میں کوئی رکاوٹ بھی نہیں ہے۔ اور کہتا ہے کہ مجھے بڑی پیاس ہے۔ میں پانی تلاش کرتا ہوں۔ تو اب اس کے متعلق یہی رائے قائم کر سکتے ہیں کہ یا تو فاتر العقل ہے اس کو عقل نہیں ہے کہ میرے سامنے صراحی پڑی ہے یا آگ ہے اور یا اسے کسی اور

اور چیز کے ساتھ آپ تعبیر کر سکتے ہیں۔ صحیح سمجھ والا وہ انسان نہیں ہے جو پیاس کا واویلا بھی کر رہا ہو اور اس کے سامنے پانی بھی موجود ہو اور پانی پینے میں کوئی رکاوٹ بھی نہ ہو معلوم ہوتا ہے۔ وہ درحقیقت پانی کا متلاشی نہیں ہے۔ وہ کسی اور چیز کو پانی کے رنگ میں پینا چاہتا ہے۔ اگر وہ پانی کا متلاشی ہوتا پی لیتا۔

اسی طرح اسلامی نظام حیات کے ہوتے ہوئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کے ہوتے ہوئے قرآن کریم کی تعلیمات کے ہوتے ہوئے جو اسلام کے لیبل کے نیچے غیر اسلام کو ڈھونڈنا چاہتے ہیں۔ یہ درحقیقت ایک مغالطہ ہے۔ وہ کسی اور چیز کو اسلام کا لباس پہنا کر اسلام کے نام پہ استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے قرآن نے دیکھئے صاف فرمایا۔

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا (النساء)

قرآن کتنی شدت کے ساتھ تنذیری طور پر فرماتا ہے۔ وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ جس نے رسول سے دوری اختیار کر لی۔ (صلی اللہ علیہ وسلم) وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ جس کسی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دوری اختیار کر لی۔ وہ دوری کیسے اختیار کرے گا؟ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو چودہ سو سال ہو گئے اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ تو ہم تو اس لحاظ سے ان سے دور ہی ہیں۔ فرمایا نہیں دور نہیں تم قریب ہو۔ محمد رسول اللہ علیہ وسلم جو نظام حیات لے کر آئے تھے۔ وہ قیامت تک باقی رہے گا۔ اور حضور انور

صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مطابق، قرآن کریم کے عقائد کی تشریح کے مطابق ہر وقت دنیا میں ایک طائفہ حق پر ضرور رہے گا۔ اور اسی کو کہا گیا مومن وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ رسول سے وہ کیسے کٹا؟ اس نے اس راستے کو چھوڑ دیا جو مسلمانوں کا تھا۔ اور اس راہ پر چل پڑا۔ جو مسلمانوں کے سوا اور کوئی راستہ ہے۔ دیکھیے۔ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ مومنوں کے راستے کو چھوڑ دیا کسی اور راستے کو ڈھونڈتا ہے کہتا ہے میں اسلام کو ڈھونڈتا رہا ہوں۔ ارے بھائی اسلام تو مسلمانوں کے پاس ہے۔ اسلام تو قرآن میں ہے اسلام تو حدیثوں میں ہے۔ اسلام تو فقہائے ملت نے تمہارے سامنے پیش کر دیا پھر تم کس چیز کو ڈھونڈتے ہو۔ وَيَتَّبِعْ

تو فرمایا مسلمانوں سے کٹ چکا ہے۔ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ ہم بھی اس کو دھکیل دیں گے۔ جہاں وہ جانا چاہتا ہے۔ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ اور اس کا انجام جہنم ہوگا۔ وَسَاءَتْ مَصِيرًا اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔ دوسری جگہ متنبہ فرمایا وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ○ (آل عمران ۸۵)

اللہ فرماتے ہیں۔ کہ اب اسلام کے کامل ہو جانے کے بعد خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے آنے کے بعد اگر ایک آدمی یہ کہتا ہے کہ میں اسلام کے سوا اور کوئی چیز ڈھونڈوں گا۔ فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ اس سے اس دین کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ اس کا انجام، خاتمہ اس کا بہت ہی برا ہوگا۔

تو میرے دوستو اور بزرگو قرآن کی جو آیتیں گزر چکی ہیں۔ پہلے درس
میں ان میں اللہ تعالیٰ عزّ اسمہ نے فرمایا تھا۔ ایمان کیا ہے؟ اسلام کیا ہے
یہ تقلیدی ہے تحقیقی نہیں ہے۔ آج دنیا کے کروڑوں مسلمان اگر یہ کہہ دیں
کہ ہم مسلمان ہیں ٹھیک ہے۔ ہم نماز مانتے ہیں فرض ہے۔ لیکن ہم ذرا نماز نہ
کچھ اپنی تحقیق بھی کرتے ہیں وہ چونکہ عرب لوگ تھے۔ وہ فارغ تھے۔ ان کے ہاں نہ
ملیں تھیں نہ کارخانے تھے۔ نہ فیکٹریاں تھیں۔ نہ کالج تھے نہ یونیورسٹیاں تھیں
نہ کھیتیاں تھیں نہ باغ تھے۔ نہ بارکیں تھیں۔ صحرائی لوگ تھے۔ وہ فارغ البال تھے
لہذا ان کو تو اللہ نے فرمایا تم پانچ دفعہ میرے سامنے جھکا کرو۔ لیکن ہم تو کاروبار
ختم کئے لوگ ہیں۔ اس لئے ہم اس میں تھوڑی سی ترمیم کرتے ہیں تھوڑی سی۔ ذرا
سی ترمیم کرتے ہیں۔ ذرا سی۔ حرج کیا ہے؟

آج مسلمان کے دماغ پر ایک بھوت سوار ہے اور شیطانی وساوس
مسلمان کے دماغ میں اس نے ایسا گھسیڑ دیا ہے۔ کہتا ہے جی بوتل شراب کی
حرج کیا ہے جی؟ کلب میں جا کے ناچ لیا۔ حرج کیا ہے؟ اگر برقع اتار دیا
ہے حرج کیا ہے؟ حرج تو کچھ بھی نہیں۔ پھر رات کو روٹی نہ کھاؤ، حرج کیا
سالن میں ذرا نمک نہ ڈالا، حرج کیا ہے! چائے میں میٹھا نہ ڈالو۔ حرج کیا ہے
بوٹ کے تسمے نہ باندھو۔ حرج کیا ہے؟ کوٹ کے بٹن نہ لگاؤ۔ حرج کیا
وہاں تو ذرا ذرا سی باتوں کو ہم کرتے ہیں۔ اگر ہمارے کھانے میں رات
نمک نہ ہو تو باورچی کو سب ستم کرتے ہیں۔ خانسامے کو گالیاں دیتے ہیں بیوی
کے ساتھ لڑائی کرتے ہیں کہ تم نے آٹے میں نمک نہیں ڈالا۔ حالانکہ نمک کا
مقام ہے آٹے میں؟ اگر ہمارے بوٹ کے تسمے نہ ہوں۔ تو دفتر نہیں جا

کریہ بڑی بدتہذیبی ہے ۔ بوٹ ہوں اور تسمے نہ ہوں ۔ بڑی بدتہذیبی ہے ۔ اور اگر کرتے کے بٹن نہ ہوں ؟ بٹن کے بغیر جانا بڑی بدتہذیبی ہے ۔ بٹن تو لگانے ہی چاہئیں ۔

تو بھائی جب ہم دُنیا کی زندگی کے اور اعمال میں "حرج حرج" نہیں کرتے تو دین کے بارے میں کہتے ہیں ۔ کہ جی حرج کیا ہے ؟ نماز نہ پڑھیں تو کیا حرج ہے ؟ حرج تو کچھ بھی نہیں کچھ اسلام سے نکل گیا ۔ حرج تو کچھ بھی نہیں ۔ زکوٰۃ نہ دیں حرج کیا ہے ؟ حرج تو کوئی بھی نہیں کوئی بات نہیں ۔ ذرا سا اور کھسک گیا ۔ روزے کھا لیں تو کیا حرج ہے ؟ حرج تو کچھ نہیں بس اور ذرا سا کھسک گیا ہے ۔ یہ جو حرج حرج کا مسئلہ ہے ۔ یہ بھی شیطان نے ہمارے دماغ میں گھسیڑ دیا ہے ۔ ورنہ قرآن کریم نے تو جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس سیرت ہمارے سامنے پیش فرمائی ۔ تو گویا دین تحقیقی نہیں بلکہ دین تقلیدی بتایا ۔ اور اسی کے ضمن میں پہلی آیات گذر چکی ہیں ۔ آج بھی اسی کی طرف اشارہ ہے ۔ چنانچہ منافقین اعتقادیہ کی ایک اور علامت قرآن بیان فرماتا ہے :-

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا اور جب یہ منافق ملتے ہیں ان لوگوں سے جو پکے مومن ہیں ۔ قَالُوْٓا اٰمَنَّا تو ان سے کہتے ہیں ہم بھی ایمان لا چکے یہ تو ماضی کا صیغہ ہے ۔ کہ جی ہم بھی تو مسلمان ہیں ہم بھی لا چکے اللہ تعالےٰ کی توحید پر ، امام الانبیاء کی نبوت پر ، قرآن کریم کی صداقت پر ، قیامت کے آنے پر ۔ واقعی تمہارا دین جو ہے ۔ یہ ٹھیک ہے ۔ ہم بھی تمہاری طرح مسلمان ہو چکے ہیں ۔ لیکن وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ اور جب

وُہ علیحدہ ہوتے ہیں۔ اپنے شیطانوں کے ہاں قَالُوْا اِنَّا مَعَکُمْ
ان سے کہتے ہیں ہم تو تمہارے ہی ساتھ ہیں۔ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَھْزِءُوْنَ
مسلمانوں کے پاس جو ہم جاتے ہیں وُہ صرف ٹھٹھا اور مذاق کرنے کے لئے
جاتے ہیں۔ یہاں پر نفاق اعتقادی کو چمکا دیا۔ کہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ منافق کے
اندر جو عقیدہ ہے وہ عقیدہ کفر ہی کا ہے۔

میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ نفاق عملی و اللہ تعالیٰ سب کو نفاق عملی
سے بھی بچائے۔ ایک مسلمان منافق عملی تو ہو سکتا ہے اس کے متعلق امام الانبیاء
نے اپنی حدیث مقدسہ میں اشارہ فرمایا۔

آیاتُ مُنَافِقٍ ثَلاثٌ منافق کی تین نشانیاں ہیں۔

۱۔ اِذَا حَدَّثَ کَذَبَ بات کرے تو جھوٹی کرے۔ ۲۔ اِذَا وَعَدَ
اَخْلَفَ وعدہ کرے تو وعدے کی مخالفت کرے۔ ۳۔ اس کے پاس امانت
رکھے تو وہ خیانت کر دے۔ اور ایک حدیث میں چوتھی علامت بھی۔ اِذَا
خَاصَمَ فَجَرَ جب آپس میں لڑے تو منہ سے بک بکا کرے۔ یہ ہے
منافق عملی آج دنیا میں ہم سے جو غلطیاں ہوتی ہیں۔ آخر ہم ان فعلوں کے
مرتکب ہیں لیکن ہمارے سینوں میں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی محبت موجود ہے۔ ایک بڑے سے بڑا انسان بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کے ناموس پر حملے کو برداشت نہیں کر سکتا وہ اپنے ظاہر میں بھی، اپنے
باطن میں بھی اسلام کی حقانیت کا معترف ہے۔

لیکن منافق اعتقادی جب وہ مسلمان سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم تو مسلمان
لیکن جب وہ اپنے ان شیطانوں کے پاس پہنچتے ہیں۔ تو کہتے ہیں۔ جی ہم تو تمہارے

ہی ساتھ ہیں۔ اچھا بھائی جب تم ہمارے ہی ساتھ ہو تو پھر مسلمانوں کے پاس جا کر کیوں یہ بات کہتے ہو۔ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ یہ جواب ہے اس سوال کا کہ ہم تو مسلمانوں کے ساتھ ٹھٹھا کرتے ہیں۔ مذاق کرتے ہیں اور ہنسی کرتے ہیں۔

اس آیت مقدسہ میں چند باتیں بڑی واضح طور پر موجود ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ ان لوگوں کو جو دین حق کے برخلاف ہیں۔ قرآن نے شیطان کے ساتھ تعبیر کیا پہلے درس میں میں اس طرف اشارہ کر چکا ہوں۔ کہ ہمارے ہاں ایک فلسفہ رائج ہے کہ سب کو اچھا کہو۔ سب کو نیک کہو۔ جیسے اکبر کے زمانے میں دین الٰہی ایک بنا تھا سب دین ٹھیک ہیں کسی کے ساتھ تعارض مت کرو۔ کوئی اچھا کرتا ہے تب اس کا اپنا کام، کوئی بُرا کرتا ہے تب اس کا اپنا کام۔ یہ مسلمان کی ڈیوٹی نہیں ہے، مسلمان کو تو فرمایا۔ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (آل عمران: ۱۱۰)

قرآن میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مسلمانو! كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ تم دُنیا کی ساری امتوں سے بہتر امت ہو۔ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تم کو لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا۔ اور تمہارے فرائض منصبی کیا کیا ہیں۔ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ تم لوگوں کو نیکی کا حکم دو۔ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ اور لوگوں کو بُرائی سے روکو وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ اور یہی تمہارے ایمان باللہ کی نشانی ہے۔ ایمان باللہ پیچھے ارشاد فرمایا۔ کہ اگر تم میں یہ قوت پائی گئی تو معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا اللہ پر ایمان ہے۔ اور اگر تم امر بالمعروف نہیں کرتے۔ نہی

عن المنکر نہیں کرتے کہتے ہیں کہ جی ہم تو مسلمان ہیں شرابیوں کے ساتھ بیٹھتے ہیں۔ وہاں گپ لگادی۔ کلبوں میں گئے وہاں ذرا ڈانس وانس کرلیا۔ ناچ لیا جس کے ساتھ بیٹھے اسی کے دین کے ہو گئے۔ جہاں پہنچے اسی رنگ میں رنگے گئے تو پھر اپنی اس زندگی پر غور کرنا چاہیئے۔ کیا ہم اس زمرے میں تو شامل نہیں ہیں کہ جو جہاں پہنچا اسی کی الا پنے لگا۔

دوستو اور بزرگو! قرآن نے مسلمانوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرمایا اور اسی کی تشریح فرمائی۔ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے من رأى منكم منكرا فليغيره بيده فان لم يستطع بلسانه، فان لم يستطع فبقلبه وذالك اضعف الايمان ط فرمایا۔ من رأى منكم جو کوئی من کا کلمہ علماء حضرات اور اکثر طلباء بھی ہوں گے وہ جانتے ہیں۔ من یہ عموم کے لئے آتا ہے۔ من رأى منكم جو کوئی بھی دیکھے تم میں سے مرد ہو۔ عورت ہے۔ چھوٹا ہو۔ بڑا ہو۔ افسر ہو۔ ماتحت ہو۔ عالم ہو۔ جاہل ہو۔ پیر ہے۔ مرید ہو۔ من جو کوئی بھی ہو من رأى منكم منكرا جو کوئی دیکھے تم میں سے کوئی بھی برا فعل یہ منکر ہے۔ التنوین للتعمیم کوئی بھی برا فعل چھوٹا دیکھا کہ بڑا دیکھا فليغيره بيده اس کو مٹادے بدل دے اپنے ہاتھ کیا ہاتھ ہے تو خدا کا خلیفہ ہے۔ لا اله الا الله محمد رسول الله پڑھنے والا۔ یہ تو خیر امت ہے۔ اس کی ڈیوٹی ہے۔ یہ کیا کرے؟ کہ فليغيره بيده اس کو اپنے ہاتھ سے ہٹادے۔ یہ تو ٹریفک پر کنٹرول کرنے والا ہے۔ فان لم

ل مشکوٰۃ

فَبِیَدِہٖ اگر ہاتھ سے نہیں کر سکتا۔ پھر کیا کرے؟ فَبِلِسَانِہٖ اپنی زبان کے ساتھ مٹائے۔ زبان سے بولے۔ عالم ہے۔ تو بولے۔ پیر ہے تو بولے۔ لیڈر ہے تو بولے۔ اگر یہ بھی بیچارہ نہیں کر سکتا۔ فَبِقَلْبِہٖ اپنے دل کے ساتھ تو برا سمجھے! اور آگے چل کر فرمایا۔ وَ ذَالِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ[1] یہ سب ایمانوں سے کمزور ایمان ہے۔

اب بتائیے بھائی ہم میں سے (اللہ ہمیں اور آپ کو سب کو معاف فرمائے) آج تو ہم دل سے بھی بری بات کو برا نہیں سمجھتے۔ اگر دل سے برا سمجھیں تو پھر زبان پر بھی بات آجاتی ہے اگر دل سے برا سمجھیں تو پھر قلم پر بھی وہ بات آجاتی ہے۔ جیسا کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہد کی مختلف قسمیں فرمائیں۔ فرمایا۔ مَنْ جَاهَدَ بِسَيْفِهٖ فَهُوَ مُجَاهِدٌ وَ مَنْ جَاهَدَ بِلِسَانِهٖ فَهُوَ مُجَاهِدٌ وَ مَنْ جَاهَدَ بِمَالِهٖ فَهُوَ مُجَاهِدٌ (او کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم) ہو سکتا ہے الفاظ میں ہیر پھیر ہو جائے۔ مجھے الفاظ ٹھیک یاد نہیں۔ مفہوم یہی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس نے اپنی تلوار کے ساتھ دین قیم کی سربلندی کے لئے جہاد کیا وہ بھی مجاہد ہے جس نے اپنی زبان کے ساتھ جہاد کیا وہ بھی مجاہد ہے۔ جس نے اپنے قلم کے ساتھ جہاد کیا وہ بھی مجاہد ہے۔ مجاہدوں کی مختلف قسمیں ہیں۔ یہ بھی جہاد ہے۔ اور میرا خیال ہے کہ آج کا یہ دور جس دور میں کہ ہم جا رہے ہیں۔ یہ جہاد بالقلم کا دور ہے آج قلم کا فتنہ بڑا پھیل گیا ہے بعض مسلمان کہلانے والے مسلمان نام رکھنے والے آج دین کے خلاف لٹریچر مہیا کر رہے ہیں۔ اور مسلمان بچے بچیاں چھوٹے

---

[1] نسائی

بڑے ۔ جوان بوڑھے اس لٹریچر کو پڑھتے ہیں۔ آج قلم کے ساتھ جہاد کرنے والا سب سے بڑا مجاہد ہے ۔ میرے دوستو اور بزرگو! اسلام صرف مناقب کا نام نہیں ہے اسلام صرف عقیدے کا نام نہیں ہے ۔ اسلام صرف صفات کا نام نہیں ہے دیکھئے ابھی اس مہینے میں اس ماہ مقدس میں سب مسلمانوں نے الحمد للہ سیرت کے جلسے کئے ۔ جلوس نکالے ۔ بڑے بڑے بینڈ باجے بجے ۔ اپنے اپنے خیال کے مطابق مسلمانوں نے میرا خیال ہے لاکھوں روپیہ صرف کیا ۔ اس ملک میں عید میلاد النبی کے موقع پر ۔ لیکن آپ اپنے دل سے پوچھئے کیا ہم نے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم روح مقدس کو خوش کرنے کی کوشش کی؟ کیا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مقدس اس سے خوش ہو گئی؟ کیا روضۂ اطہر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسرور رہیں؟

بھائی! ایک ہوتا ہے مناقب کا بیان، ایک ہوتا ہے ان کی تعلیمات پر عمل دیکھئے جب تک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دعویٰ نبوت کو عملی طور پر پیش نہیں کیا تھا ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے دو حصے ہیں۔ ایک چالیس سالہ زندگی ہے ۔ اور ایک تیئس سالہ زندگی ہے ۔ ہمارا تو یہ عقیدہ ہے ۔ کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اعلان نبوت سے پہلے بھی نبی تھے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ ماجدہ کے شکم میں بھی نبی تھے ۔ اپنے والد ماجد کی پشت میں بھی نبی تھے ۔ ہمارا تو یہ ایمان ہے ۔ جیسا کہ صحیح حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بھی نبی تھے جب ابھی تک آدم علیہ السلام کا پتلا بھی نہیں بنا تھا اہل مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا کہتے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب چیلنج کرتے ہیں ۔ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ أَفَلَا

تَعْقِلُوْنَ (یونس) اے مکے والو! میں نے تم میں چالیس سال گزارے میری آنکھ نے کبھی خیانت نہیں کی؟ میری زبان نے کبھی جھوٹ بولا؟ میرے ہاتھ نے کبھی غلطی کی؟ میرے پاؤں نے کبھی غلطی کی؟ کہتے ہیں نہیں۔ چالیس سال تیرے بڑے پاکدامنی سے گزرے اور تو ہم میں کیا مشہور ہے؟ مُحَمَّدُ نِ الْاَمِیْن مُحَمَّدُ نِ الصَّدُوْق امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت سے پہلے دو لقب مشہور تھے۔ مکے کے رہنے والے چالیس سال تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا کہتے تھے۔ مُحَمَّدُ نِ الْاَمِیْن وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو بڑا امانتی ہے۔ مُحَمَّدُ نِ الصَّدُوْق وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو بڑا سچا ہے۔ اپنے جھگڑے بھی کراتے تھے۔ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک تینتیس سال کی تھی یا تیس سال کی تھی۔ تو بیت اللہ شریف کی تعمیر پر جھگڑا ہوا کہ حجر اسود کون لگائے حجر اسود وہ سیاہ پتھر ہے جس کو ہمارے بھائی چوم کر آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو نصیب فرمائے۔ اور ان کے حج کو بھی اللہ تعالیٰ حج مبرور فرمائے۔ وہ حجر اسود جو بیت اللہ کے کونے میں لگا ہے۔ جس کے متعلق اسلامی تعلیمات یہ ہیں کہ وہ جنت کا پتھر ہے۔ اور وہ شہابی پتھر ہے۔ جو پانی میں ڈوبتا نہیں اور آگ میں گرم نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب طوفان نوح آیا اور بیت اللہ مبارک بھی سیلاب میں بہہ گیا تو یہ حجر اسود جبل ابی قبیس کی چوٹی پر لگ گیا۔ تو اگر یہ پتھر ہوتا — دنیا کا پتھر — تو پانی میں ڈوب جاتا — پہاڑ پر کیسے پہنچ گیا —؟ شہابی پتھر کے متعلق [1] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں بھی یہ بات ہے کہ شہابی پتھر

---

[1] صدق ۲۶ / ۲ اگست ۱۹۴۹ء

کی نشانی کیا ہے؟ — وہ پانی میں ڈوبتا نہیں اور آگ میں گرم نہیں ہوتا۔ اور اسی میں لکھا ہے۔ اس دنیا میں یقینی طور پر ایک پتھر تو موجود ہے جو بیت اللہ کے کونے میں لگا ہے۔ یہ تو یہ بھی مانتے ہیں کہ وہ پتھر ہے شہابی —"

تو میں عرض کر رہا تھا کہ اُس پتھر کے لگانے پر جھگڑا ہوا۔ قریش کے مختلف قبیلے تھے۔ مختلف خاندان تھے۔ فیصلہ یہ ہوا کہ کل صبح جو سب سے پہلے بیت المقدس میں پہنچے وہ پتھر لگائے — دیکھا تو امام الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے آئے۔ سب نے کہا جاءَ مُحَمَّدٌ الْاَمِیْن جاءَ مُحَمَّدٌ الصَّادِق وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آگئے جو سب سے زیادہ سچے ہیں۔ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آگئے جو سب سے زیادہ امانتی ہیں۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک کو بچھایا۔ اور پتھر کو اپنے ہاتھ سے اس چادر پر رکھا۔ اور پھر ان قریش کو کہا کہ تم سب قبیلے والے اس میری چادر کے ایک ایک کونے پکڑ لو۔ وہ بھی خوش ہو گئے اور پتھر امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے لگا دیا۔

میں امر بالمعروف کی بات کر رہا ہوں۔ آج مسلمان نے دین کو کھیر سمجھ لیا ہے۔ عید میلاد النبیؐ پہ پلاؤ پکایا اور کھا لیا۔ گیارھویں شریف پہ کھیر پکا کر کھا لی۔ اور کسی اور تقریب میں دہی کھا لیا۔ جلیبیاں کھالیں اور دعا حجرے میں کر کے باہر نکل کر آگئے — چلا گیا — مولوی کو کوئی غم نہیں کہ اسلام تباہ ہو رہا ہے۔ مسلمان جہنم کی طرف جا رہے ہیں۔ پیر کو کوئی اس سے مطلب نہیں ہے۔ مجھے کوئی مطلب نہیں ہے۔ آپ کو کوئی مطلب نہیں ہے۔ ہم سب عند اللہ ماخوذ ہیں۔ ہم نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ڈیوٹی کو چھوڑ دیا ہے۔ اور یہی وجہ امتیاز تھی

مسلمانوں کی قرآن کریم کی نظر میں۔

میں اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ وہی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم جو اعلانِ نبوت سے پہلے چالیس سال تک اتنے اونچے مقام کے مالک ہیں کہ عرب کے کافر بھی کہتے ہیں کہ تو امانتی ہے تو بہت سچا ہے۔ لیکن جب امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس سال کے بعد قریش مکہ کو جبل صفا پر اکٹھا کیا۔ اور فرمایا کہ دیکھو وہ جو میری زندگی تھی تمہاری نظر میں وہ میری ایک ذاتی زندگی تھی اس وقت میں نے تمہاری اصلاح کی طرف تم کو بلایا نہیں تھا۔ اب میں امر بالمعروف بن کر آیا ہوں۔ اور نہی عن المنکر ہو کر آیا ہوں۔ یَا اَیُّهَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا۔ اے مکے والو! لا الٰہ الا اللہ محمد رسول پڑھ لو تم نجات پا جاؤ گے۔ وہی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جس کے متعلق سب ووٹ دیتے ہیں۔ دو منٹ پہلے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم اگر یہ کہہ دو کہ اس صفا پہاڑ کے دامن میں ڈاکو ہیں چھپے ہیں جو مکے والوں کو لوٹنے کے لئے آتے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ پیچھے کوئی بھی نہیں لیکن اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کہہ دیا تو ہم آپ کی بات مان لیں گے۔ کیونکہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کبھی جھوٹ نہیں کہا۔

اتنا بڑا ووٹ دیا محمد رسول اللہ علیہ وسلم کو مکے کے کافروں نے لیکن جونہی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عمل کی طرف قدم بڑھایا۔ فرمایا کہ اچھا تمہاری نظر میں میرا یہ اعتماد، یہ حُسنِ انتخاب تو پھر میری ایک بات چھوٹی سی مان لو عمل کی طرف ذرا قدم اٹھاؤ۔ یَا اَیُّهَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا۔ اے لوگو! لا الٰہ الا اللہ کہو تم کامیاب ہو جاؤ گے انہوں نے دیکھا کہ یہ تو ہمیں عمل کی طرف لے جا رہا ہے تو سب سے پہلے حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کا چچا تھا ابولہب جہنمی اُس نے زبان سے بھی کہا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر پتھر سے مارا جس سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیشانی میں زخم ہوا۔ قرآن کریم کی یہ سورت تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ اسی کے جواب میں نازل ہوئی۔

اچھا جی یہ کیا اور کیوں ہوا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کی طرف قدم اٹھانے کا فرمایا تھا۔ اگر یوں ہی سیرت مانتے رہے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم مکے میں جھنڈیاں باندھ دیتے۔ پلاؤ کی دیگیں چڑھاتے اور کہتے تم نا بھی رہو۔ تم کودتے بھی رہو۔ شراب بھی پیتے رہو۔ جوا بھی کھیلتے رہو۔ قتل بھی کرتے رہو۔ بچوں کو زندہ درگور کرتے رہو۔ یہ کیا کرو۔ کہ جب میری ولادت کا دن آیا کرے تو جھنڈیاں باندھ دیا کرو۔ ہم کہہ دیں گے واہ جی واہ ـــــ نعرہ تکبیر نعرہ رسالت ـــــ نعرہ حیدری اور پتہ نہیں کیا کیا لگا دیتے ـــــ لیکن امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرمایا کہ دیکھو عمل کی طرف بھی آؤ۔ جب تک عمل کی طرف نہیں آؤ گے۔ اس وقت تک تم خدا کے نیک بندے نہیں بن سکتے۔ جواب میں امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو پتھر کھانے پڑے اور اس کا منظر آپ نے دیکھا ہو ـــــ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ ہمارے نزدیک سب اکابر واجب الاحترام ہیں۔ لیکن جن بزرگوں کو ہم نے دیکھا ہے۔ ہم تو انہی کی باتیں کریں گے۔

انگریز ہندوستان میں آیا۔ انگریز نے کچھ خانقاہوں کو بڑی بڑی جاگیریں دیں۔ انگریز نے بعض مولویوں کو "شمس العلماء" کے خطاب دیا۔ شمس العلماء ایسے گزرے ہیں ہندوستان میں جن کو انگریز نے کیا کہا؟ شمس العلماء۔ یعنی

عالموں کے سورج ـــــ لیکن انگریز برداشت نہ کرسکا حسین احمد مدنی کے وجود کو برداشت نہ کرسکا احمد علی لاہوری کے وجود کو انگریز برداشت نہ کرسکا۔ ابوالکلام آزادؒ کے وجود کو انگریز برداشت نہ کرسکا مفتی کفایت اللہؒ کے وجود کو۔ کیا کیا انہوں نے ؟ کیا وہ مولوی نہیں تھے ؟ کیا وہ عاشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نہیں تھے ؟ کیا وہ پابند شرع نہیں تھے ؟ ان کو یہ کہتے تھے کہ یہ باطل ہے یہ کفر ہے۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے فتویٰ دیا کہ یہ ہندوستان دارالحرب ہے اور مسلمان اس وقت چین سے نہیں بیٹھ سکتا۔ جب تک ہندوستان سے اس کافر حکومت کو نہ نکال لے۔

بھائی اسلام بڑی مشکل سی بات ہے ـــ

چو می گویم مسلمانم بلرزم　　　که دانم مشکلات لا اله را

اقبالؒ کا شعر ہے ؟ اقبال کو ہم پوچھتے ہیں ـــ اقبال ؟ آہا جی اقبال ۔ آہا جی اقبال، علامہ کو میں نے پڑھا ہے ـــ جی علامہ کو پڑھا ہے۔ تو گھر کے اندر بھی علامہ کو چھوڑتے ہو کہ نہیں ؟ بیٹھک کے باہر ہی علامہ ہے۔ علامہ کو ہم پڑھتے ہیں۔ اندر نہیں چھوڑتے علامہ کو ـــ علامہ باہر ہے اندر نہیں ہے۔ اندر کتابیں ہیں۔ علامہ باہر ہے۔ علامہ نے جو کچھ کہا اس پر عمل کتنا ہو رہا ہے ؟ علامہ نے کیا کیا کہا ؟ کیا ہم عمل کرتے ہیں کسی بات پر ؟ کہیں بھی نہیں۔ اسی اقبالؒ کا شعر ہے ـــ

چو می گویم مسلمانم بلرزم　　　که دانم مشکلات لا اله را

تو ان اہل اللہ نے انگریز سے یہ کہا کہ ہندوستان کو چھوڑ دو۔ تاکہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا نظام رائج ہو۔ مولانا مدنیؒ ۱۹۲۰ء میں گرفتار تھے ۔

کراچی میں جب ہمارے ہاں چھوٹے چھوٹے بچے آپ میں سے اکثر دوستوں کو یاد ہو گا۔ سکولوں میں اس وقت کتابیں رائج تھیں ان کتابوں میں ایک دعا یہ بھی "خدا سلامت رکھے جارج پنجم کو" (god save the king) یہ ہم بچے سکول میں پڑھتے تھے۔ اس وقت ہماری قوم کے بچے سکول میں کیا پڑھتے تھے؟

"خدا سلامت رکھے شہنشاہ جارج پنجم کو"

مگر ایک مرد فقیر اُس زمانے میں کراچی میں قید تھا۔ اسیر تھا۔ اُس نے کراچی سے ایک خط لکھا وہ حضرتؒ کے مکتوبات میں چھپا ہوا ہے۔ ۱۹۲۰ء میں مردِ مومن اسی کو تو کہتے ہیں۔ ۱۹۲۰ء میں خط لکھا۔ جس کے آخر میں لکھتے ہیں کہ میں ہندوستان سے انگریزوں کو نکال کر ہی دم لوں گا۔ اور آخر میں ایک شعر لکھا ہے

پڑا فلک کو ابھی دل جلوں سے کام نہیں

جلا کے خاک نہ کر دوں تو داغ نام نہیں [1]

حضرت مدنیؒ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ انگریز بوریا بستر باندھ کر ہندوستان سے نکل گیا۔ تبھی تو انگریز نے بُرا کہا۔ شمس العلماء کا خطاب کیا نہیں دیا مدنیؒ کو؟ حضرت لاہوریؒ کو کیوں ہتھکڑیاں لگا کر لایا ــــ؟ کیا نعوذ باللہ مولانا لاہوریؒ جوا کھیلتے تھے؟ بلیک مارکیٹ کرتے تھے؟ قتل کرتے تھے؟ ڈاکہ ڈالتے تھے؟ جھوٹ بولتے تھے؟ کیا قصور کیا؟ کون سی قانون شکنی کی؟ حضرت لاہوریؒ قرآنی نظام کو چاہتے تھے۔ اور اس کی تجویز سوچتے تھے۔ اس لئے انگریز کی نظر میں وہ کھٹکتا ہوا کانٹا تھے۔

---

[1] مکاتیب شیخ الاسلام ص ۲۰۴

آج مسلمان اسلامی زندگی کو اپنائیں تو مسلمان صحیح معنوں میں متبع ہیں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آج ہم نے یہ مذاق بنا رکھا ہے جھنڈیاں باندھ دیں، کھیر پکا لیں۔ چاول پکا دیئے۔ اور جو کوئی عمل کی طرف بلا دے۔ کہتے ہیں یہ تو عاشق رسولؐ ہے ہی نہیں ـــــ کیوں؟ یہ جھنڈیاں نہیں باندھتا ـــــ او بھائی داڑھی ہے اس کی؟ اجی داڑھی تو ہے مگر داڑھی کا کیا اعتبار ہے۔ میں تو سر بدز مونڈ کرا تا ہوں پر میں عاشقِ رسولؐ ہوں۔ کیونکہ میں کھیر پکاتا ہوں۔ بھائی جوان لڑکی کی شادی کر دی؟ جی اس کام میں تو وہ بڑا سخت ہے۔ جو نہی لڑکی جوان ہوتی ہے بیاہ دیتا ہے۔ خواہ کوئی بھی ملے مالدار ہو یا غریب ہو۔ میری تین لڑکیاں ہیں ایک ڈاکٹر ہے۔ ایک پولیس میں بھرتی ہے۔ اور ایک لڑکی میری امریکہ گئی ہے چار سال کا کورس کرنے کے لئے۔ میں عاشق رسولؐ ہوں۔ میرے گھر کھیر پکتی ہے جھنڈیاں لگتی ہیں۔ میں لوبان دھکاتا ہوں ـــــ میں عاشق رسولؐ ـــــ اور وہ؟ جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر عمل کیا ہے وہ بے ادب ہے اور جس نے امام الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو پاؤں کے نیچے روند ڈالا ہے وہ محب النبیؐ ہے۔

آج مسلمان نے مذاق بنا لیا ہے دل لگی سمجھ رکھی ہے۔ دیکھئے سوچ لیجئے یہ کس کے متعلق ہے؟ اس لئے قرآن نے فرمایا کہ بُروں کو بُرا کہو۔ اِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیَاطِیْنِھِمْ وہ منافق کون تھے۔ اُن کے جو رشتہ دار تھے، دوست تھے۔ وہ کیا ہیں؟ شیطان ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ چھوڑو جی ہمیں کیا ضرورت ہے شیطان نہ کہو خفا ہوتے ہیں۔ یہ فلسفہ دل سے نکال دیجئے۔ میرے نوجوان دوستو اور میرے بوڑھے بزرگو! بُرے کو بُرا سمجھو

نیک کو نیک سمجھو۔ نیکوں کے پاؤں کو چومو اور یاد رکھو بروں کے قریب ہونے سے ایمان کی نورانی قوتیں سلب ہو جاتی ہیں۔ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے نافرمان کی عزت کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کا عرش کانپ جاتا ہے۔

تو قرآن نے کہا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ اور جب وہ علیحدہ ہوتے ہیں اپنے شیطانوں کے پاس شیطانوں کی دو قسمیں قرآن میں آئی ہیں سورت الناس کو دیکھو۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ اِلٰهِ النَّاسِ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ۔ ایک دو ٹانگوں والے شیطان پورے مجسم شیطان ——— وَالنَّاسِ، اور ایک وہ شیطان ہے جو نظر نہیں آتا۔ آپ میں سے اکثر دوست سائنس جانتے ہوں گے سائنس پڑھتے ہوں گے سائنس میں پڑھتے ہیں کہ یہ ہماری جوہری توانائی اس وقت تک کام نہیں آ سکتی جب تک کہ اس کو کسی صوری توانائی میں ہم داخل نہ کر دیں۔ جسے ہم کہتے ہیں مادیت ——— بھائی یہ پنکھے میں جو ہوا آ رہی ہے۔ اب چل رہی ہے اگر یہ پنکھے کے پر نہ ہوتے یہ اس کے درمیان جو مشینری ہے یہ نہ ہوتی تو ہوا ہم کو لگتی؟ کہاں لگتی؟ نہیں لگتی وہ جو بجلی ہے جس کی کرنٹ سے ہم اپنے آپ کو ٹھنڈا کر رہے ہیں وہ ہم نے اس پنکھے کے ذریعے حاصل کر لی۔ اگر میرے سامنے یہ مشینری نہ ہوتی بھائی صاحب لے آئے ہیں اللہ ان کو جزائے خیر دے یہ بھی بڑے شوقین ہیں قرآن کریم کے اللہ ان کو عمل کی توفیق دے دیکھئے کہ یہاں

کی برکت ہے۔ ورنہ کہاں ایبٹ آباد۔ میں اب ایبٹ آباد سے آیا ہوں میرے ساتھ میرے دوست ہیں کیپٹن نصیر الدین صاحب اور ایک دوسرے دوست ہیں وہ بیچارے صبح ۵ بجے اپنی موٹر لے آئے۔ پرسوں جمعہ کے دن میں نے عرض کیا تھا کہ وہاں کینٹ جانا ہے۔ تو صبح وہ چھ بجے تشریف لائے یہ دنیاوی اعتبار سے اور دینی اعتبار سے بھی بڑے اونچے انسان ہیں۔ اللہ پر ان کو کامل اعتماد ہے حقیقت یہ ہے آپ کو میں ایک خوشی کی بات سنا دوں کہ ان کو اللہ پر کتنا اعتماد ہے یہ ویسے ضمناً بات آگئی ہے میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ خدا کے دروازے کو مت چھوڑیئے۔ وہ جو چاہے کر سکتا ہے جس کو دے کوئی بھی نہیں روک سکتا ہے اور جس کو نہ دے کوئی نہیں دے سکتا۔ اسی کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ ۔ اے اللہ جسے تو دے کوئی نہیں روک سکتا جسے تو نہ دے اُسے کوئی نہیں دے سکتا! ان کو پندرہ سال کے بعد اللہ نے ایک بیٹا نصیب فرمایا۔ اللہ تعالے اس بیٹے کو سعید فرمائے۔ ڈاکٹروں نے جواب دے دیا تھا۔ کہ آپ کے ہاں اولاد ہو ہی نہیں سکتی۔ اللہ نے ان کو چہار شنبے کے دن ایک سعید بچہ نصیب فرمایا۔ اللہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اُسے بنائے۔ اور ان کی دنیا قیامت کا ذخیرہ بنائے۔ اللہ پر ان کو اتنا کامل اعتماد ہے کہ یہ اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہوئے تھے۔ اسی لگن میں دعائیں کرتے رہتے تھے۔ اللہ تعالے نے ان کو اپنی رحمت سے نوازا۔ تو میں عرض یہ کر رہا ہوں کہ میرے سامنے جو یہ لگا ہوا لٹو سا (مائیک) اور یہ جو مشینری ہے یہ اسی لئے تو ہے کہ جو اس میں

جو سری طاقت کاریگر نے، صناع نے ودیعت کر دی ہے۔ وہ اس وقت تک کام میں نہیں آسکتی جب تک کہ یہ ڈھانچہ نہ بنایا جائے۔ جب تک کہ یہ برتن نہ بنایا جائے۔ اس وقت تک یہ آواز کو نہیں کھینچ سکتی۔ تو اسی طرح شیطان بھی مردود ہے۔ یہ شیطان بھی اس وقت تک اپنا کام نہیں کر سکتا جب تک کسی بندے کے بدن میں نہ جائے۔ اس نے کچھ بندے منتخب کئے ہیں۔ جن کے دل میں گھس جاتا ہے ان سے پھر اپنا کام نکال لیتا ہے۔ اسی لئے حضور رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے ہیں۔ کہ جب تمہارے سامنے کوئی اللہ کا نافرمان آئے جس کے ملنے جلنے سے تمہاری طبیعت پر انقباض ہو تو پھر کیا پڑھو۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ پڑھا کرو۔ یہ بھی مسئلہ ہے۔ کہ تم اس کے مکر سے۔ شرارتوں سے بچ جاؤ گے۔ اور بات بھی ٹھیک ہے۔ شیطان کے سامنے جب خدا کا نام آئے تو یہ بھاگ جاتا ہے۔

میرا اپنا تجربہ ہے۔ ویسے یہ بات مذاق کی نہیں۔ میں ان دوستوں کے لئے دعا کرتا ہوں کہ جن میں یہ صفتیں ہیں اللہ ان کو نیکی کی طرف مائل کرے میرے پاس کبھی کبھی کوئی دوست آجاتے ہیں اور میں اگر یہ چاہوں کہ ان کو میں اٹھا دوں اپنا کوئی کام کروں۔ یہ لایعنی بات کرتے ہیں۔ اب اگر میرے پاس گھڑی میں بارہ بجے کا وقت ہے اور میں وضو کرنا چاہتا ہوں تو میں عرض کرتا ہوں کہ اچھا بھائی! آپ ذرا بیٹھیں میں وضو کر کے آتا ہوں۔ تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اب یہ وضو کرے گا تو ہم سے بھی کہے گا۔ کہ تم وضو کرو۔ اور پھر یہ نماز بھی پڑھائے گا۔ اچھا جی ہم جاتے ہیں۔ اجازت دیجئے۔ یہ حقیقت

ہے۔ کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں۔ کہ یہ تو بیکار قسم کا آدمی ہے۔ اس کے پاس کوئی وقت نہیں ہے وقت بھی ٹکریں مارتا رہتا ہے۔ تو یہ ہمیں بھی کہے گا کہ نماز پڑھو اور نماز تو ہم نے پڑھنی نہیں کیونکہ وہ اندر جو بیٹھا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ دیکھو! سب کے سامنے جھک جاؤ۔ ایک اللہ کے سامنے مت جھکو۔ سب کے سامنے ذلیل بنو۔ خدا کے سامنے مت ذلیل بنو حالانکہ جو خدا کے سامنے ذلیل نہیں بنتا۔ وہ سب کے سامنے ذلیل ہے۔ اور جو خدا کے سامنے پیشانی جھکاتا ہے وہ کسی کے سامنے ذلیل نہیں ہوتا ——— اللہ ؟ جو اللہ کے سامنے جھکے، خدا کی قسم ہے اللہ تعالیٰ اُسے اوجِ ثریا پر پہنچاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے جھک گیا۔ دنیا اس کے قدموں میں آپڑی۔

ابھی جن بزرگوں کے نام میں نے لئے ہیں ——— میں کہا کرتا ہوں۔ کہ ہم کسی کے مخالف نہیں سب ہمارے بزرگ ہیں۔ مگر جن کو ہم نے دیکھا۔ کیا تھا۔ حضرت لاہوریؒ کے پاس ؟ حضرت امام الاولیاء مولانا احمد علی لاہوریؒ کے پاس کیا تھا؟ ——— ایک مکان وہ بھی کسی مرید نے بنا کر دیا۔ لیکن جب دُنیا سے گئے تو دو لاکھ انسانوں نے آپ پر نمازِ جنازہ پڑھی ——— دو لاکھ انسانوں نے ——— کتنے بڑے بڑے لوگ مرتے ہیں۔ مگر کتنے آدمی ہوتے ہیں جنازے میں ساتھ ؟ لیکن ایک فقیرِ حق آگاہ جب دنیا سے جاتا ہے، کیا بات تھی ؟ اس کا بدن بھی اللہ اللہ کرتا تھا۔ میں سچ کہتا ہوں وہ گلیاں بھی اللہ اللہ کرتی تھیں جب مولانا وہاں سے گزرے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسے انعامات اور ایسی نعمتوں سے نوازا تھا۔ تو یہ بات ہے میرے بھائی جو خدا کے سامنے جھک گیا اللہ تعالیٰ نے اسے اٹھا لیا۔ اور جو خدا کے سامنے جھکنے سے باغی ہوا اللہ تعالیٰ

نے اس کو ذلیل کر دیا۔ کیونکہ عزت تو اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ وَ لِلّٰہِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (المنافقون) فرمایا عزت تو میرے لئے ہے۔ اور عزت میرے رسول کے لئے ہے۔ اور عزت کس کے لئے ہے؟ ایمان والوں کے لئے ہے؟ ایمان والوں کے لئے ہے۔ جو میرا بنا۔ میرے رسول کا بنا۔ تو وہ دنیا میں باعزت نہیں ہے۔ اس کا جو جبر ہے۔ اس کا جو رعب ہے وہ بھی فانی ہے۔ جس وقت وہ اپنی ڈیوٹی سے ہٹ گیا۔ اگر وہ سلام دے گا کوئی جواب بھی نہیں دے گا۔

عزت تو یہ ہے کہ مرنے کے بعد بھی قبر سے خوشبو آتی ہو۔ امام بخاریؒ کی قبر سے آج تک خوشبو آ رہی ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کے وہ نیک بندے تھے جن کے متعلق آج ہمارے ملک کے بعض بے ہودہ قسم کے مصنفین لکھتے ہیں۔ کہ بخاری کی نحوست سے گھروں کو پاک کرو۔ آپ کیا سوچ رہے ہیں؟ کس دنیا میں آپ بس رہے ہیں؟ ہم کہاں جا رہے ہیں۔ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ یہ ہیں یا نہیں؟ لکھتے ہیں بخاری کی نحوست سے گھروں کو پاک کرو تب مسلمان ترقی کریں گے۔ اور وہ امام بخاری جس کو سلطان بخارا نے کہا کہ میرے بچوں کو میرے گھر پر آ کر پڑھایا کرو۔ وہ کیا جانتا تھا۔ کہ بخاری کون ہے۔ وہ سمجھتا تھا کہ میرے گاؤں کا ایک مُلّاں ہے۔ یا ہر بہت بڑا عالم ہو تو گاؤں کے لوگ کہتے ہیں۔ او مُلّاں صاحب کیا حال ہے؟ ہمارے ضلع میں بڑے بڑے عالم ہیں۔ آپ کے علاقہ میں بھی ہیں۔ لیکن گاؤں کے زمیندار کہتے ہیں مُلّاں صاحب کا کیا حال ہے؟ کیا کہتے ہیں جی ہمارے استاد صاحب باہر جاتے ہیں۔

لے طلوع اسلام جون ۱۹۶۰ء ۲ے طبقات سبکی ج ۲ ص ۱۴

تو بڑے پیسے کما کر لاتے ہیں۔ باہر بڑی عزت و توقیر بنا رکھی ہے۔ کچھ آدمی قابو کر رکھے ہیں۔ گاؤں والے کم عقل محروم رہتے ہیں۔ چراغ تلے اندھیرا ــــ قریب والے محروم رہ گئے ــــ ابو لہب محروم رہا۔ ابو جہل محروم رہا۔ بلال حبشی رضی اللہ عنہ جنت کا نمائندہ بن کر آیا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اے بلال! میں جب کبھی جنت میں جاتا ہوں میں تیری جوتیوں کی آواز سنتا ہوں (مشکوٰۃ کی صحیح حدیث ہے)

ہم تو بھائی اس کے قائل ہیں ــــ جو نہیں مانتا نہ مانے ــــ ہم قائل ہیں اس بات کے کہ اس دنیا میں، اس ناسوتی بدن کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ وہ قوت عطا فرماتے ہیں انسان میں اپنی رحمت کے ساتھ کہ اس گوشت پوست کا انسان بھی جنت میں جا سکتا ہے۔ پھر آ سکتا ہے۔ ہم اس کے قائل ہیں۔ قیامت میں تو جائیں گے تو جائیں گے جو نہیں مانتا نہ مانے۔ ہمیں اس سے کیا ہے؟ ہم اس کے قائل ہیں۔ اور ہم ویسے ہی نہیں قائل دلیل کے ساتھ قائل ہیں۔ جب سب سے سچے رسول جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مشکوٰۃ کی صحیح حدیث دیکھ لیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ایک دن بلال رضی اللہ عنہ سے بِاَیِّ عَمَلٍ سَبَقْتَنِیْ اِلَی الْجَنَّۃِ (شرف بخشا) اے بلال تو کیا عمل کرتا ہے کہ مجھ سے پہلے بھی جنت میں پہنچ جاتا ہے؟ کتنی عزت بخشی؟ کتنا پیار سے نوازا؟ فرمایا بِاَیِّ عَمَلٍ سَبَقْتَنِیْ اِلَی الْجَنَّۃِ ۔ اے بلال! تو کیا عمل کرتا ہے کہ جنت میں مجھ سے پہلے پہنچتا ہے؟ آگے تفصیل فرمائی کہ میں جب کبھی جنت میں جاتا ہوں تو میں تیری پرانی جوتیوں کی چلنے کی آواز سنتا ہوں۔ جس طرح ہماری مقامی بولی میں کہتے ہیں "چھتر کھیچتا ہے" [1] میں تیری پرانی جوتیوں کی آہٹ پاتا ہوں ــــ تو

[1] مشکوٰۃ شریف

بلال نے کیا کہا؟ ؎

کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گُل نسیمِ صبح تیری مہربانی

حضور (صلی اللہ علیہ وسلم)! بلال کہاں اور جنت کہاں؟ یہ تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کا فیض ہے اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا لطف و کرم ہے۔ تو بلال دیکھیے جنت میں پہنچتا ہے دنیا میں اور ابولہب جہنم میں چلا جاتا ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی تقسیم ہے۔ اللہ ان نعمتوں سے کسی کو محروم نہ کرے۔ گاؤں کے لوگ، علاقے کے لوگ محروم رہ جاتے ہیں اور باہر کے لوگ فیض پا جاتے ہیں۔ یہ تو دنیا میں لگا رہتا ہے قریب والے محروم اور دور والے اللہ تعالیٰ کے ہاں مقرب بن جاتے ہیں اُس مردِ حق آگاہ کی رحمتوں سے وہ فیض پا جاتے ہیں۔

تو میں عرض خدمت میں یہ کر رہا تھا۔ کہ قرآن کریم نے یہ فرمایا وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ جب یہ علیحدہ ہوتے ہیں اپنے شیطانوں کی طرف تو بُروں کو شیطان قرآن نے کہا اور شیطان کی دو قسمیں ہیں ایک ہے شیاطین الانس اور ایک ہے شیاطین الجن، قرآن کو پڑھ کر دیکھو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَ کَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا[1] (بھائی کوئی حافظ ہے یہاں پہ؟) خاموشی، حضرت قاضی صاحب کا صاحبزادہ محمد ارشد سلمہ ساتھ تشریف لائے ہوئے تھے وہ بولے: "شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ" (ماشاء اللہ شاباش بچے! یہاں پہ میٹرک پاس کتنے بیٹھے ہوئے ہیں؟) (ندامت کا قہقہہ) وَکَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ

---

[1] الانعام ۱۱۲

وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا۔ ایسی بات کرتے ہیں کہ بات پر طمع لگا دیتے ہیں" اسلام کا معاشرتی نظام" "اسلام کا اقتصادی نظام" — وہ بدو تھے۔ وہ اونٹوں کو چرانے والے تھے۔ اسلام اس وقت کے لئے تھا۔ یہ بڑا عالمگیر مذہب ہے — موٹے موٹے لفظ استعمال کرتے ہیں اور مسلمانوں میں رخنہ اندازیاں کرتے ہیں — یہ شیاطین الجن و الانس ہیں۔ یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا۔

تو اس ضمن میں میں امام بخاریؒ کا واقعہ پیش کر رہا تھا۔ امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ جب تکمیل کے بعد پہنچے اپنے گھر — بخارا میں — تو وہاں کا جو تھا سردار۔ خان بخارا[1] رئیس بخارا۔ اس نے کہا "مولوی صاحب! مُلّا جی! میرے بیٹے کو پڑھا جایا کرو"۔ وہ نہیں سمجھتا تھا۔ یہ مُلّاں کون ہے — امام بخاریؒ نے فرمایا کہ میرے ہاں اور بچے بھی پڑھتے ہیں بچے کو بھیج دیا کرو۔ اگر پڑھانا ہو تو میری رہائش گاہ پہ بھجوا دیا کرو۔ بڑی دیر کشمکش رہی۔ امام بخاریؒ نے کہا میرے پاس کیا ہے تیرے ملک میں؟ یہ باپ کی جھونپڑی ہے، یہ تیرے حوالے اور سے

پائے گدا لنگ نیست ملک خدا تنگ نیست

وہاں سے چلے سمرقند کے پاس ایک چھوٹا سا قصبہ ہے، خارتنگ، اس قصبے میں آ کر آباد ہوئے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا درس دیا — نوّے ہزار شاگرد ہیں امام بخاریؒ کے — نوّے ہزار — نوّے

---

[1] تاریخ الادب العربی ج ۳ صہ ۱۶۳

ہزار انسانوں نے سنا ہے امام بخاریؒ کو ـــــ خدا کی قسم ہے بخاریؒ کے دشمن مٹ جائیں گے۔ "بخاریؒ نہیں مٹ سکتی ـــــ یہ کون ہیں مٹانے والے؟ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس پر حملہ کرتا ہے۔ وہ مٹ جاتا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کب مٹ سکتے ہیں؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دین؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا؟ کب مٹ سکتے ہیں؟ ـــــ نوے ہزار انسانوں کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنائی اور پھر عید الفطر کی رات کو دنیا سے رخصت ہو گئے ـــ امام بخاری کے وصال کو تقریباً بارہ سو سال ہوتے ہیں۔ میرے دوستو! آج تک امام بخاری کی قبر سے خوشبو آتی ہے ـــــ اور ابھی یہ لاہور میں ایک مردِ قلندر گزرے ہیں ـــــ مولانا احمد علی لاہوریؒ ـــــ ابھی تک قبر سے خوشبو آتی ہے ـــ اب بھی ہے ـــــ اب بھی آتی ہے ـــــ میں پچھلے دنوں گیا رات کو میرے ساتھ ایک دوست تھے۔ تقریباً گیارہ بجے کا وقت تھا ـــــ ہم سمن آباد سے جا رہے تھے گلبرگ ـــــ ان کی موٹر میں تھا ـــــ یہ بالکل صحیح میں آپ سے عرض کرتا ہوں قرآن مجید میرے سامنے ہے۔ ہم جب حضرتؒ کے مزار کا جہاں بورڈ لگا ہے۔ وہاں قریب سے گزرے۔ آئی عجیب خوشبو آئی۔ دوست نے مجھ سے کہا "قاضی صاحب! یہ بڑی خوشبو آ رہی ہے" میں نے کہا "نہیں سمجھتے کہاں سے آ رہی ہے؟" انہوں نے کہا مجھے تو پتہ نہیں۔ میں نے کہا "حضرت امام الاولیاء کا مزار اس طرف ہے، وہاں سے خوشبو آ رہی ہے" ـــــ اب بھی ـــــ؟

تو اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں جب یہ علیحدہ ہوتے ہیں اپنے شیاطین کی طرف

قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ تو ان شیطانوں سے کیا کہتے ہیں اِنَّا مَعَکُمْ بے شک جی ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔ دیکھئے یہاں پر کہا مَعَکُمْ ہمارا دل تمہارے ساتھ، ہمارا بدن تمہارے ساتھ۔ ہمارا لباس تمہارے ساتھ ہماری تہذیب تمہارے ساتھ۔ ہمارا نظام معاشرت تمہارے ساتھ!

ہاں ــــ "انگریز چلا گیا ہے جی" ــــ کہاں گیا ہے جی؟ ــــ انگریز گیا چلا گیا" ــــ کہاں گیا ہے جی؟ انگریز تو یہاں ہی ہے۔ کہاں گیا ہے؟ کیا انگریز لولی لے گیا؟ کیا انگریزی سکول زیادہ بن گئے یا کم بن گئے؟ پاکستان سے پہلے زیادہ تھے یا اب زیادہ ہیں؟ ــــ انگریز چلا گیا ہے ــــ لیکن لولی؟ چھوڑ گیا ــــ یہ جو ہیٹ (Heat) سر پہ پہنتے ہیں بعض میرے بھائی (میری بولی میں یہ فٹ بال ہے فٹ بال) یہ فٹ بالوں کی دکانیں پہلے سے زیادہ ہیں یا کم ہیں؟ ــــ "انگریز چلا گیا ہے" ــــ یہ گلے میں جو نکٹائی ڈالتے ہیں۔ یہ کس کی نشانی تھی؟ انگریز کی ــــ اب زیادہ ہے یا کم؟ ــــ "انگریز چلا گیا ہے جی" ــــ ارے کہاں گیا ہے؟ وہ تو ہماری چوٹی سے لے کر پاؤں کے ناخن تک اندر پورا گھس کر حلول کر گیا ہے ــــ حلول ــــ وہ باڈی ہمیں اپنی دے کر چلا گیا۔ اپنے عقائد ہمیں دے کر چلا گیا۔ اپنے نظریات ہمیں دے کر چلا گیا۔ اپنا طرز معاشرت ہمیں دے کر چلا گیا۔ سچ بتاؤں میرے بزرگو اور دوستو! ملک تقسیم ہونے سے پہلے ہم لوگ جو کھانا کھاتے تھے۔ ہمارے امراء بھی میں اکثر محفلوں میں جاتا رہتا تھا مجھے یاد ہے اکثر امیروں کے ہاں قالین بچھ جاتے تھے۔ قالین پر دستر خوان لگ جاتا تھا۔ ہاتھ دھوئے جاتے تھے اور انسانوں کی طرح سب بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے ــــ اور اب کیا ہے؟ ایک ٹیبل لگا دیا جاتا ہے۔ اس پہ جناب چھری کانٹے

رکھ دیتے ہیں۔ (مجھ جیسا ناواقف سمجھتا ہے کسی کا آپریشن کرتے ہیں) چھری کانٹے پڑے ہوتے ہیں اور جناب آگئے جی ـــ پہلے کرسیاں ہوتی تھیں، اب وہ بھی نہیں رکھتے کھڑے ہو کر کھاتے ہیں، ایک ٹن ہوتی ہے چلو جی شروع ہو جاؤ۔ کڑپا کڑپ، گڑپا گڑپ، ڈونگے پہ ڈونگا لگ رہا ہے بائیں ہاتھ سے کھا رہے ہیں۔ اور ہنسی ہو رہی ہے۔ مذاق ہو رہا ہے۔ نہ کوئی بسم اللہ ہے۔ تو انگریز چلا گیا ہے یا انگریز ابھی یہاں ہے؟ کون کہتا ہے چلا گیا ہے! کھانا دے گیا ہمیں ـــ اور دوسری جو باتیں ہیں وہ تو مجھ سے بہتر آپ جانتے ہیں۔ خنزیر کا گوشت پہلے زیادہ بکتا تھا یا اب زیادہ بکتا ہے؟ شراب پہلے زیادہ پیتے تھے یا اب زیادہ پیتے ہیں؟ کہاں گیا انگریز؟ مجھے بتاؤ تو سہی کہاں چلا گیا ہے؟

اِنَّا مَعَكُمْ کرزن! ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ڈلہوزی! ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تمہیں کہاں چھوڑتے ہیں۔ تم نے ویسے ہی دوری اختیار کر لی۔ ہمارا تو روح تم ساتھ لے کر چلے گئے ہو۔ ہم تمہیں کہاں چھوڑتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو توفیق عطا فرمائے۔ کہ وہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی غلامی اختیار کریں۔ اور ان سے اپنا پیچھا چھڑائیں۔

اِنَّا مَعَكُمْ بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں ـــ اچھا بھائی تم ہمارے ساتھ ہو تو مسلمانوں کے پاس پھر کیوں بیٹھتے ہو۔ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُوْنَ ہم تو وہاں پہ ٹھٹھا کرتے ہیں۔ ہنسی مذاق کرتے ہیں ـــ استہزاء بالدین ـــ کہاں کہاں کا رونا رویا جائے؟ حقیقت یہ ہے میرے دوستو میرے بھائیو! اللہ تعالیٰ ہمیں، آپ کو سب کو دین پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ کیا کیا جائے؟ بھائی سے آپ یہ کہہ دیں کہ چل بھائی آج نماز

لیں تو ہنسی ہنسی میں ٹال دے گا۔ یہ مذاق ہے کہ نہیں؟ کسی بے نماز مسلمان
ئی سے کہہ دیں کہ چل بھائی آج نماز پڑھ لے" بہت اچھا جی۔ السلام علیکم
اجازت دیجئے۔ پڑھیں گے۔" یہ ٹھٹھا نہیں ہے؟ مذاق نہیں ہے؟ اور کہو
بھائی ایک پیالی چائے پی لو" اچھا جی؟ تھینک یو!! قہقہہ (ہنسو مت
ونے کی باتیں ہیں) پیالی تو کھینچتا ہے۔ پیالی پی لیتا ہے۔ سگریٹ کا کش لگا
ہے۔ شراب کا گلاس چڑھا لیتا ہے۔ سینما کا ٹکٹ لے دو تو سینما دیکھ لیتا
۔ اس بھائی کو کہو چلو بھائی آج مسجد میں چلتے ہیں۔ چلو درس قرآن سنتے ہیں
س پڑتا ہے ــــ یہ ہنسی نہیں ہے۔ یہ خدا کے دین کے ساتھ ٹھٹھا اور
ق ہے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ کل اخبار میں تھا[1]۔ کہ ایک نیک دل ممبر نے
لی میں تجویز پیش کی کہ جو نرسیں ہوتی ہیں۔ ہماری بچیاں۔ جو ہسپتالوں میں
نگ کا کام کرتی ہیں (مجھے کل ہی پتہ چلا ہے شاید قانونی طور پہ یہ شادی نہیں کر
یتیں) تو اخبار میں تھا کہ ایک ممبر نے، ایک نیک دل انسان نے یہ تجویز پیش
کہ نرسوں کو بھی شادی کی اجازت دی جائے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
حکم ہے، اسلام کا حکم ہے۔ تو اس پر بڑا قہقہہ ہوا۔ کل کا جنگ پڑھ لیں۔
ں نے جنگ میں پڑھا ہے ــــ بڑا قہقہہ ہوا۔ اور قہقہوں کی گونج میں
ں کی جو آواز تھی وہ دب کر رہ گئی۔ یہ قہقہہ لگانے والے کون ہیں؟ جنہوں
ے کل کہا تھا کہ ہمیں ووٹ دو۔ ہم اسلامی نظام رائج کریں گے۔ ہم محمد رسول
للہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو چلائیں گے۔ قرآن کو نافذ کریں گے۔ اسی طرح

---

[1] روزنامہ جنگ راولپنڈی ۲۴۔ جولائی ۱۹۶۵ء

ایک نے تجویز پیش کی کہ شراب کی درآمد پر جو کم روپیہ خرچ کرتے ہو
تم ایکسچینج کی شکل میں محفوظ رکھو تاکہ لوگ حج کے لئے زیادہ جائیں تو بڑا
ہوا اسمبلی میں۔ بڑے ہنسنے اور قہقہے کی گونج میں ان کی آواز بھی دب گئی
نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ہیں یا نہیں؟ کسے کہتے ہیں استہزاء بالدین؟
اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ہم تو جی ٹھٹھا کرتے ہیں۔ یہ جو
کا نام لیتے رہتے ہیں ـــــ یہ باتیں سب کفار کے حق میں ہیں۔ لیکن بھائی
ہم بھی نہیں ہیں۔ یہ دل کو تسلی دیں قرآن تو عالمگیر کتاب ہے۔ ان کے لئے
تھا وہ ہمارے لئے بھی ہے اُن کے متعلق جو بات تھی وہ ہمارے لئے بھی
تعالیٰ ہم سب کو استہزاء بالدین سے بچائے۔
میرے دوست فقہار نے لکھا ہے شامی کو اُٹھا کے دیکھ لیجئے کہ
نہیں ہو سکتی ہیں۔ اَلْاِنْكَارُ وَالْاِسْتِخْفَافُ۔ اَلتَّكْذِ
وَالْاِسْتِخْفَافُ۔ کوئی آدمی جب اسلام سے نکلتا ہے تو دو وجہوں
نکلتا ہے۔ اَلتَّكْذِيْبُ یا تو جھٹلا دے اللہ تعالیٰ کے دین کو۔ کہتا ہے
مانتا خدا وند تعالیٰ کو (نعوذ باللہ من ذالک) میں نہیں مانتا امام الانبیاء صلی
وسلم کو (نعوذ باللہ) میں نہیں مانتا قرآن کو (نعوذ باللہ) ـــــ کافر ہو گیا
اس نے تکذیب کر دی اللہ تعالیٰ کی باتوں کی ـــــ اور ایک ہے الاِسْتِ
ہلکا سمجھنا دین کی بات کو جسے ہماری زبان میں کہتے ہیں لوہکا سمجھنا۔ ہولا سمجھ
ٹھٹھا کرنا۔ مذاق کرنا دین کی باتوں سے۔ اس سے مسلمان اسلام سے
ہو سکتا ہے۔ استہزاء بالدین کوئی مذاق تھوڑا ہی ہے۔ قرآن کو اُٹھا
لو۔ کافروں کے متعلق اللہ کیا فرماتے ہیں؟ وَاِذَا نَادَيْتُمْ

صَلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ
قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ (المائدہ ۵۸) فرمایا یہ کافر، تمہارے دین کے
دشمن کیا کرتے ہیں؟ اِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ جب تم اذان
دیتے ہو۔ لوگوں کو نماز کے لئے بلاتے ہو جو تمہارے دین کا ایک شعار ہے
تو کیا کرتے ہیں؟ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا۔ یہ اذان کو ٹھٹھا سمجھ
لیتے ہیں۔ کھیل تماشا سمجھ لیتے ہیں۔ یہ کافروں کی علامت ہے۔ اذان کہنی سنت
مؤکدہ ہے۔ نماز فرض ہے۔ اذان کے ساتھ استہزاء کو قرآن نے کفر بیان کیا۔
کیا کیا جائے کہاں کہاں کا رونا رویا جائے۔ ؎

تن ہمہ داغ داغ شد۔ پنبہ کجا کجا نہم

ہم نہیں کرتے استہزاء بالاذان؟ یہاں واہ کینٹ کا تو مجھے پتہ نہیں۔ اکثر جگہ
جمعے کے دن جب اذان کا وقت ہوتا ہے یقین آپ سمجھئے کہ جہاں سے آبادی
شروع ہوتی ہے وہاں سے لے کر مسجد تک۔ تقریباً ہر گھر میں ریڈیو بجتا ہے۔
بڑی بڑی اونچی آواز ہوتی ہے۔ باہر پردے لٹکے ہوتے ہیں۔ چقیں لگی ہیں۔
اندر ریڈیو بج رہا ہے۔ موذن کی اذان جمعے کے دن بھی محلے والے نہیں سن سکتے
پہاڑی کا مجھے پتہ نہیں ہے۔ جہاں پر ریڈیو پہنچ گیا ہے۔ وہاں تک جمعے کے
دن بھی اذان نہیں سنی جا سکتی۔ ہماری بچیاں۔ ہماری مائیں اور بہنیں کھیل کود
میں اس حد تک مستغرق ہیں کہ خاوند گھر نہیں بچے گھر نہیں۔ بھائی گھر نہیں۔
اور یہ بھی اپنا کام کر رہی ہیں۔ برتن دھو رہی ہیں۔ یا سلائی کر رہی ہیں۔ لیکن
اس خبیث کو بھی لگا دیا ہے۔ تاکہ کچھ "برکت" پیدا ہو۔ وہ بھی ٹوں ٹاں
ٹوں ٹاں کر رہا ہے۔ بس وہ "دیہ گھوڑی چڑھیا اور دیہ گھوڑی لتھا ہے"

ہے اور مسلمان بچے اور بچیاں اپنے دماغ کھو رہے ہیں۔ ہنسنے کی نہیں۔ رونے کی بات ہے۔

قرآن فرماتا ہے۔ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ وہ کہتے ہم تو ٹھٹھا کرتے ہیں دین کے ساتھ۔ دیکھئے یہ مذاق نہیں؟ ناول اٹھا دیکھ لیجئے۔ اکثر ناولوں میں ضمناً دین کی بات آجاتی ہے اور اس کے مذاق ہوتا ہے۔ اور ہم کہتے ہیں 'ٹائم' نے یہ لکھا ہے اور 'لائف' نے یہ تم کیا کم کرتے ہو؟ ہم مسلمان تھوڑا ہی کم کرتے ہیں؟ مسلمان ہیں لیکن سے بھی زیادہ اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) حملے کرتے ہیں۔

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ اللہ تعالیٰ سزا دے گا کہ ان کے اس مذاق کی۔ وَ يَمُدُّهُمْ اور ان کو اس وقت مہلت دے رہا ہے — فِىْ طُغْيَانِهِمْ ان کی گمراہی میں — يَعْمَهُوْنَ۔ وہ حیران و سرگرداں ہیں۔ فرمایا میں صحیح سزا تو کے دن دوں گا۔ لیکن اس وقت میں ان کو اور ڈھیل دے رہا ہوں۔ اور گمراہ ہو جائیں۔ چونکہ انہوں نے میرے دین کے ساتھ ٹھٹھا کیا ہوا ہے لئے میں ان کو سزا دیتا ہوں۔ کہ وہ اور گمراہ ہو جائیں۔ اس لئے جو دین ساتھ مذاق کرتے ہیں وہ کبھی ہدایت کی طرف نہیں آسکتے۔ بدعمل آسکتا ایک آدمی بے نماز تھا۔ کسی نیک بندے کی مجلس میں گیا۔ یا اللہ تعالیٰ نے خود کو توفیق کر دی۔ ہدایت دل میں ڈال دی۔ نمازی بن گیا۔ لیکن جس نے نماز کے مذاق کیا۔ وہ نمازی نہیں بن سکتا۔ اللہ نے اس کے دل کو مسخ کر دیا۔ کہ وہ مذا

رہا ہے اس لئے فرمایا یَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ
يَعْمَهُونَ اللہ ان کو مہلت دے رہا ہے۔ وہ اپنی گمراہی میں حیران اور
پریشان ہیں۔ کبھی یوں جاتے ہیں۔ کبھی یوں جاتے ہیں۔ لیکن ہیں گمراہ۔ نتیجہ قرآن
بتاتا ہے۔ اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ یہی وہ لوگ ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ اِشْتَرَ
وُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى جنہوں نے حاصل کر لیا گمراہی کو ہدایت کے بدلے
میں۔ کیا مطلب؟ ہدایت اُن کے پاس آپہنچی۔ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم سِرَاجًا مُّنِيْرًا ہو کر تشریف لائے۔ ان بدبختوں نے اس
ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی کر لیا ایک سودا کیا۔ یہ دنیا کی زندگی خوشی کیا تھی گزر
جائے۔ قیامت کا دیکھا جائے گا۔ فَمَا رَبِحَتْ پس نہ نفع دیا۔ ان کو
تِجَارَتُهُمْ ان کی سوداگری نے وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ
اور یہ راہ پانے والے نہ ہے۔ انہوں نے سوداگری کی مگر سوداگری میں فیل
ہو گئے۔

ہم سب سوداگری کرتے ہیں۔ حدیث ہے صحیح۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم
نے ارشاد فرمایا۔ كُلُّ النَّاسِ يَغْدُوْ ہر انسان جب صبح کرتا ہے۔ مرد،
عورت۔ چھوٹا۔ بڑا۔ فَبَايِعٌ نَفْسَهٗ وہ اپنی جان کی سوداگری کرتا ہے
آلو بیچنے والا آلو نہیں بیچ رہا۔ وہ اپنی زندگی بیچ رہا ہے۔ دفتر کا کلرک دفتر کا کام
نہیں کر رہا۔ وہ اپنی زندگی بیچ رہا ہے۔ زمیندار کھیت میں ہل نہیں چلا رہا
وہ زندگی بیچ رہا ہے۔ بھائی دیکھو اب گھڑی میں ہو رہے ہیں تقریباً پونے دس
بجے اپنے پونے دس ہو رہے ہیں کیا نو بجے کا وقت اب واپس آسکتا ہے ؟
وہ ختم ہو گیا۔ اگر میں یہ کہہ دوں کہ جی میں نے واہ کینٹ میں درس قرآن دیا ہے

(اللہ قبول فرمائے) یہ بات یوں نہیں ہے۔ میں نے بھی آپ نے بھی ایک گھنٹہ اللہ تعالیٰ کے نام پر بیچ دیا ہے۔ ہم نے تو سوداگری کی ہے (اللہ ہم کو دے) ہم نے درس قرآن نہیں دیا۔ نہ درس قرآن سنا ہے بلکہ ایک گھنٹہ اپنی زندگی کا بیں نے اس درس میں بیچ ڈالا ہے۔ آپ تو جان کا سودا کر بیٹھے ہیں ۔سبھے ہم نہیں ہیں ۔ آلو بیچنے والا۔ چائے بیچنے والا۔ وہ بیچ نہیں۔ وہ تو جان بیچ رہا ہے۔ جو وقت گزر گیا۔ وہ تو واپس نہیں آسکتا۔ وہ اپنی زندگی بیچ رہا ہے۔

اس لئے امام الانبیاء فرماتے ہیں۔ كُلُّ النَّاسِ يَغْدُوْا دنیا کا ہر انسان جب صبح کرتا ہے۔ فَبَائِعٌ نَفْسَهٗ وہ اپنی جان کو بیچتا ہے۔ وہ غلط سمجھتا ہے کہ میں مال بیچ رہا ہوں۔ وہ جان بیچ رہا ہے۔ نتیجہ کیا نکلتا ہے فَمُوْبِقُهَا اَوْ مُعْتِقُهَا (اوکما قال النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم) پس شام کر یا جان کو جہنم میں دھکیل آتا ہے۔ اور یا جہنم سے بچ کر جنت میں چلا جاتا ہے۔ اگر دن بھر تجارت دین کے طریقے پر کی، اللہ کے حکم کے ماتحت دن بھر ملازمت کی اپنا جو فرض منصبی تھا۔ ڈیوٹی پوری ادا کی کھیت میں ہل شرعی طریقے پر چلایا۔ کسی بیگانے کا فصل ضائع نہیں کیا۔ یا جتنی ڈیوٹی تھی اُس کے دن بھر جو کام کرنے کی، صحیح کئے۔ فَمُعْتِقُهَا اس نے شام کو اپنے آپ کو جہنم سے بچا لیا۔ اللہ کے حق بھی ادا کرتا رہا۔ بال بچوں کے لئے رزق بھی پیدا کرتا رہا۔ اس کا پورا جو دن تھا۔ یہ جنت کے بنیک میں اس کے لئے جمع ہو گیا۔ اور جس نے صبح سے بے ایمانی شروع کی۔ رات تک بے ایمانی کرتا رہا۔ بلیک کرتا رہا۔ رشوت لیتا رہا۔ جھوٹ بکتا رہا۔ قومی مفاد کو نقصان پہنچاتا رہا۔ دین

ف بکواس کرتا رہا۔ شام ہوگئی۔ اگر وہ یہ کہتا ہے کہ میں نے آج شام
فلاں فلاں کلام کیا ہے مکھلتے وہ کہتا ہے ــــ وہ اپنے آپ کو جہنم تک
یا ہے۔
تو ہم تاجر ہیں ــــ سوداگر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سوداگری میں نفع
ب فرمائے۔ فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ پس نہ نفع دیا ان کو اُن کی
گری نے وَمَا كَانُوا مُهْتَدِيْنَ اور وہ نہ بنے ہدایت
ہ والے۔

دسواں درس قرآن مجید

ربیع الثانی ۱۳۸۵ھ اگست ۱۹۶۵ء

یہ درس مقدس مندرجہ ذیل آیات کی تفسیر پر مشتمل ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِی اسْتَوْقَدَ نَارًا۔ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِیْ ظُلُمٰتٍ لَّا یُبْصِرُوْنَ ۝ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ اَوْ كَصَیِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِیْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ۔ یَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِیْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ۔ وَاللّٰهُ مُحِیْطٌۢ بِالْكٰفِرِیْنَ ۝

اس درس میں مندرجہ ذیل علمی اور دینی فوائد مذکور ہیں۔

۱۔ قرآن مجید کی مثالیں بیان فرمانے کی حکمت۔

۲۔ اعتقادی منافق دو قسم ہیں۔ قابل اصلاح اور ناقابلِ اصلاح

۳۔ دل کا دروازہ آنکھ اور کان ہیں۔
۴۔ علوم نبوت وہبی اور علوم غیر نبی کسبی ہیں۔
۵۔ قرآن کا علم سمعی بصری نہیں بلکہ قلبی ہے (اصلاح قلب ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔
۶۔ اللہ تعالیٰ کا بڑا عذاب بے حیاء ہو جانے میں ہے۔
۷۔ دین میں سستی کرنے والوں کے لئے خطرہ۔
۸۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تین دعائیں۔
۹۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ کی بیوی کا تقویٰ

واللہ الموفق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میرے دوستو اور بزرگو! پہلی آیاتِ گرامیہ میں اللہ تعالیٰ نے اس زمانے کے ایک گروہ کا بیان فرمایا۔ جسے قرآنی اصطلاح میں منافق کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی چند ایک علامات بیان فرمائیں کہ وہ زبانی طور پر کلمۂ توحید اور رسالت کا اقرار تو کرتے تھے لیکن دلی طور پر وہ اسلام کے خلاف تھے۔ اور اسی بات کا اعتراف وہ اپنے شیاطین کے پاس جا کر بھی کرتے تھے۔ کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں مسلمانوں کے ساتھ ہمارا اٹھنا بیٹھنا صرف استہزاء کے طور پر ہے۔ ہنسی اور مذاق کے طور پر ہے۔

قرآن کریم نے نتیجہ یہ نکالا۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَ مَا كَانُوْا مُهْتَدِیْنَ جس بات کے لئے انہوں نے یہ سب رسوائی اور ذلت اٹھائی۔ اس بات میں وہ ناکام رہے۔ نفاق درحقیقت اس لئے پیدا ہوا کہ مدینہ منورہ کے جو لوگ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کھل کر مخالفت نہ کر سکتے تھے۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ ہم ایسی کارروائی کریں جس کی بناء پر اسلام کو نقصان پہنچے چنانچہ اس کے لئے انہوں نے بہت زیادہ کوشش کی۔ مختلف قسم کی سکیمیں سوچیں اور شرارتیں کیں۔ لیکن انجام یہی ہوا کہ منافقوں کو کامیابی نہ ہو سکی۔ اسلام چمکا اور جناب محمد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کامیابی ہوئی۔

آج کی جو آیات تلاوت کی گئی ہیں ان میں اللہ تعالےٰ نے اس مسئلے کو بیان فرمایا کہ انسان مثال کے طور پر مشکل بات کو جلدی سمجھ سکتا ہے۔ اس لئے قرآن شریف میں امثال بڑی کافی آئی ہیں۔ قرآن کریم نے عالم بے عمل کی مثال دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا (الجمعۃ ۵) ایسے انسان کے متعلق جو اپنی زندگی صرف خواہشات نفسانی کے مطابق گزارے۔ فرمایا۔ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ (الاعراف ۱۷۶) اور بھی بہت سی مثالیں قرآن مجید میں موجود ہیں۔ تو یہاں پر بھی اللہ تعالےٰ نے منافقوں کی مثال دے کر ہمیں سمجھایا کہ منافقوں کی زندگی اپنے مقصد میں حصول کے لئے ناکام ہے اور وہ نفاق کا برتاؤ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کرتے ہیں یہاں پر دو مثالیں دی ہیں۔ پہلی مثال بھی منافقوں کے متعلق ہے اور دوسری مثال بھی منافقوں کے متعلق ہے مگر ان دونوں میں فرق ہے جیسا کہ

میں پہلے تمہید میں بھی یہ عرض کر چکا ہوں۔ کہ نفاق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک نفاق اعتقادی اور ایک ہے نفاق عملی۔ نفاق اعتقادی تو وہ ہے کہ عقیدے کا منافق ہو۔ زبان سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھتا ہے لیکن دلی طور پر اسلام کا مخالف ہو۔ اور یہ منافق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مقدس میں موجود تھے ـــــ بلکہ یہی موجود تھے ـــــ اور دوسرے ہیں منافق عملی، جن کے اعمال منافقوں جیسے ہیں۔ دلی طور پر وہ اسلام کو پسند کرتے ہیں ـــ لیکن عملی طور پر وہ اسلامی تعلیم کو چھوڑ دیتے ہیں۔

یہ آئتیں جو پہلے پڑھی جا چکی ہیں۔ یا اب پڑھی جا رہی ہیں۔ ان میں منافقین

اعتقادیہ کا بیان ہے۔ کہ جو اعتقادی طور پر منافق ہیں۔ ان کی مثالیں یہ ہیں۔ تو پھر اعتقادی منافق دو قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جو نفاق میں گڑھ چکے ہیں۔ اُن کی اصلاح ناممکن ہے۔ اُن کا خاتمہ کفر پر ہوگا۔ اور کفر کی بھی وہ آخری حد تک پہنچے ہوئے ہوں گے۔ جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا۔ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ (النساء ۱۴۵) منافق جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔ دوسری قسم منافقین اعتقادیہ کی تھی جو قابل اصلاح نہیں ہو سکتا ہے کل وہ بات کو قبول کر لیں۔ ابھی پوری طرح ان کی استعداد سلب نہیں ہوئی۔ یہاں پر دونوں کی مثالیں قرآن کریم نے بیان فرمائیں۔ چنانچہ پہلی مثال کو ارشاد فرمایا۔ مَثَلُهُمْ ان کی مثال۔ منافقین کی مثال كَمَثَلِ الَّذِى اس انسان کی طرح ہے اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ جو آگ کو جلائے۔ یہاں ذرا بات تھوڑی سی تشریح کے طور پر لیں زیادہ کرنی پڑے گی۔ کہ ان کی مثال اس انسان کی طرح ہے جو اندھیرے میں ہو اور وہ روشنی حاصل کرنے کے لئے آگ جلائے تاکہ مجھے روشنی حاصل ہو۔ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ پس جب روشن کر دیا اُس آگ نے مَا حَوْلَهٗ ۔ اس کے ارد گرد کو ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ لے گیا اللہ تعالیٰ ان کی روشنی کو وَتَرَكَهُمْ اور چھوڑ دیا ان کو۔ فِىْ ظُلُمٰتٍ کئی اندھیروں میں لَّا يُبْصِرُوْنَ وہ اب کچھ بھی نہیں دیکھتے صُمٌّ وہ بہرے ہیں۔ بُكْمٌ ۔ وہ گونگے ہیں۔ عُمْىٌ ۔ وہ اندھے ہیں۔ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ پس وہ اب اسلام کی طرف نہ لوٹیں گے۔

منافق اعتقادی کی پہلی قسم تمثیل کے طور پر قرآن کریم نے بتائی کہ ان کا کلمہ پڑھنا

اسلام کا اقرار کرنا۔ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں بیٹھنا۔ اور ظاہری طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب اور تعظیم کرنا۔ یہ سارے کام کر کے در حقیقت یہ چاہتے ہیں۔ کہ اپنے خبث باطن پر پردہ ڈالیں۔ جو کچھ یہ کر رہے ہیں۔ در حقیقت یہ دین کے لئے نہیں کر رہے بلکہ آگے قرآن شریف میں آئے گا۔ اللہ تعالےٰ نے صاف فرمایا۔ وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْکُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ (المائدہ ۶۱) جب آئے تھے تب بھی کافر تھے اور جب گئے تب بھی کافر۔ آنا جو تھا وہ بھی خباثت کے لئے تھا اور جانا بھی خباثت کے لئے تھا۔

مثال دے کر سمجھایا قرآن شریف نے کہ یوں سمجھ لیجیے کہ جس طرح ایک آدمی سفر پر ہو۔ اندھیرے میں ہو۔ راستہ نظر نہ آتا ہو۔ اپنی جان کا بھی پتہ نہ ہو۔ اپنے ہوش و حواس کا بھی پتہ نہ ہو۔ تو وہ اندھیرے کو دور کرنے کے لئے آگ روشن کرے۔ آگ جلائے جوں ہی آگ جلے اور اسے اپنا ماحول نظر آئے تو یوں بات بن جائے کہ روشنی سلب کر لی جائے تو اب یہ پہلے سے بھی زیادہ اندھیرے میں ہو جائے گا۔ اور ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ایک آدمی سورج غروب ہوتے وقت باہر ٹہلتا ہو۔ باہر پھر رہا ہو تو اسے اندھیرا کم نظر آتا ہے۔ لیکن جو آدمی غروب شمس کے وقت یا مغرب کے وقت کسی روشنی کے نیچے بیٹھا ہو۔ روشنی کے سامنے بیٹھا ہو۔ اور پھر وہ روشنی کو گل کر دے۔ یا باہر نکل جائے تو اسے اندھیرا زیادہ نظر آتا ہے۔ اندھیرا بڑھ جاتا ہے۔

قرآن کریم نے یہاں پر منافقین اعتقادیہ کی مثال دے کر سمجھایا کہ یہ آگ روشن کرتے ہیں۔ اتنی روشنی کرتے ہیں کہ ان کو اپنا ماحول۔ ارد گرد نظر آجائے۔ لیکن

چونکہ اُس آگ کے روشن کرنے میں یہ نیک نہاں ہیں۔ ان کی نیت میں خیر نہیں ہے۔ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں شرارت کے لئے کہہ رہے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ان کے اس نور ہدایت کو سلب کر لیتے ہیں۔ اور یہ پہلے سے بھی زیادہ گمراہ ہو جاتے ہیں۔ وہ آگ کیا ہے؟ اندھیرا کیا ہے؟ میرے بزرگو! وہ کفر کا اندھیرا ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عرب اور ساری دنیا میں موجود تھا۔ منافق کلمہ پڑھتے ہیں۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ تو اس سے کچھ روشنی لگ جاتی ہے۔ وہ اپنا ماحول دیکھ لیتے ہیں۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر بیٹھتے ہیں سنتے ہیں۔ دل کچھ نیکی کی طرف مائل ہونے لگ جاتا ہے۔ لیکن وہ دل سے چاہتے نہیں نیکی کو۔ اطاعت کو۔ اسلام کو۔ اس لئے رب العالمین اس نور کو سلب کر لیتے ہیں۔ اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ پہلے سے بھی زیادہ گمراہ ہو جاتے ہیں۔ اس لئے جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت کے بعد گمراہی سے پناہ مانگنے کی امت کو ترغیب دی۔ ویسے بھی تو گمراہی سے پناہ مانگنی ہی چاہئے۔ لیکن جو گمراہی ہدایت کے بعد ہو وہ بڑی شدید خطرناک ہوتی ہے۔ جیسا کہ ایک آدمی تندرست ہو۔ اس کے بعد وہ بیمار ہو۔ بیماری کے بعد تندرست ہو۔ اور پھر اسے بیماری چمٹ جائے جسے ہماری پنجابی میں "پچھاڑ" کہتے ہیں۔ تو پھر اس کا تندرست ہونا ناممکن سا ہو جاتا ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے مسلمانوں کی جو علامات بیان فرمائی ہیں۔ سورہ آل عمران میں آتا ہے

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (آل عمران ۸)

اے ہمارے اللہ لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا۔ ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ

کرنا۔ بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا۔ جب کہ تو نے ہمیں راستے پر چلا دیا۔ اب ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرنا۔ اگر ہمارے دل ٹیڑھے ہو گئے تو جو ہم نے ہدایت حاصل کی ہے یہ ہمارے لئے مفید نہیں۔ بلکہ مضر ہوگی۔ یہاں پر منافقوں کے متعلق فرمایا۔ کہ جب وہ کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں مسلمانوں کے ساتھ آکر نماز پڑھتے ہیں۔ میل جول رکھتے ہیں۔ تو کچھ تھوڑا سا راہ ہدایت ان کو معلوم ہو جاتا ہے لیکن قلبی طور پر چونکہ وہ راہ حق کے متلاشی نہیں ہیں۔ اس لئے اس نور کو سلب کر لیا جاتا ہے اور پھر تَرَکَھُمْ فِیْ ظُلُمٰتٍ لَّا یُبْصِرُوْنَ وہ پہلے سے بھی زیادہ اندھیروں میں پڑ جاتے ہیں۔ جیسے کہ پہلی آیت آپ ملاحظہ فرمالیں گزر چکا ہے کہ وہ مسلمانوں کے پاس آکر کیا کہتے ہیں؟ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ۔ مسلمانوں کے پاس آکر کہتے ہیں کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں۔ ہم قیامت کو مانتے ہیں۔ ہم جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتے ہیں۔ اب یہ روشنی ہوئی۔ آگ جلائی انہوں نے۔ کچھ تھوڑی سی روشنی ہوئی۔ جب اپنے شیطانوں کے پاس پہنچے۔ انہوں نے کہا تم جا کر مسلمان بن گئے ہو؟ وہ کہتے ہیں۔ نہ جی اِنَّا مَعَکُمْ ہم تو بھائی تمہارے ساتھ ہیں۔ ہمارا اسلام کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ تو پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تم کیوں گئے؟ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَھْزِءُوْنَ۔ وہاں تو ہم ٹھٹھے کے لئے گئے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو جاتے ہیں۔ ان کے پاس جا کر کہا کہ میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔ ہم نے تو مذاق کیا مسلمانوں کے ساتھ۔"

جس آگ کو خود روشن کیا اس کے نور سے بھاگنے کی کوشش کی۔ تو اندھیرا پہلے سے اور بڑھ گیا۔ اس لئے بعض کتابوں میں موجود ہے۔ ان منافقین

یں سے کوئی بھی ایمان نہیں لایا۔ ان کا خاتمہ کفر پر ہوا۔ اور قرآن نے گواہی دی کہ ان کا خاتمہ کفر پر ہوگا۔ کیونکہ وہ دل سے ہدایت کو قبول ہی نہیں کرتے۔ یہ پہلی قسم کے منافق ہیں۔ اور نتیجہ قرآن نے نکالا۔ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ۔ یہ نہیں لوٹیں گے۔ کفر سے لوٹ کر اسلام کی طرف آئیں؟ یہ نہیں ہوگا۔ قرآن نے فیصلہ کر دیا۔ اور وجہ کیا بیان فرمائی؟ وہ تو بہرے ہیں، صُمٌّ بہرے ہیں (یہ تنوین للتنویع ہوتی ہے۔ نوع کے لئے) — وہ خاص قسم کے بہرے ہیں جن کا علاج آپ کے ہسپتالوں میں نہیں ہو سکتا۔ صُمٌّ — خاص قسم کے بہرے ہیں۔ بُكْمٌ خاص قسم کے گونگے ہیں۔ عُمْيٌ خاص قسم کے اندھے ہیں۔ آپ کی عینکیں ان کی نظر کو تیز نہیں کر سکتیں۔ اور نہ آپ کی ادویات سے ان کی زبان چل سکتی ہے۔ بلکہ ان میں خاص قسم کی بیماریاں ہیں۔ خاص قسم کا بہرہ ہونا۔ خاص قسم کا گونگا ہونا۔ اور خاص قسم کا اندھا ہونا۔ وہ کیا ہے یعنی حق کے قبول کرنے کے لئے وہ اپنے آپ کو عاجز سمجھتے ہیں۔ دین حق کے قبول کرنے سے وہ اپنے آپ کو تہی دامن سمجھتے ہیں۔ درحقیقت وہ اس بات کے عادی نہیں جب بھائی کانوں سے بات سنیں نہ زبان سے بات پوچھیں اور دل سے بات کو یقین نہ کریں۔ آنکھوں سے رستہ نہ دیکھیں تو پھر بتاؤ۔ وہ ہدایت کس طرح حاصل کریں۔ یہ تو راستے ہیں بات سننا راستہ ہے۔ بات پوچھنا راستہ ہے۔ نظر سے دیکھنا یہ راستہ ہے (دل کا) دل کے چند راہ ہیں۔ دل درحقیقت ایک مخزن ہے۔ جس میں کہ باہر سے اشیاء کا دخول ہوتا ہے۔ اس لئے قرآن نے نعمتیں گنواتے ہوئے فرمایا۔ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ ط

قَلِيلاً مَّا تَشْكُرُوْنَ (الملک ۲۳) اللہ نے تمہارے لئے قوت سماع کو بنایا۔ اللہ نے تمہارے لئے قوت بصر کو بنایا۔ اور اللہ نے تمہارے لئے دل کو بنایا۔ دل کا لفظ قرآن شریف جہاں تک میرا مطالعہ ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی نعمتوں کا بیان فرمایا۔ لفظ دل بعد میں آتا ہے۔ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ کانوں سے انسان سنتا ہے۔ تب دل پر جاکر بات لگتی ہے۔ آنکھ سے کوئی چیز دیکھتا ہے تو دل پر جاکر بات لگتی ہے۔ آنکھ سے کوئی چیز دیکھتا ہے تو دل پر جاکر اثر منقش ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالےٰ نے دل کا حاکم، دل کا دروازہ کان کو اور آنکھ کو قرار دیا۔ غیبت کے سننے کو، غیبت کے کہنے کو دونوں کو جرم قرار دیا۔ آنکھوں کے ساتھ کسی گناہ کی چیز کو دیکھنے کو جرم قرار دیا۔ اور آنکھ کو اور دل کو پھر دونوں کو ملایا قرآن شریف میں آگے آتا ہے۔ یَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَ مَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ (المومن ۱۹) اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں آنکھوں کی خیانت کو بھی جانتا ہوں۔ اور ان باتوں کو بھی جانتا ہوں جو تمہارے سینوں میں پوشیدہ ہیں یعنی جو بات تم نے آنکھ سے دیکھی وہ تمہارے دل پر جاکر منقش ہوگئی۔ مرتسم ہوگئی۔ اگر آنکھ سے تم نہ دیکھتے تو دل پر مرتسم نہ ہوتی۔ دل کا دروازہ ہے تمہاری آنکھ۔ اسی لئے میرے بھائیو قرآن کریم نے غض بصر کا حکم دیا۔ وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ يَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ۔ (النور ۳۰-۳۱) قرآن کریم میں دیکھ لیجئے۔ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں سے کہہ دیجئے کہ

اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! یَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِھِمْ جب راستے پر چلیں تو اپنی نظریں نیچے رکھا کریں اپنی ان آنکھوں کو نیچا کرا کریں نتیجہ کیا نکلے گا۔ وَ یَحْفَظُوْا فُرُوْجَھُمْ اس سے ان کی عصمت محفوظ رہے گی۔ نظروں کو نیچے رکھا۔ عصمت محفوظ رہے گی۔ وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِھِنَّ وَ یَحْفَظْنَ فُرُوْجَھُنَّ۔ مسلمان عورتوں سے بھی کہہ دیجئے اپنی نظریں نیچی رکھیں۔ اس سے ان کی عصمت محفوظ ہوگی یعنی نظر سے کسی چیز کو دیکھا ہی نہیں اور دل میں اس کا تصور نہیں ہوا۔ تو پھر اقدام کیسے ہوگا؟

دل حاکم ہے۔ لیکن حاکم از خود نہیں ہے۔ دل پر کسی چیز کا القا ہوتا ہے ہمارے علوم جتنے ہیں انسانوں کے علوم، یہ سب علوم سمعی، بصری ہیں۔ یعنی ہمارے سب علوم۔ علوم حصولی ہیں حضوری نہیں ہیں۔ ہم کسی بات کو حاصل کرتے ہیں۔ وہ ہمارے دل پر جا کر بیٹھتی ہے۔ پھر اس کے بعد ہمارا دل ایک حکم کرتا ہے۔ ہمارے علوم سمعی بصری ہیں۔ آنکھوں سے ہم دیکھتے ہیں۔ کانوں سے ہم سنتے ہیں۔ زبان سے ہم پوچھتے ہیں۔ ان علوم کو شریعت کی اصطلاح میں علوم کسبی کہا جاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے جو علوم ہوتے ہیں۔ یہ علوم وہبی ہیں۔ وہ علوم کسبی نہیں ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم نے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا۔ قُلْ مَنْ کَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِیْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِکَ بِاِذْنِ اللّٰہِ (سورہ بقرہ ۹۷) اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم قرآن نازل کیا جبریلؑ نے کس پر؟ عَلٰی قَلْبِکَ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر۔ بِاِذْنِ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔ تو قرآن کیا ہے

ن حیات ہے۔ قرآن تو زندگی ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا
لِلّٰہِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ وَ اعْلَمُوْٓا
اَنَّ اللّٰہَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِہٖ (الانفال ع۳) اے
ن والو! جب تم کو اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) بلائے
تم اُن کی طرف جاؤ۔ تمہیں وہ کیوں بلاتے ہیں؟ لِمَا یُحْیِیْکُمْ۔ ان چیزوں
لئے۔ اُن باتوں کے لئے۔ ان اصولوں کے لئے۔ جن سے تمہاری زندگی وابستہ
۔ قرآن کریم تو حیات ہے۔ تو جس قلب منور پر قرآن کریم کا نزول ہوا ہے
آن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ تو جس دل پہ اللہ تعالےٰ کے کلام کا نزول ہوا ہے
دل کبھی غافل نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے میرے دوستو! اور بھائیو! حدیث[1]
دیکھ لیجئے۔ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے کہ آپ سوتے تھے
ن آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اُٹھ کر ایوں بھی ہوا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم)
رتے اُٹھے ہیں۔ اور اتنی گہری نیند آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کی کہ آپ
لی اللہ علیہ وسلم) کے خراٹے سُنے گئے۔ سننے والوں نے محسوس کیا ہے کہ حضور صلی
اللہ علیہ وسلم) گہری نیند سو چکے ہیں۔ لیکن امام الانبیاء، جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ
یہ وسلم جب اُٹھے ہیں (تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو نہیں کیا) اور نماز پڑھ لی
ہے۔ پوچھا گیا تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ میری آنکھ سوتی ہے۔ میرا دل
یں سوتا۔ تو جس دل پر قرآن کا نزول ہو وہ کیسے غافل ہو کر نیند کر سکتا ہے؟
آن اللہ کا کلام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام جس دل پر نازل ہو۔ جو دل قرآن مجید

---

[1] بخاری۔ باب التخفیف فی الوضوء

کا مخزن ہو اسی لئے قرآن شریف میں حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق آتا ہے
عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا اس کو ہم نے اپنی طرف سے علم دیا۔ وہ کسی
کالج میں نہیں گئے۔ وہ کسی سکول میں نہیں گئے۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم
متعلق بھی ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی اُمّی ہیں یعنی کسی سے پڑھا نہ
کسی سے لکھا نہیں سیکھا۔ لیکن نبوت کے اس مقام پر فائز ہیں کہ وہ مقام کسی
کو نہیں ملا۔ فرمایا۔ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا (النساء
بات دوسری طرف نکل گئی۔ اگرچہ یہ سب قرآن ہے۔ میں یہ عرض کر رہا
کہ اللہ تعالےٰ نے انسان کی آنکھوں کو۔ اللہ تعالےٰ نے انسان کے کانوں کو اللہ
تعالےٰ نے انسان کی زبان کو دل کے دروازے قرار دیئے ہیں۔ میرے بھائی
یہ بڑا شور ہے۔ کہ اصلاح معاشرہ نہیں ہے۔ جسے پوچھو کہ جی معاشرے
اصلاح کرو۔ بھائی کون کرے معاشرے کی اصلاح ؟ اللہ تعالےٰ ہم سب
سمجھ نصیب فرمائے۔ بات تو یوں بن جاتی ہے۔ کہ ایک آدمی بُت بناتا ہے
اور دوسرے کو کہے کہ تم بُت توڑتے رہو۔ بھائی تم یہ مہربانی کرو۔ بُت بنا
ہی نہیں۔ اچھی بات ہے۔ کیوں خواہ مخواہ ہمیں محنت میں ڈالتے ہو ایک
بُت بنا تا رہے۔ اور مشرک پر بُت کھڑے کر دے اور کہے کہ تم بتوں کو توڑو
تاکہ لوگوں میں بُت پرستی پیدا نہ ہو۔ اللہ کے بندے تو بُت بناتے ہی نہیں
تاکہ بات چھوٹی ہو جائے۔ بہرکیف ؎

ہر کسے را بہر کارے ساختند

کہتے ہیں کہ اصلاح معاشرہ کرو۔ بھائی معاشرہ کس طرح سے اصلاح پا سکتا
میرے دوستو! ہمارے کان اللہ تعالےٰ کے کلام کو نہیں سنتے۔ ہماری آ

[اللہ] تعالیٰ کے دین کی باتیں کو نہیں دیکھتیں۔ ہماری زبانیں اللہ تعالیٰ کے دین کے [لئے] نہیں چلتیں۔ تو ہمارے دل میں پھر کیا آئے گا؟ اللہ کا دین یا اللہ تعالیٰ کی مخالفت؟ [کا]نی بات ہے ہمارے کانوں نے ہماری زبان سے اور ہماری آنکھوں سے وہ [درو]ازہ ہی بند کر دیا۔ وہ راستہ ہی روک دیا۔ جس سے دل منور ہو سکتا ہے۔ خدا [کے] ذکر کے ساتھ تو پھر فرمائیے اصلاح معاشرہ کیسے ہو؟ اگر آج ہماری آنکھیں [لگ]تی ہیں۔ تو فلموں پر لگتی ہیں۔ ہماری آنکھیں اگر لگتی ہیں تو فلمی رسالوں پہ لگتی ہیں۔ [ہمار]ے کان لگتے ہیں تو ریڈیو کے گانوں پر لگتے ہیں۔ ہماری زبان چلتی ہے تو [گ]انے پڑھنے پر۔ لغو اشعار پڑھنے پہ۔ ہماری زبانیں بھی رب العالمین کے [را]ستے سے کٹ گئیں تو پھر بتا دیجئے دل بچارے میں کیا جائے گا؟ ہدایت [یا گ]مراہی جائے گی؟ وہ تو گمراہی ہی جائے گی۔ اس لئے اسلام نے اعضاء کو [در]ست رکھنے کا حکم فرمایا۔ قرآن کریم کی میں نے ابھی آیت آپ کے سامنے پڑھی [قر]آن کریم نے فرمایا۔ یَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْیُنِ ۔ اللہ تعالیٰ آنکھوں [کی] خیانت کو جانتا ہے۔ اور پھر قرآن کریم نے دوسری جگہ حکم دیا ہے — کہ [م]ومنوں سے کہہ دیجئے۔ کہ اپنی آنکھیں نیچی رکھیں۔ مومن عورتوں سے کہہ دیجئے [ک]ہ وہ اپنی آنکھوں کو نیچا رکھیں۔

میرے بھائیو اور عزیزو! فقہ اسلام میں پہلی نظر مباح ہے۔ آپ راستے [پر] جا رہے ہیں۔ دوسری طرف سے کوئی بہن۔ بچی۔ مائی آرہی ہے نظر اچانک [چ]ہرے پر پڑ گئی یا ان کی آپ کے چہرے پر پڑ گئی۔ یہ نظر ہے مباح یعنی اس [می]ں گناہ نہیں ہے۔ لیکن دوبارہ پھر کوشش کی گئی کہ اس کو دیکھ لیا جائے کہ یہ [کو]ن ہے اس کی چال کو دیکھا جائے۔ اس کے خدوخال کو دیکھا جائے۔ یہ

نظر بن جائے گی مکروہ تحریمی حد حرام کے قریب ہے۔ اور بعض روایتوں
جہاں تک میں سمجھا ہوں یہ بات ٹھیک ہے۔ تو اللہ تعالے قبول فرمائے
غلط ہے تو اس کی اصلاح ہو جائے۔ بعض روایتوں میں یوں آتا ہے کہ
آدمی کسی غیر محرم کو۔ مرد کسی عورت کو اور عورت کسی مرد کو شہوت کی نظر سے
دیکھ لے گا۔ اس کی ستر سال کی عبادت قبول نہ ہو گی۔ یَعْلَمُ خَائِنَةَ
الْاَعْیُنِ آج کیا بن رہا ہے؟ ستر سال کی عبادت چلی گئی۔ اس نے وہ آنکھ
سے وہ قرآن پڑھتا رہا۔ وہ آنکھ جو جمال الٰہی کے دیکھنے کی مشتاق تھی۔ اس آنکھ
سے اس گوشت پوست کی ایک چیز کو دیکھا جو مٹی سے بنی ہے۔ تھوڑے زمانے کے
بعد وہ مٹی میں مل جائے گی۔ بنی بھی مٹی سے ہے مٹی کی شکل میں چلی بھی مٹی میں جائے
گی۔ ہم سب مٹی کے ہیں۔ یہ جو دیکھتے ہیں۔ آپ یہ دوڑنے والے چلنے والے۔ بیٹھنے
والے تیرنے والے۔ یہ سب مٹی کے ڈھیلے ہیں۔[1] مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ
فِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰی
اگر اس مٹی میں اللہ کا ذکر آ گیا تو یہ مٹی کیا بن جائے گی؟ کستوری بن جائے گی
عنبر بن جائے گا۔ اس سے پھر خوشبوئیں آئیں گی۔

آج حضرت لاہوری رحمتہ اللہ علیہ کی قبر سے خوشبو آتی ہے۔ امام بخاری
کی قبر سے خوشبو آتی ہے۔ یہ مٹی نہیں ہے۔ اب وہ مٹی عنبر اور کستوری بن گئی
اور اگر مٹی چلی گئی غلاظت کی طرف تو یہ غلاظت میں متبدل ہو جائے گی۔ بدلے
گندگی کی بدبو آئے گی۔ کراہیت آئے گی۔ نقشہ بدل جائے گا۔ صحیح حدیث
ہے میرے دوستو یہ سب قرآن ہے۔ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] طٰہٰ ۵۵

نے ارشاد فرمایا۔ روح المعانی میں[1] موجود ہے۔ کہ قیامت کے دن نَاسٌ مِّنْ اُمَّتِیْ کچھ لوگ میری امت کے اپنی قبروں میں سے نکلیں گے۔ اُن کی شکلیں خنزیر کی ہوں گی۔ ان کی شکلیں بندروں کی ہوں گی۔ صحیح حدیث ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ دین میں مداہن تھے۔ مداہنت کرتے تھے۔ پکا دین کو نہیں پکڑتے تھے۔ بس مطلب کی بات لے لی۔ اور دوسری باتوں کو چھوڑ دیا۔ تو چونکہ دنیا میں انہوں نے اپنی خواہشات نفسانی کی پیروی کی۔ آج خواہشاتِ نفسانی کی پیروی کرنے کے لئے خنزیر کی شکل ہے۔ اور دنیا میں اپنا مطلب پورا کیا۔ جیسا کہ بندروں کا حال ہے۔ تو اس لئے دُنیا میں تو ان کی شکل مسخ نہ ہو گی۔ کیونکہ جناب رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے تین دعائیں مانگیں۔ اللہ تعالیٰ نے میری تینوں دعاؤں کو قبول فرمایا۔

[2] پہلی دعا یہ تھی کہ یا اللہ میری امت مجموعی طور پر گمراہ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی۔ اگر ایک جگہ امت گمراہ ہو گی۔ تو دوسری جگہ سے دین پیدا ہو گا۔ اگر کچھ لوگ بے دین ہوں گے تو کچھ لوگ دیندار ہوں گے۔ دیکھئے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا اثر ہے۔ الحمد للہ بارش میں، اس آرام کے دن میں۔ چھٹی کے دن میں آپ بھائی اپنے گھروں سے تشریف لائے یہاں قرآن سننے کے لئے بیٹھے ہیں۔ کچھ لوگ سو رہے ہیں۔ کچھ لوگ گپیں مار رہے ہوں گے۔ کچھ لوگ سیر و سیاحت میں مصروف ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو توفیق بخشی کہ آپ قرآن سننے کے

---

[1] روح المعانی المائدہ آیت ۶۹ [2] مشکوٰۃ

کے لئے آ گئے۔ اگر آپ نہ بلاتے اگر آپ یہ کام نہ کرتے آپ یہ برکت نہ بناتے تو جیسا سست آدمی' میں تو سویا ہوا تھا۔ یہ ہمارے شاہ صاحب موڑ لے کر خود تشریف لائے کہ چلو بھائی راہ چلنا ہے۔ تو میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ یہ اللہ تعالےٰ کا دین ہے۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کا اثر ہے۔ کہ امت مجموعی طور پر گمراہ نہ ہوگی ایسے لوگ بھی ہیں جو کھیلتے ہوں گے۔ سیر کرتے ہوں گے اور کسی شغل میں ہوں گے۔ لیکن لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھنے والے کچھ ایسے بھی میں جو یہاں جامن سٹریٹ میں اب قرآن سن رہے ہیں۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا اثر ہے۔

دوسری دعا امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی کہ یا اللہ میری امت کی شکل مسخ نہ ہو۔ کیونکہ پہلی امتیں جب گناہوں میں بڑھ جاتی تھیں۔ تو ان کی شکلیں مسخ ہو جاتی تھیں۔ شکل بدل جاتی تھی۔ اور پھر وہ رینگ رینگ کر تیسرے دن مردار ہو جاتے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کو قبول فرمایا۔ ورنہ بھائی سوچو میرے دوستو اور میرے بھائیو! وہ کون سا گناہ ہے جو ہم نہیں کر رہے؟ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے نبی گزرے ہیں۔ قرآن اٹھا کر دیکھ لو۔ تاریخ انبیاء اٹھا کر دیکھ لو۔ ہر نبی کی امت نے کوئی کوئی گناہ کیا۔ مثلاً قوم شعیب علیہ السلام کم ناپتی تھی کم تولتی تھی۔ یا قوم لوط (علیہ السلام) برے فعل کی مرتکب تھی یا اور قوموں کے حالات قرآن میں ہیں۔ ان میں تو انفرادی طور پر برائیاں تھیں۔ ہم مسلمانوں میں اکٹھے طور پر موجود ہیں۔ تو ایک گناہ کرنے والوں کی شکل مسخ ہو گئی۔ دس

گناہ کرنے والوں کی شکل کیوں مسخ نہیں ہو سکتی؟ یہ دعا ہے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

اور تیسری دعا امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی کہ اے اللہ تعالیٰ مجھے حق دے کہ میں قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کروں۔ فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے مجھے وہ بھی دیا۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ قیامت کے دن قبروں سے جب مردے نکلیں گے تو دنیا میں تو ان کا پردہ پڑ گیا لیکن قیامت کے دن وہ اپنی قبروں سے نکلیں گے۔ نَاسٌ مِّنْ اُمَّتِیْ میری امت کے کچھ لوگ ان کی شکلیں خنزیر کی ہوں گی یا ان کی شکلیں بندروں کی ہوں گی کہ دنیا میں وہ مداہن تھے۔ اللہ تم مجھے اور آپ سب کو برے خاتمے سے بچائے۔ میرے بھائی ہمارا حال تو جیسے ہے وہ ہم جانتے ہی ہیں۔ میں اپنے آپ کو جانتا ہوں۔ آپ اپنے آپ کو جانتے ہیں۔ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ ۙ وَّلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَهٗ ۔ (القیامہ ۱۴-۱۵) ہر شخص اپنے نفس کی حالت سے بخوبی باخبر ہے۔ اگر یہ عذر لو چھوڑ دے تو صحیح سمجھتا ہے۔ آج ہم اس رنگ میں بھی ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف قدم اٹھاتے جا رہے ہیں۔ کسی کو بھی آپ لے لیں۔ بھائی لاکھ میں سے کسی ایک کو یاد کو چھوڑ دیجئے۔ کروڑوں میں سے چند کو مستثنیٰ کر دیجئے۔ اگرچہ آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ اخبارات پڑھتے ہیں۔ رسالے پڑھتے ہیں اور آپ آنکھوں سے تو دیکھتے ہیں۔ میں بھی دیکھ رہا ہوں کہ ہم کدھر جا رہے ہیں۔ ہماری زندگی کا رخ کدھر ہے؟ محمد رسول اللہ صلی اللہ وسلم کی طرف یا اللہ تعالےٰ کے نبی کی مخالفت کی طرف ہے؟ کوئی بھی ہو، کیسے باشندے مولوی ہو، پیر ہو، سرمایہ دار

ہو۔ کارخانہ دار ہو۔ ملازم ہو۔ چھوٹا ہو۔ بڑا ہو۔ مرد ہو۔ عورت ہو۔ کوئی بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف تقریباً سب دوڑ رہے ہیں۔ (الا ماشاءاللہ) کچھ نیک وجود ہیں وہ بہت تھوڑے ہیں۔ شاید میں نے پہلے بھی کسی روز کہا ہو۔ ایک مشہور شعر ہے۔ اور مجھے بہت پسند ہے۔ داغؔ کا ایک شعر ہے۔ داغؔ فرماتے ہیں ؎

ڈھانپا کفن نے داغؔ عیوب برہنگی
ورنہ میں ہر لباس میں ننگ وجود تھا

داغؔ تخلص بھی ہے۔ داغؔ کہتے ہیں کہ میرا اگر کفن نہ ہوتا۔ تو واللہ اعلم میرے بدن کا کیا حال ہوتا کیونکہ دنیا میں جتنے لباس میں پہن کر آیا وہ سب لباس مجھ پر لعنت بھیجتے تھے۔ کہ تو کس لباس میں اپنے آپ کو شریف بنا رہا ہے — حالانکہ تو اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا نافرمان اور بہت ہی کمینہ انسان ہے۔

تو میں عرض یہ کر رہا ہوں میرے بھائیو! صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ آج دیکھ لیجئے۔ کہ صُمٌّ کتنے ہیں؟ کتنے ہیں جو اذان سن کر مسجد میں جاتے ہیں۔ بُکْمٌ کتنے گونگے ہیں؟ کتنے ہیں جو صبح قرآن کی تلاوت کرتے ہیں؟ اور کتنے نہیں پڑھتے۔ قرآن پڑھتے ہیں؟ عُمْیٌ کتنے ہیں جو آنکھوں والے ہیں؟ حضرت لاہوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ تم کہتے ہو سارا جہان دیکھنے والا ہے۔ اندھا کوئی ہے میں کہتا ہوں سارے اندھے ہیں دیکھنے والا کوئی ہے۔ اللہ کے ولیوں کی باتیں بھی بڑی عجیب ہوتی ہیں۔ تم کہتے ہو سارے لوگ سننے والے ہیں۔ بہرہ کوئی ہے۔ میں کہتا ہوں بہرے سارے ہیں سننے والا کوئی ہے۔ اور بات ٹھیک ہے۔ جسے تلاش حق ہو وہ تو ہر شے میں پا سکتا ہے۔ میں پہلے بھی اپنے کسی درس

میں کہہ چکا ہوں ۔

فَفِی کُلِّ شَیْءٍ لَہٗ آیَۃٌ تَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ وَاحِدٌ

ہر چیز خداوند تعالیٰ کے جمال پر۔ خداوند تعالیٰ کی ربوبیت پر۔ خداوند تعالیٰ کی عظمت پر دلالت کرتی ہے۔ متلاشی اور طلب کرنے والا کوئی ہو تو ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی واحدنیت کے دلائل موجود ہیں بشرطیکہ اس کے دل میں طلب ہو۔ آخر بھائی دیکھئے کسی شہر میں تمہارے بھائی جاتے ہیں وہ سینما پہنچ جاتے ہیں۔ وہ تانگے سے یا بس سے اترتے ہی پوچھتے ہیں۔ کہ بھائی یہاں سینما کس طرف ہے؟ آج کونسی فلم لگی ہوئی ہے۔ اب تو اخبار دیں میں پرچوں کے پرچے کھرے ہوتے ہیں فلمی اعلانات کے ساتھ کہتے ہیں۔ جی اصلاح کرو۔ ہو رہی ہے اصلاح تھوڑی سی کسر باقی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائے کسی رسالے کو اٹھا کر آپ دیکھ لیں کسی اخبار کو آپ اٹھا کر دیکھ لیں۔ کسی کتاب کو اٹھا کر دیکھ لیں کسی فحش نگاری کو آپ دیکھ لیں۔ فحش نگاری کا تو اب کوئی معیار نہیں رہا۔ اللہ کے ساتھ مذاق اللہ کے نبی کے ساتھ مذاق۔ دین کے ساتھ مذاق۔ اسلامی شعائر کے ساتھ مذاق۔ یہ طلوع" اور یہ "لا لف" رسالے۔ آپ دیکھتے ہی رہتے ہیں۔ اب ان میں خداوند تعالیٰ کی تصویریں۔ انبیاء علیہم السلام کی تصویریں ہمارے مسلمان بھائی کیا کم کرتے ہیں؟ یہ بھی تو اتنا ہی زور لگاتے ہیں۔ آج کے اس دور میں سب سے سمجھدار وہ انسان ہے سب سے بڑا صاحب قلم وہ ہے جو مذہب کے خلاف لکھے جس نے مذہب کے خلاف لکھا۔ وہ بہت بڑا صاحب قلم اور صاحب دانش ہے جس نے کہ مذہب کی دھجیاں بکھیریں نعوذ باللہ تعالیٰ من ذالک آج بتائیے ہم صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ ہیں یا نہیں؟ ہماری نگاہ ہی نہیں اٹھتی اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی طرف

ورنہ ہر ذرّہ ذرّہ خداوند تعالیٰ کے وجود پر گواہ ہے۔ اور یہ کائنات کے سارے انقلابات صبح وشام، عشاء ومغرب یہ سارے کے سارے دعوت دیتے ہیں کہ اے انسان تو فانی ہے۔ تو رب العالمین کے سامنے سربسجود ہو جا۔ اسی لئے قرآن میں فرمایا۔ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوۡکِ الشَّمۡسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیۡلِ وَ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ ؕ اِنَّ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ کَانَ مَشۡہُوۡدًا (اسراء ۷۸) کون پڑھے قرآن کو؟ کون سُنے قرآن کو؟ یہ تو وہی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے پسند کر لیا۔ (اللہ تعالیٰ اس میں برکت پیدا فرمائے) کہ وہ قرآن کی طرف راغب ہیں ورنہ ہماری اکثریت سمع، بصر اور اپنے دل کو اور اپنی زبان کو غیر اللہ کی طرف لگا چکی ہے۔ ذرا بھی توجہ کی جائے تو سب کچھ معاملات پھر سے ٹھیک ہو سکتے ہیں۔ یہ کوئی اتنی بڑی باتیں نہیں ہوتیں نیکی بھی آسان بدی بھی آسان ——— اور آج کل جیساکہ صحیح حدیث ہے امام الانبیاء نے قیامت کی چند علامات بیان فرمائیں۔ کہ قیامت کے قریب یہ ہو گا۔ کہ بعض لوگ صبح کو کافر ہو گا۔ اور شام کو وہ مومن ہوں گے۔ شام کو وہ مومن ہوں گے اور صبح کو وہ کافر ہوں گے۔ اور ابھی اس کی مثال آپ کے سامنے پیش کر چکا ہوں۔ ایک آدمی رات بیمار رہا ہے۔ دیکھتا ہے کہ میری بچی، میری بہن بے پردہ ہی ہے (اللہ تعالیٰ ہماری بچیوں کو شرم وحیا نصیب فرمائے۔ کہ آج یہ ایک عجیب عذاب میں مبتلا ہیں) میرے بھائیو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی مختلف قسمیں ہیں سب سے بڑا جو عذاب ہے وہ بے حیا کر دینا ہے۔ یاد رکھو۔ رزق نہ دینا بھی عذاب ہے بیماری بھی عذاب ہے۔ آپس میں لڑا دینا بھی عذاب ہے لیکن سب سے بڑا جو عذاب

ہے۔ وہ بے حیا کر دیتا ہے۔ جیسا کہ امام الانبیاء نے فرمایا۔ اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَۃً ایمان کی کچھ اوپر ستر شاخیں ہیں۔ اور ان شاخوں کو گنتے ہوئے فرمایا۔ اَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اس کی بڑی شاخ کون سی ہے۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھنا وَاَدْنَاهَا اِمَاطَۃُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ" اور اس کی ادنیٰ شاخ راستے سے دکھ دینے والی چیزوں کو دور کر دینا۔ وَالْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ اور حیا؟ یہ ایمان کا بہت بڑا شعبہ ہے۔ آج دیکھ لیجئے یہ شعبہ ہم گرا بیٹھے ہیں یا ہم نے یہ تھاما ہوا ہے۔ ہمارے شجرۂ ایمانی سے یہ ٹہنی کاٹ دی گئی یہ ٹہنی کٹ چکی ہے۔ زمین پر گر چکی ہے۔ پرزے پرزے ہمارے ہاتھوں ہو چکی ہے مسلمانوں سے حیا سلب ہو چکا ہے۔ مردوں میں کچھ تھوڑا سا ہوگا ہماری بچیوں میں سے تو حیا بالکل نکل چکا ہے۔ ایک وقت تھا۔ کہ ہماری بچیاں شرماتی تھیں۔ باپ کے سامنے بھی آنے سے۔ بھائی کے سامنے بھی آنے سے۔ میری بہنیں اور بچیاں ناراض نہ ہوں۔ یہ بڑے دکھ کی باتیں ہیں اور حقیقت ہے یہ۔

ہماری بچیاں شرماتی تھیں سامنے آنے سے۔ ہماری بچیاں شرماتی تھیں باپ کے ساتھ بات کرنے سے۔ اب ہماری بچیوں کو ٹریننگ دی جاتی ہے۔ کہ وہ غیر محرموں کے ساتھ کس طرح بات کریں۔ اپنی ہنسی کس طرح کریں۔ ان کے ساتھ وہ کس طرح میل جول رکھیں۔ تاکہ وہ اپنے آپ کو مقبول بنا سکیں۔ کس طرح وہ دوسرے کے ساتھ ملیں۔ صحیح واقعہ ہے[1]۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ فاتحانہ طور پر تشریف لائے۔ مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ تو ابوجہل کا بیٹا

---

[1] تاریخ اسلام

عکرمہ بھاگ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ میرے باپ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جو کچھ کرسکتا تھا کیا تھا۔ اگرچہ وہ جنگ بدر میں مارا گیا۔ مگر عکرمہ یہ جانتا تھا کہ آج امام الانبیاءؐ کی فتح ہو چکی ہے۔ اور میری خیر نہیں ہے۔ عکرمہ بھاگ کر جدہ چلا گیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ سے مکہ مکرّمہ تشریف لا کر معافی کا اعلان فرما دیا۔ کہ سب کے لئے معافی ہے۔ صرف دو آدمیوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کیا باقی سب کو معاف کر دیا۔ فرمایا۔ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۔ تم پر آج کے دن کوئی مواخذہ نہیں ہے تم سب آزاد ہو۔ میں رحمۃ للعالمین ہوں۔ رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ سب کو معاف کر دیا جائے۔ دو آدمیوں کو حضور نے اپنے دست مبارک سے قتل کیا باقی سب کو معاف کر دیا۔ عکرمہ بھاگ کر چلا گیا جدہ کی طرف کہ میری خیر نہیں۔ عکرمہ کی بیوی حاضر خدمت ہوئی آپؐ نے اسلام قبول کیا اور عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ اجازت دیں تو میں عکرمہ کو پناہ دیتی ہوں ــــ خاوند تھا ــــ فرمایا جاؤ تیرے خاوند کو پناہ ہے اسے تلاش کر کے لاؤ۔ محمد رحمۃ للعالمین ہیں۔ جو کچھ کیا انہوں نے اپنے لئے کیا میرا کیا بگاڑا۔

چنانچہ بیوی نکلتی ہے خاوند کی تلاش میں ــــ سننے کی باتیں ہیں ــــ سیرت کے جلسے ہم کرتے ہیں سیرت کے جلسے سنتے ہیں۔ اور ہمارا کردار؟ سراسر سیرت کے خلاف۔ لِسَانٌ يُسَبِّحُ وَقَلْبٌ يُذَبِّحُ زبان کے ساتھ تسبیح پڑھ رہا ہے۔ اور دل کے ساتھ ذبح کر رہا ہے۔ زبان کے ساتھ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اور بڑے بڑے نعرے مگر دل میں؟ ملامت ہے (نعوذ باللہ من ذالک) تو کیا کل اللہ تعالےٰ کے ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری شفاعت کریں گے۔ کیا ہمارا کردار اس قابل ہے۔

کہ ہمارے اہل اللہ، اولیاء اللہ، صحابہ کرام۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے خوش ہوں گے ہمارے کردار سے جو ہم کر رہے ہیں؟ ——
ہمارا باطن خراب، ہمارا ظاہر خراب، ہماری زندگی کا اوڑھنا بچھونا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں ہے۔ نعروں سے کیا بنتا ہے؟ کچھ نہیں بنتا۔ یہ تو ایک فریب نفس ہے۔ یا تلذذ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس میں حقیقت پیدا فرمادے۔ آمین!

تو عکرمہ کی بیوی تلاش کے لئے نکلی اپنے خاوند کی۔ جدہ کی طرف وہ جا رہی تھی۔ تو عکرمہ وہاں سے واپس آ رہے تھے۔ سنا ہو گا۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو معاف کر دیا ہے۔ تو عکرمہ جدے سے واپس آ رہے تھے۔ میاں بیوی دونوں کی ملاقات وہاں راستے میں ہو گئی۔ عکرمہ کی بیوی نے کہا اللہ کے بندے تو خواہ مخواہ گھر سے بھاگ آیا۔ یہ محمد رسول اللہ تو رحمۃ اللعالمین ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو عام معافی کا اعلان کر دیا ہے۔ اور میں نے اسلام قبول کیا ہے۔ اور تیرے لئے میں نے پناہ چاہی ہے۔ میں اپنی کفالت میں تجھے لے کر جاتی ہوں۔ عکرمہ تو بالکل ہی گھبرا عکرمہ نے کہا یہ بالکل ٹھیک ہے۔ جب چلنے لگے تو آخر بیوی تھی، وہ تنہا تھے عکرمہ نے اپنی بیوی کے ہاتھ پر ہاتھ ڈالنا چاہا۔ تاکہ میں اس کا ہاتھ پکڑ کر چلوں۔ ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی تو عکرمہ کی بیوی پیچھے ہٹ گئی۔ اور فرمایا کہ خبردار میرے بدن کے ساتھ اپنے ہاتھ کو ٹچ مت کرنا۔ میں اب مسلمان ہو چکی ہوں۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھ چکی ہوں۔ تیرا میرا فیصلہ دربار نبوت میں ہو گا۔ میں نے امن کے لئے تیری ضمانت

دیں کہ تو میرا پہلا خاوند ہے اب تو میں اسلام لا چکی ہوں۔ تیرا میرے ساتھ کیا تعلق ہے؟ چلے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں گے وہاں چل کر تم اپنی صفائی پیش کر دگے۔ اسلام قبول کر دگے۔ پھر جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جو فیصلہ ہو گا وہ مجھے منظور ہو گا۔

آج بتائیے ہماری بچیوں کا کیا حال ہے؟ خود ہمارا کیا حال ہے؟ مرد جو ہے وہ کوشش کرتا ہے کہ غیر عورت کے ہاتھ میں میرا ہاتھ آجائے۔ بیچاری کوشش کرتی ہے عورت کوشش کرتی ہے۔ کہ غیر مرد کا ہاتھ میرے ہاتھ میں آجائے۔ اللہ تعالے ہمیں سمجھ نصیب فرمائے بھائی۔ ہماری زندگی بڑی بے رخی جا رہی ہے۔ اخباروں میں آپ فوٹو دیکھتے ہی رہتے ہیں۔ پردہ کلب میں عورتوں کا اجتماع ہوتا ہے۔ ہماری بہنیں بیٹھی ہیں سوچتی ہیں۔ چلو کچھ بھی ہو۔ وہاں ہوتا ہے پردہ۔ قناتیں لگی ہیں۔ باہر باقاعدہ پہرہ ہے۔ کوئی مرد اندر جانے نہ پائے۔ ٹھیک ہے۔ بڑی اچھی بات ہے۔ خوشی کی بات ہے لیکن کیا وہ پردہ پردہ رہتا ہے؟ دوسرے دن وہ فوٹو اخبار میں آجاتا ہے۔ یہ پردہ کلب ہو رہا ہے۔ یعنی کراچی میں اگر ایک میٹنگ ہوئی ہے یا لاہور میں پردہ کلب میں ایک میٹنگ ہوئی جس میں پندرہ بیس ہماری بچیاں۔ ہماری بہنیں بیٹھیں۔ انہوں نے کچھ بھی کیا۔ سوچ بچار کیا۔ انہوں نے کسی پروگرام کی تکمیل کی کسی مرد کو دیکھنے کی اجازت نہیں۔ باہر پہرہ لگا ہے۔ لیکن وہ پورے کا پورا فوٹو۔ دوسرے دن اخبار میں آتا ہے۔ جو ہزاروں کی تعداد میں چھپتا ہے اور سارے لوگ اسے دیکھتے ہیں تو یہ پردہ ہوا یا بے پردگی؟ یعنی پردہ کلب کی یہ بے پردگی ہے۔ تو بے پردہ کلب کا کیا حال ہوگا؟ اگرچہ بحمداللہ ہم مسلمان

ہیں مگر ہمارے اعمال اور کردار تو ایسے ہی ہیں، قرآن فرماتا ہے کہ صُمٌّۢ بُکۡمٌ عُمۡیٌ یہ بہرے ہیں حق بات سنتے ہی نہیں۔ بُکۡمٌ یہ گونگے ہیں۔ حق بات کو یہ پوچھتے ہی نہیں عُمۡیٌ یہ اندھے ہیں۔ حق بات کو یہ دیکھتے ہی نہیں۔ جب تینوں دروازے بند کر دیئے تو پھر اصلاح کیسے ہو؟ فَہُمۡ لَا یَرۡجِعُوۡنَ۔ پس یہ بالکل نہیں لوٹیں گے۔ اللہ تعالٰی نے فیصلہ کر دیا ہے اے میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ ناقابل اصلاح ہیں۔ یہ کافر ہی ہو کر مریں گے۔ جو منافق زبان سے بھی نہیں بولتے حق بات، جو منافق کان سے بھی حق بات نہیں سنتے۔ جو منافق کان سے بھی حق بات نہیں سنتے۔ جو منافق آنکھ سے بھی حق بات نہیں دیکھتے۔ اور دل تو پہلے ہی فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ وہ پہلے بات آچکی ہے تینوں راستے بند ہیں۔ اور دل تو ایک برتن ہے۔ تو پھر وہ لوٹیں کیسے؟ اگر یہ چاہتے تو ہدایت بالکل آسان تھی۔

ایک واقعہ ہے۔ مشہور واقعات ہوتے ہیں اہل اللہ کے۔ کہ اللہ تعالٰی کے کوئی ولی جا رہے تھے اپنے مریدوں کے ساتھ۔ راستے میں ایک آدمی سنگترے بیچ رہا تھا۔ تو اس نے کہا کہ بھائی "اچھے سنگترے" ـــ تو حضرت صاحب کو غش آگیا۔ اللہ والے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ آج کل تو ہمارا حال ہی اور ہے اس نے کہا۔ "اچھے سنگترے" حضرت صاحب بے ہوش ہو کر گر گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب ہوش آیا تو مریدوں نے پوچھا وہ جو مخلص مرید تھے۔ خلفاء ساتھ کہ حضرت یہ کیا بات تھی۔ کہ اس نے قرآن نہیں پڑھا۔ کوئی نعت نہیں پڑھی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ نہ کوئی مثنوی مولانا روم کی ہے۔ نہ دیوانِ حافظ

کے اشارے ہیں۔ یہ ترنگترے پیچ رہا ہے۔ یہ تو یہ کہہ رہا ہے" اچھے سنگترے
تو آپ وحد میں کیوں آ گئے؟" فرمایا کہ تم اس کی بات نہیں سمجھے یہ کچھ اور کہہ
رہا تھا۔ یہ کہہ رہا تھا ـــ" اچھے سنگ تیرے" یہ تو کہتا ہے جن کے سنگ اچھے
ہیں وہ تر جائیں گے۔ اور جن کے بُرے سنگ ہیں وہ ڈوب جائیں گے
ٹھیک کہہ رہا ہے۔ یعنی بات اور تھی سمجھنے والے نے اور طریقے پر سمجھ لیا
تو ہر چیز میں نصیحتیں ہیں ہمارے لئے۔ ہر چیز میں عبرتیں ہیں ہمارے
یہ پتے۔ یہ پودے یہ دیواریں، یہ زمین و آسمان۔ بیل دہھار۔ یہ ساری کی ساری
چیزیں۔ میرے بھائیو میرے عزیزو اللہ تعالیٰ کی طرف داعی ہیں اگر ہم
کے ساتھ ذرا بھی سمجھیں تو اللہ تعالیٰ کو ہم پا سکتے ہیں۔ وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ
اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ
(بنی اسرائیل ۴۴)

جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن سحری کو اُٹھے اور
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ابدی معمول تھا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اٹھے
تو آسمان پر ستارے جگمگا رہے تھے۔ چاند اپنی پوری چاندنی بکھیر رہا تھا
فضا بڑی صاف تھی۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کو دیکھ کر فرمایا
اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ
الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ
یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ
وَ یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبَّنَا
مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ

لَّنَّا رِ آخر تک آئتیں پڑھنے کے بعد امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں
ہو آدمی قرآن کی ان آئیتوں کو پڑھے اور پھر ان میں غور و فکر نہ کرے وَیْلٌ
لَّہٗ وہ آدمی تباہ و برباد ہو جائے گا۔ یعنی زمین میں آسمان میں کائنات
کے چپے چپے میں بلکہ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ
فرمایا تم اپنے آپ کو ہی دیکھ لو مجھے پا لوگے۔ کون دیکھے؟ جب کانوں
میں وہ قوت نہیں۔ جب آنکھوں میں وہ قوت نہیں جب زبان میں وہ
قوت نہیں۔ قوت تو ہے۔ ہم اس کو استعمال نہیں کرتے اللہ تعالےٰ ہمیں
ایسے بُرے خاتمے سے بچائے۔ یہ منافقوں کے بارے میں بات آرہی ہے
مگر بھائی عمل ہمارے بھی تو کچھ ٹھیک نہیں ہیں۔ اس لئے فرمایا۔ فَھُمْ
لَا یَرْجِعُوْنَ پس وہ بالکل نہیں لوٹیں گے۔ یہ تو ان لوگوں کی مثال ہے
جو منافق اعتقادی ہیں۔ اور ان کا لوٹنا ناممکن ہے۔ وہ کفر پہ ہی
رہیں گے۔

اب دوسروں کی مثال سن لیجئے ترجمہ میں کر دیتا ہوں۔ اَوْ کَصَیِّبٍ
یا ان بارش کی طرح ہے۔ مِّنَ السَّمَآءِ جو آسمان سے برس رہی ہو
فِیْهِ ظُلُمٰتٌ اس بارش میں اس بادل میں اندھیرے ہوں۔ وَ
رَعْدٌ اور بجلی کی کڑک ہو وَبَرْقٌ اور بجلی کی چمک ہو یَجْعَلُوْنَ
اَصَابِعَهُمْ کرتے ہیں یہ لوگ اپنی انگلیوں کو فِیْٓ اٰذَانِهِمْ اپنے
کانوں میں مِّنَ الصَّوَاعِقِ بجلی کے کڑکتے وقت حَذَرَ الْمَوْتِ
موت سے بچنے کے لئے۔ موت کے ڈر سے وَاللّٰهُ مُحِیْطٌۢ بِالْکٰفِرِیْنَ
حالانکہ اللہ تعالےٰ کافروں کو اپنے گھیرے میں لینے والا ہے۔ یَکَادُ

اَلْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ بالکل قریب ہے۔ کہ بجلی ان کی آنکھوں کو اچک لے۔ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ جب کبھی روشنی ہوتی ہے۔ ان کے لئے یہ چلتے ہیں۔ اس روشنی میں وَ اِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا جب اندھیرا ہو جاتا ہے تو وہ وہیں کھڑے رہ جاتے ہیں۔ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ اگر چاہتے ہیں اللہ تعالےٰ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ لے جاتے اللہ تعالےٰ ان کے کانوں کو وَاَبْصَارِهِمْ اور ان کی آنکھوں کو اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ بیشک اللہ تعالےٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

یہ دوسری مثال ہے۔ اس آیت کا خلاصہ میں آج عرض کرتا ہوں تفصیل پھر عرض کروں گا۔ خلاصہ دوسری آیت کا یہ ہے اللہ تعالےٰ بیان فرماتے ہیں۔ جیسا کہ ایک آدمی راستے پر جا رہا ہو۔ رات کا وقت ہو۔ آسمان پر گہرا بادل ہو۔ بادل برس رہا ہو۔ اس آدمی کو راستہ نظر نہ آتا ہو۔ اب اس کے سامنے تین چیزیں ہیں۔ ۱۔ بادل کا اندھیرا ۲۔ اور بادل میں بجلی چمک رہی ہے۔ اس کا چمکنا ۳۔ اور وہ کڑک بھی رہی ہے۔ اس کڑکنا۔ وہ کوشش کرتا ہے کہ میں راہ پالوں۔ اپنے گھر تک پہنچ جاؤں منزل مقصود تک پہنچ جاؤں۔ اب اس کے سامنے دو باتیں ہیں ۱۔ بجلی کی کڑک سے یہ ڈرتا ہے۔ ۲۔ بجلی کی چمک سے یہ فائدہ اٹھانا چاہتا ہے جب بجلی کڑکتی ہے۔ کانوں میں انگلیاں ڈال لیتا ہے۔ کوشش کرتا ہے کہ میں بجلی کی کڑک کو نہ سن سکوں۔ حالانکہ وہ بجلی کی کڑک کو سنے یا نہ سنے اس پر اگر بجلی نے گرنا ہے۔ تو گر کر ہی رہے گی۔ اور جب کبھی بجلی کی روشنی ہوتی ہے

تو یہ دو چار قدم اٹھا لیتا ہے لیکن جب بجلی کی چمک بس ہو جاتی ہے۔ یا یہ اپنے آپ کو اس سے بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ تو وہیں کھڑے کا کھڑا رہ جاتا ہے۔ فرمایا کہ ابھی تک میں نے اس کی پوری قوتوں کو سلب نہیں کیا۔ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ اگر میں چاہوں تو اس کی ساری قوتوں کو سلب کر لوں لیکن ابھی تک چونکہ یہ چل رہا ہے۔ ابھی یہ رکا نہیں ہے۔ اگر میں چاہتا تو اس کی اس قوت کو میں سلب کر لیتا۔ اور اس کی وضاحت یوں ہے ۔۔ میرے بزرگو اور بھائیو! کہ بارش سے مراد ہے وحی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ رات سے مراد ہے کفر۔ وہ زمانہ سارے کا سارا کافرانہ زمانہ تھا۔ اس میں ایک بارش نازل فرمائی۔ اللہ تعالے نے وحی کو قرآن کریم نے بارش کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ کہ جس طرح بارش کے بعد مردہ زمینیں زندہ ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح قرآن کے ساتھ مردہ دل زندہ ہو جاتے ہیں۔ تو آسمان کا اندھیرا یہ کفر ہے۔ اور وہ بارش کیا ہے؟ وحی ہے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ اور اس وحی میں دو چیزیں ہیں۔ پہلی بشارت اور اللہ تعالیٰ کا ڈرانا بھی ہے۔ ڈرانا ان کو ہے۔ جو اللہ تعالے کے حکموں کو نہیں مانتے۔ بشارت ان کے لئے ہے جو اللہ تعالے کے حکموں کو مانتے ہیں۔ تو فرمایا کہ یہ منافق جو کلمہ پڑھتے ہیں۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ تو تھوڑی سی چمک ہو جاتی ہے۔ یہ دو چار قدم اٹھا لیتے ہیں۔ لیکن پھر چونکہ باطن کے یہ خبیث ہیں پھر ان پر وہ اندھیرا چھا جاتا ہے۔ تو

وہیں اٹک کے رہ جاتے ہیں۔ اور یہ یوں کیوں کرتے ہیں؟ حذر الموت بجلی کی کڑک سے ڈرتے ہیں کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ نے علی الاعلان کہہ دیا کہ یہ کافر ہیں۔ تو جیسا کہ انجام ہوا بدر کے کافروں کا وہی انجام ہوگا مدینے کے منافقوں کا۔ اس لئے چلو ہم کہہ دیں کہ جی ہم مسلمان ہیں اور اس روشنی سے تھوڑا سا فائدہ اٹھالیں تاکہ بجلی کی کڑک سے ہم بچ جائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ کہ ابھی میں ان کو کچھ مہلت دے رہا ہوں۔ اگر ان کی اصلاح ہوگئی۔ انہوں نے اصلاح اپنی کرلی تو بہتر ورنہ پھر ان کا خاتمہ بھی اسی طرح برباد ہوگا جیسا کہ پہلوں کا خاتمہ برباد ہوا۔

اس میں کچھ مزید تفصیل رہ گئی ہے۔ انشاء اللہ آئندہ درس میں اگر اللہ تعالیٰ نے زندگی عطا فرمائی تو تفصیل عرض کردی جائے گی۔ آج بھی ہم نے کوشش کی۔ مگر ایک تو بارش تھی۔ ایبٹ آباد تو موسم بہت اچھا تھا۔ الحمد للہ یہاں بھی موسم اچھا ہے۔ وہاں بڑی گہری بارش تھی اور یہ میرے بزرگ بھائی سویرے ہی آگئے تھے۔ مگر سستی مجھ سے ہوئی۔ اس اجتماع میں ہم دیر سے پہنچے۔ انشاء اللہ آئندہ اس کی تلافی کردی جائے گی اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

نوٹ:۔ حضرت قاضی صاحب کالج سے موسم گرما کی تعطیلات میں ہر سال ایبٹ آباد تشریف لے جایا کرتے ہیں۔ جہاں

فی احباب کو حضرت قاضی صاحب سے اخذ فیض کا موقع مل جاتا ہے۔ حضرت کی خاص کرم نوازی ہے کہ ایبٹ آباد سے بلی واہ ینٹ تشریف لاتے رہے۔ اور درس میں ناغہ نہ ہونے دیا۔

جزاءهم الله تعالیٰ احسن الجزاء

"مرتب"

گیارہواں درس قرآن مجید

جمادی الاول ۱۳۸۵ھ مطابق ستمبر ۱۹۶۵ء

قرآن مجید نے آیاتِ خداوندی کو صدقِ دل سے سننے والوں کی یہ نشانی بتائی ہے کہ جب ان پر آیاتِ خداوندی کی تلاوت کی جاتی ہے۔ تو ان کا ایمان بڑھا دیتی ہیں۔ الحمدللہ واہ کینٹ کے دوستوں کا ایمان اس طرح بڑھا کہ اب وہ ہر انگریزی ماہ کے آخری اتوار کو درسِ قرآن کے لئے بے چین اور مضطرب رہتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ اس ذوق اور شوق میں برکت دے اور ہم سب کو عمل کی توفیق سے بھی نوازے۔

۲۶ ستمبر کا آخری اتوار پاکستان کے لئے ذہنی اور عملی مصروفیت کا تہوار تھا۔ اس شدید دماغی مصروفیت کے پیشِ نظر واہ کینٹ پہنچنا اور پھر حلقۂ احباب کا جمع ہونا مشکل ترین امر تھا۔ مگر اللہ تعالےٰ منتظم صاحب کو جرأت عطا فرمائیں کہ وہ ۲۴ ستمبر ہی کو اپنا ٹیپ ریکارڈر لے کر کیمبل پور تشریف لے آئے اور درس ریکارڈ کر کے لے گئے جو حلقہ احباب میں سنا دیا گیا

اسی طرح یہ پاکیزہ اور بابرکت سلسلہ باتواتر رہا۔
قرآن مجید ابدی اور دوامی ہدایات کا سرچشمہ ہے۔ ایک مسلمان اپنی زندگی کا ہر ایک راہ عمل اس کو دیکھ کر اور سمجھ کر مقرر کر سکتا ہے۔ ستمبر ۶۵ء کا مہینہ پاکستانی مسلمانوں کے لئے ان کے ہزار سالہ بھولے ہوئے سبق "الجہاد" کو یاد کرنے اور یاد کرانے کا مہینہ تھا۔ اس مناسبت سے اس اتوار کو سورہ الصف کی آیات کا درس ریکارڈ کرایا گیا۔
اس درس مقدس میں مندرجہ ذیل تعلیمات قرآنی کا ذکر ہے۔
۱. ہر انسان اپنی زندگی کی تجارت کرتا ہے۔
۲. کامیاب تجارت جہاد ہے۔
۳. ایمان کا پہلا اثر موت سے نڈر ہو جاتا ہے۔
۴. جہاد بالمال بڑا جہاد ہے۔
۵. نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذریعہ معاش
۶. اسلام کی تاریخ میں جہاد کا مقام۔
۷. صحابہ کرامؓ کا شوق شہادت۔
نوٹ:
برکات جہاد اور دفاع کے اثرات پر احقر کا مرتبہ رسالہ رحمتوں کا خزانہ ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

واللہ الموفق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وحدہٗ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہٗ

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ھَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنْجِیْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ۔ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَیُدْخِلْکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ وَمَسٰکِنَ طَیِّبَۃً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۔ وَاُخْرٰی تُحِبُّوْنَھَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ (الصف ۱۰ تا ۱۲)

یہ آیات سورہ الصف کی ہیں۔ جس میں جہاد کے متعلق کئی احکام بیان کرکے اس کو مسلمانوں کا طرۂ امتیاز بتایا گیا ہے۔ یہود و نصاریٰ کے ساتھ تقابل، ان پر فتح کے اسباب، اور بشارات و نیز دیگر کئی امور اس

سورۃ میں مذکور ہیں۔ جن کی تفسیر اور تفصیل کے لئے کافی وقت درکار ہے۔ اس لئے تلاوت کردہ آیات کا ترجمہ اور ضروری تفسیر پیش کی جاتی ہے۔

ارشاد فرمایا۔ اے ایمان والو! میری بات کو ماننے کا دعویٰ کرنے والو۔ اے مسلمانو! تم تو میری راہنمائی کے طالب۔ تمہارا وظیفہ تو یہ رہتا ہے۔ هَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (الکہف ۱۰) اگر تم پسند کرو اور ضرور کرو گے۔ اس لئے کہ تم تو مسلمان ہو اور مسلمان کی نشانی یہ ہے کہ جب وہ کسی آیت کو سنتا ہے۔ میری طرف سے نازل ہونے والی وحی اس تک پہنچتی ہے۔ تو اس کا دل تنگ نہیں ہوتا۔ بلکہ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا (الانفال ۲) اس لئے تم میری بات کو ضرور پسند کرو گے۔ سن لو! اس کارگاہِ عالم میں تم سب سوداگری کرتے ہو۔ شب و روز اسی دھن میں رہتے ہو کہ انسانی ضروریات پوری طرح حاصل کر سکیں یہ عارضی زندگی آرام سے کٹے اور یہ سوداگری تمہاری روزانہ صبح سے شام تک جاری رہتی ہے۔ جیسا کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کُلُّ النَّاسِ يَغْدُوْ فَبَائِعٌ نَفْسَهٗ ہر انسان صبح ہوتے ہی تجارت شروع کر دیتا ہے۔ بظاہر وہ کسی مال کی تجارت کرتا ہے مگر درحقیقت وہ تو اپنی زندگی بیچتا ہے۔ مگر وہ سودا کرتے وقت کبھی کبھی اس قدر غلطی کر جاتا ہے۔ کہ اپنی جان جیسی عزیز متاع کو کھوٹے سکے اور گلی سڑی چیزوں کے عوض بیچ ڈالتا ہے۔ اس لئے وہ اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالتا ہے۔ فَمُوْبِقُهَا۔ اور اگر وہ سوچ سمجھ سے کام لے۔ میری دی ہوئی زندگی میری ہی ہدایت پر بیچے تو اس میں سراسر فائدہ اور نفع ہی ہے۔

اور مستقیما آؤ آج میں تم کو ایسی تجارت اور سوداگری بتاؤں جو تم کو دردناک عذاب سے نجات بخشے گی۔ اس کے لیے چند آداب اور شرائط ہیں جیسا کہ ہر تجارت کے شروط اور آداب ہوتے ہیں۔ وہ شروط یہ ہیں کہ:۔

اللہ پر یقین رکھو۔ جو زبان سے اقرار کیا ہے اس کو دل کی گہرائی سے تسلیم کرو۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی باتیں۔ اللہ تعالیٰ کی رضا، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی تم اس وقت تک نہیں سمجھ سکتے جب تک کہ اس کے فرستادہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہ مانو۔ کہ آپ کو اسی لئے تو بھیجا گیا ہے۔ جو تجارت تم کرنا چاہتے ہو۔ ان ہی کی تعلیم کی روشنی میں سمجھ سکو گے جیسا کہ اسی سورۃ میں ان آیات سے پہلی آیت میں موجود ہے۔ جب تم نے صدق دل سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مان لی۔ تو سن رکھو وہ تجارت کون سی تجارت ہے۔ تم نے اس تجارت کو آٹا، دال کی تجارت سمجھا۔ زمین سے نکلی ہوئی دھاتوں کا حصول سمجھا حالانکہ تمہاری یہ سوداگری تو اس قدر عظیم ہے۔ کہ تمہارا خالق اور مالک حقیقی عز اسمہ وجل جلالہٗ خود اس زندگی اور حیات کا خریدار ہے۔ جو اسی کا عطیہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا:۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ (توبہ ع ۱۱۱)

اسی سلسلۂ تجارت کا دوسرا نام جہاد ہے۔ جس کو یہاں ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے بعد تم میں ایک انقلاب پیدا ہونا ضروری ہے اور اس انقلاب کا اوّلین نتیجہ یہ ہو کہ تم کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی اور رضامندی

ہر چیز سے مقدم اور بہتر محسوس ہونے لگے گی۔ آخر تم مسلمان ہو۔ کیا تم ان جادوگروں سے بھی کمزور ہو جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مقابلہ کرنے آئے۔ مگر اسلام اور ایمان کی دولت سے حقیقتاً مالا مال ہو گئے۔ اس ایمان اور یقین کا اولین اثر جو ان میں نمودار ہوا وہ کیا تھا؟ جب فرعون نے ان کو دھمکی دی کہ میں تم کو صلیب لگا کر ہمیشہ کے لئے ختم کر ڈالوں گا۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ:-

خدا کے دشمن تو اسلام اور ایمان کی لذت کو کیا جانے؟ یہ تو ہم سے پوچھ کہ مئے توحید کا پیالہ نوش کرنے کے بعد ہمارے نشہ کی کیفیت کیا ہے؟ غور سے سن لے۔ تیرے دست اختیار میں ہماری جو سب سے بڑی سزا ہے وہ یہی تو ہے کہ تو ہم کو اس دنیا سے ختم کر ڈالے گا۔ تیرے نزدیک موت کوئی خطرناک اور ڈرانے والی چیز ہو سکتی ہے۔ مگر ہمارے ہاں تو یہ ہے کہ:-

إِنَّمَا تَقْضِي هَٰذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا إِنَّا آمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطَايَانَا (طٰہٰ ۲۰، ۷۲-۷۳)

ہم تو اب زندہ رہنے کے لئے ایمان نہیں لائے بلکہ اب تو زندگی اسی کے نام پر مٹے گی۔ اور اسی کے نام پر کٹے گی۔ جو اس کا خالق ہے۔ ہمارا سب سے بڑا مدعا تو یہ ہے کہ ہماری غلطیوں کو معاف کر دیا جائے۔ اس شہادت کے پیش کرنے سے مقصد یہ ہے کہ ایمان صادق کا پہلا اثر مسلمان پر یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی زندگی جیسی محبوب چیز کو اپنے آقا و مولا کے نام پر نثار کر دینا سب سے بڑی سعادت سمجھتا ہے۔ جب یہ بات ہے تو اے مسلمانو تم کو لازم ہے کہ

اس دعویٰ ایمانی کی تصدیق کرتے ہوئے اپنے اموال کو اور اپنی جانوں کو جہاد فی سبیل اللہ پر لگا دو۔ قرآن کریم میں عمومی طور پر جہاں جہاں جہاد کا حکم دیا ہے وہاں جہاد مالی کو جہاد بالنفس پر مقدم فرمایا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی نظروں میں اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز انسان کا مال ہے۔ انسان مال کے حصول کے لئے رات دن مصروف عمل رہتا ہے آخر آج ہمارے مزدور بھائی کانوں میں کام کرتے ہیں۔ سرنگیں لگا کر نمک اور کوئلہ نکالتے ہیں سمندروں کی تہ میں پہنچ کر ہر خطرے کا مقابلہ کرتے ہوئے سر دھڑ کی بازی اسی لئے تو لگاتے ہیں کہ ان کو مال مل جائے۔ دولت حاصل ہو۔ پھر دل بھوک پیاس برداشت کرتے ہیں۔ بلکہ ہمارے دیہاتی محاورے میں تو ہمارے زمیندار بھائی رات کو اپنی چارپائی اس جگہ بچھا کر سوتے ہیں جہاں وہ ڈولی دفن کرتے ہیں۔ پہلے زمانے میں بنک وغیرہ تو نہ تھے۔ اور نہ ہی نوٹ تھے۔ بلکہ سونے کے پاؤنڈ یا چاندی کے روپے ہوتے تھے۔ اور ان کو مٹی کی ڈولیوں میں ڈال کر زمین میں دفن کر دیتے تھے۔ اور رات کو اپنی چارپائی اوپر ڈالتے تاکہ اگر چور آئیں تو مال نکالنے سے پہلے مال والے کا مقابلہ کریں۔ اس کو قتل کر کے پھر مال لے جائیں۔ اسلام نے اسی لئے مال کی محبت دلوں سے نکالنے کی تعلیم دی۔ جس کے پاس چالیس روپے ہوں وہ اب لینے والا نہیں بلکہ دینے والا ہے۔ وہ زکوٰۃ ادا کرے دراصل مال ہی کی محبت سب نافرمانیوں کی جڑ اور بنیاد ہے۔ فرمایا:

ؔ حُبُّ الدُّنْيَا رَاسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ موت کے یقین ہونے

ؔ مشکوٰۃ کتاب الرقاق۔

پر انسان صرف ایک ہی بات کی خواہش اور تمنا کرتا ہے اور وہ یہ ہے:۔
فَاَصَّدَّقَ وَ اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (المنافقون ۱۰) جو مال چھوڑ کر آیا ہے۔ جس کے لئے حرام و حلال میں تمیز نہ کی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی رات اور دن کا آرام قربان کیا۔ اب وہی تو حسن خاتمہ کے لئے رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ خاتمہ خراب نظر آرہا ہے۔ تب ہی تو خواہش کرتا ہے۔ کہ اگر مجھے تھوڑی دیر کے لئے مہلت دی جائے تو میں اپنا سارا مال نیک کاموں میں خرچ کر داؤں۔ تاکہ اس لئے کہ اس عذاب الیم سے بچ جاؤں۔ فرمایا:۔
لہ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ۔ چنانچہ یہاں بھی فرمایا کہ اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں نچھاور کر دو دفاعی فنڈ اور مجاہد فنڈ میں ناپ تول کر چندہ نہ دو بلکہ سب دے دو۔ اگر ملک باقی ہے۔ وطن باقی ہے تو تم بھی باقی۔ تمہاری عزت و عصمت محفوظ۔ تمہاری مسجدیں خانقاہیں محفوظ اگر تم نے مال کو سینے سے چمٹائے رکھا۔ سامان جہاد تیار نہ کیا۔ مجاہدوں کی امداد نہ کی۔ زخمیوں کی مرہم پٹی نہ کی مجاہدوں کے بال بچوں کی خبرگیری نہ کی تو پھر انجام بھی دیکھ لوگے؟ شاید یہی راز ہو کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رزق کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا جعل رزقی تحت ظل رمحی۔ نبی اور رسول کا رزق نیزے کے سائے میں ہے۔ آج کی حالت بھی اسی بات کی شدید متقاضی ہے کہ تمام انفرادی اور اجتماعی منصوبے ملتوی کر کے جہاد پر رقم خرچ کی جائے سب سے بڑی نیکی سب سے بڑا راہ تقرب یہی ہے۔ کہ دفاعی منصوبوں کو مکمل

لہ المومنون ۱۰۰

کیا جائے۔ سیرت اور تاریخ اسلامی جاننے والے احباب سے پوشیدہ نہیں کہ مسجد نبوی جہاں سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب حقیقی کے سامنے جبین نیاز رکھا کرتے تھے۔ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی کچی تھی۔ حتیٰ کہ بارش کے دنوں میں صحابہؓ فرماتے ہیں کہ حبیب امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اسی مسجد میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ تو اثر الماء والطین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جبین اطہر سے ظاہر ہوا کرتا تھا وہ مسجد مقدسہ زمانہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میں بھی کچی رہی۔ ایام عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں بھی اسی حالت میں تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زمانے میں اس کی وسعت ہوئی جب کہ اسلامی مملکت نصف ایشیا پر چھا چکی تھی۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اپنے اپنے اموال کو جہاد فی سبیل اللہ میں خرچ کرنا اس تجارت کی پہلی سیڑھی ہے۔ جب مال کی پرواہ نہ کی تو جان کی بازی لگانے سے کب رک گئے۔ اپنی جانوں کو پروانہ وار جہاد فی سبیل اللہ کے لئے نچھاور کر دو۔ موت تو ضرور ایک دن آنی ہے۔ جب آئے گی کوئی روک نہ سکے گا۔ اور اگر نہیں آئی کوئی لا نہیں سکتا۔ یہ تو مقام شکر ہے کہ ہونے والی بات رائیگاں نہ جائے بلکہ کسی کے حوالے ہو کر کسی کے نام پر ہو جائے۔ اور کس قدر خوش مقام ہے وہ انسان جس کی زندگی اللہ تعالیٰ کے نام پر قربان ہو جائے۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو جب سولی لگایا گیا تو آپ نے مندرجہ ذیل رباعی پڑھی۔ جو بخاری شریف میں موجود ہے۔

لستُ ابالی حین اُقتلُ مسلماً

عَلٰی اَیِّ شِقٍّ کَانَ لِلّٰہِ مَصْرَعِی
وَذَالِکَ فِی ذَاتِ الْاِلٰہِ وَاِنْ یَّشَاءُ
یُبَارِکْ عَلٰی اَوْصَالِ شِلْوٍ مُمَزَّعِ

واقعی خوش نصیب ہیں وہ جو آقا کے حضور قبول ہو جائیں۔ بھائیو! اور بزرگو یہ بلند مقام اور بڑا مقدس درجہ ہے جس کی قربانی وہ قبول کرے۔ وہ کتنا خوش بخت ہے بعض صحابہ کرام سے ثابت ہے کہ جب ان کو اپنی شہادت کا یقین ہو گیا۔ تو انہوں نے یہ فرمایا۔ فُزْتُ وَرَبِّ الْکَعْبَہ اس سے بڑھ کر اور کیا کامیابی ہو سکتی ہے۔ کہ جان اس کی راہ میں قبول ہو جائے۔ یہ خاک و خون کا بدن اس قدر محترم ہو جائے کہ اس کو مٹی نہ کھا سکے اور محشر میں[1] اس کے بدن سے خون بہتا ہو مگر اس کی خوشبو عنبر سے بھی زیادہ معطر ہو۔

جب تم نے اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ مال اور اسی کی عطا کردہ جان اس کے راستے میں پیش کر دی تو اب تم کامیاب ہو جاؤ گے۔ آخر تم انسان ہی تو ہو۔ خواہشاتِ نفسانی اور خواہشاتِ انسانی تم میں پائی جاتی ہیں۔ تم سے کتنی غلطیاں کی ہوں گی۔ تم سے کس قدر گناہ سرزد ہوئے ہوں گے۔ مگر اس تجارت پر تمہیں بشارت دی جاتی ہے۔ کہ اب تمہارے سارے گزشتہ گناہ معاف ہو جاویں گے۔ تم نے ایسی تجارت بھی کی ہو گی۔ جس کے لئے ارادہ بھی رب العالمین کی نافرمانی کا موجب ہو سکتا ہے۔ اور جس کے لئے ساری تگ

---

[1] مشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم

دو حسب ارشاد قرآنی وُجُوہٌ يَّوْمَئِذٍ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً (الغاشیہ ع ۲ تا ۴) داخلہ ابدی عذاب کا موجب ہو سکتی ہے۔ تم نے ایسے مال کے لئے دور دراز کے سفر کئے ہوں گے۔ جو رب العالمین کی ناراضگی کا باعث ہو سکتا ہے۔ مگر اس تجارت میں تمہارے لئے اتنی بڑی بشارات ہیں کہ جو اور کسی تجارت پر نہیں مل سکتی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

جو قدم جہاد کے لئے اٹھائے گئے ان پر پڑنے والی گرد وغبار اور جہنم کا دھواں اکٹھا نہیں ہو سکتا۔ جو آنکھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کے لئے کھلی رہے وہ جہنم میں نہیں جا سکتی۔

اور اس سے بڑھ کر کیا نفع ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ امام محمد نے السیر الکبیر میں اس حدیث کو نقل فرمایا ہے کہ [1]

جو رات ملکی دفاع کے لئے بسر کی جائے اس کا ثواب اس عبادت سے بھی زیادہ ہے جو حجر اسود کے قریب لیلۃ القدر کو کی جائے۔

شرکاء بدر کو تو فرما بھی دیا اعملوا ما شئتم انی قد غفرت لکم جب گناہ بخش دیئے گئے تو اب داخلہ جنت میں کیا رکاوٹ ہو سکتی ہے۔ جنت کی رکاوٹ تو صرف گناہوں کی وجہ سے تھی اور گناہ تو سب مٹ گئے۔ لیکن یہ بھی یاد رہے کہ یہ صرف وعدہ فردا ہی نہیں بلکہ جس کامرانی اور سربلندی کے لئے تم اس وقت بے تاب ہو وہ بھی تم کو دی

---

[1] السیر الکبیر جلد اول ص ۹

جاتی ہے۔ یہ درست ہے کہ تمہارے پاس اسباب کی کمی ہے۔ تعداد کم ہے ذرائع وہ میسر نہیں جو دشمنان دین کو میسر ہیں۔ مگر تمہارے لئے نصرٌ مِنَ اللہ موجود ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت حاصل ہو۔ وہ کیونکر دل شکستہ ہو۔ فرمایا[1] اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ جب اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہو تو پھر فتح میں کیا دیر ہے فَتْحٌ قَرِیْبٌ اور یہ بات معمولی نہیں بلکہ اسے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم یہ آپ کے ذمے لگایا جاتا ہے کہ آپ ان کو خوش خبری سنا دیں۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو قرآنی تعلیمات پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ مجاہدین پاکستان کی نصرت و مدد فرمائے۔ پاکستانی عظمت کا سکہ اقوام عالم پر بٹھا دے۔

اللھم انصر الاسلام والمسلمین واخذل الکفرۃ والمشرکین اللھم ارحمنا بالقرآن العظیم واجعلہ لنا اماما وھدی و رحمۃ و ذکرنا منہ ما نسینا وعلمنا منہ ما جھلنا و ارزقنا تلاوتہ اناء الیل والنھار واجعلہ لنا حجۃ یا رب العالمین۔

---

[1] آل عمران ع ۱۶۰

بارھواں درس قرآن مجید

جمادی الثانی ۱۳۸۵ھ مطابق اکتوبر ۱۹۶۵ء

اس درس مقدس میں قرآن کریم کی سورہ الکوثر کی تفسیر اور تشریح ہے
یہ درس مندرجہ ذیل معارف اور دینی علمی نکات پر مشتمل ہے۔

۱۔ مسلمانوں کا نظام عمل اور دستور حیات تعلیمات قرآنی میں ہے۔
۲۔ اسم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی برکات اور فیوضات
۳۔ مسلمانوں کے نام اسلامی کیسے ہو سکتے ہیں۔
۴۔ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر شفقت اور امت کے مخالفوں پر غضب
۵۔ جہاد کی عظمت اور شرافت نبی کریم کا ذریعہ معاش۔
۶۔ جہاد کی قسمیں اور ان کا باہمی ربط
۷۔ اللہ تعالےٰ کا قرب اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت کثرۃ سجود میں ہے۔

واللہ الموفق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّآ اَعۡطَيۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَؕ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانۡحَرۡؕ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ

محترم بھائیو دوستو اور بزرگو! الحمد للہ آج ہم پھر قرآن سننے اور سنانے کے لئے اکٹھے ہو بیٹھے ہیں۔ اللہ تعالےٰ اسے قبول فرمائے۔ اور عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آج کی ضرورت کے ماتحت میں نے سورہ کوثر کی تلاوت کی۔ قرآن مجید ہر دور ہر زمانے اور ہر اس چیز کے لئے جو نیکی کی طرف لے جانے والی ہے۔ رہنما ہے۔ اس لئے مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے کسی بھی مشکل وقت اگر صحیح رہنمائی چاہتا ہے۔ تو وہ قرآن مجید سے حاصل کرے۔ آج جس دور سے ہمارا ملک گذر رہا ہے۔ ہماری قوم جن حالات سے دوچار ہے۔ ہمیں اس دور کا کیا کرنا چاہیئے۔ اس کے لیے بھی قرآن مجید ہمارا رہنما ہے۔ اور وہ ہمارا ابدی اور عالمگیر رہنما ہے۔ جو حالات آج کل ہمارے ملک اور ہماری ملت کے ہیں وہ آپ سب جانتے ہی ہیں۔ ایسے دور میں بھی ہمیں قرآن مجید کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ بلکہ اور دوروں سے زیادہ ہمیں اس وقت قرآن مجید کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ سقوط ترکیہ کے انور پاشا مرحوم ایک جگہ تشریف فرما تھے۔ ایک لیڈر کے پیچھے ان کے

پاس ایک دوست پہنچا انہوں نے پوچھا کہ اب تو ترکی کو شکست ہو گئی اس کے بعد تمہارا پروگرام کیا ہوگا؟ انہوں نے اپنی جیب سے ایک چھوٹی کتاب نکالی اور فرمایا کہ میں اپنا پروگرام اس کتاب میں دیکھوں گا۔۔۔ وہ کتاب قرآن مجید تھی۔ تو آج کے ان حالات میں بھی ہمیں سوچنا چاہیئے کہ ہمارا طرز عمل اس دور میں کیا ہو؟ اسی مناسبت سے میں نے سوچا کہ قرآن مجید کی سورت کوثر کو پڑھا جائے۔ اسی کا ترجمہ کیا جائے اور جو اللہ تعالیٰ نے مجھے سکھایا ہے وہ آپ کے سامنے پیش کیا جائے۔ اور ہم سب مل دعا کریں۔ کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

یہ سورہ کوثر قرآن مجید کی دوسری چھوٹی سورت ہے۔ قرآن مجید کی جو سورتیں ہیں کوئی طوال ہیں۔ کوئی اوساط ہیں کوئی قصار ہیں۔ کوئی چھوٹی ہیں کوئی بڑی ہیں کوئی درمیانی ہیں۔ یہ سورت دوسری چھوٹی ہے پہلی چھوٹی سورہ والعصر ہے اور یہ سورہ کوثر جو ابھی میں نے تلاوت کی یہ بھی قرآن مجید کی چھوٹی سورت ہے۔ دوسرے نمبر پر اس کو سمجھ لیجئے۔ اس میں بھی تین آیتیں ہیں اور تین آیتوں میں بھی تھوڑے سے الفاظ ہیں:

اسے کوثر کیوں کہتے ہیں؟ اس کی پہلی آیت ہے اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ اسی مناسبت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام کوثر رکھا۔ میرے دوستو اور بزرگو! یہ قرآن مجید کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے علماء نے لکھا ہے۔ اور یہ صحیح ہے کہ یہ پندرھویں نمبر پر نازل ہوئی۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلے مکی اور مکیوں میں سے بھی پھر ابتدائی مکی ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ سال مکہ مکرمہ میں تشریف

فرمار ہے۔ تو مکی سورتیں جو ابتدائی ہیں۔ ان سورتوں میں بھی سورہ الکوثر کا پندرھواں نمبر ہے۔ یعنی جس وقت کہ سورہ کوثر نازل ہو رہی تھی۔ اس وقت کے حالات دگرگوں تھے۔ مگر سورہ کوثر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک اطلاع دی۔ اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا والوں کو یہ سورت کوثر سنائی۔ اور اسلام کے غلبے اور فتوحات کی پیشین گوئی فرما دی۔

اس سورت میں مضمون تو بہت زیادہ معلوم ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اور اسے جتنا پھیلایا جائے۔ یہ تو پھیلتا جاتا ہے۔ مگر جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس وقت سمجھایا وہ میں یہی سمجھتا ہوں کہ اس سورت میں رب العالمین نے چند مضمون بیان فرمائے ہیں۔ ایک مضمون ہے صداقت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ آپ واقعی اللہ تعالے کے رسول ہیں۔ دوسرا مضمون ہے "غلبۂ اسلام کی بشارت" تیسرا مضمون ہے " قرآن مجید کی صداقت "— چوتھا مضمون ہے " مسلمانوں کے لئے راہ عمل کیا ہونا چاہیئے ؟— اور پانچواں مضمون ہے " اس راہ عمل کا نتیجہ "۔

میں پہلے لفظی ترجمہ کر دیتا ہوں پھر تشریح عرض کروں گا۔ اور ساتھ ساتھ تفسیر بھی آتی جائے گی۔ ارشاد فرمایا۔ إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ بے شک۔ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ ہم نے بخشا آپ کو کوثر۔ میں کئی درس میں عرض کر چکا ہوں کہ کلام کے تین درجے ہوتے ہیں — تین قسمیں ہیں کلام کی — ایک ہوتی ہے "کلام ابتدائی" جب مخاطب خالی الذہن ہو۔ آپ ایک بات کرنا چاہتے ہیں۔ اسے کہتے ہیں "کلام ابتدائی۔ آپ نے اپنے ایک دوست سے کہا کہ "بھائی خالد آ گیا" اس کو خالد کے آنے سے یا نہ آنے

سے کوئی مطلب نہیں۔ تو بس آپ کا اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ "جی خالد آگیا" اسے کہتے ہیں کلام ابتدائی۔ ایک یہ ہے کہ آپ کا مخاطب مشوش ہے کہ خالد آیا ہے یا نہیں آیا۔ تو آپ کہتے ہیں "بھائی میں سچ کہتا ہوں کہ خالد آگیا ہے" اسے کہتے ہیں کلام طلبی" اور ایک ہے کہ آپ کا مخاطب بالکل نہیں مانتا۔ آپ کہتے ہیں "مجھے خدا کی قسم ہے خالد آگیا ہے" بات ایک ہی آپ نے کی۔ لیکن درجات مختلف ہو گئے۔ یہاں پر بھی مکے کے لوگ اس بات کے منکر تھے۔ وہ یہ کہتے تھے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ (نعوذ باللہ) تھوڑا سا قصہ شروع کیا ہے۔ جو دکان شروع کی ہے۔ یہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تک ہی ہے۔ جب یہ دنیا سے چلے جائیں گے۔ تو نام ختم ہو جائے گا۔ قرآن نے فرمایا یہ غلط کہتے ہیں إِنَّا (بے شک ہم نے) "تحقیقی کلام" بے شک ہم نے أَعْطَيْنَا (بخشا) آپ کو کوثر۔ أَعْطَيْنَا بخشا۔ عطا کیا۔ یعنی اسباب کوئی نہیں ہیں۔ بظاہر ذریعہ کوئی نہیں ہے۔ بظاہر کوئی ایسے ذرائع نہیں ہیں جن سے کہ یہ بات سچی مانی جائے مگر ہم یہ کہتے ہیں کہ أَعْطَيْنَاكَ ہم نے بخشا آپ کو کوثر۔ جیسے آپ کو نبوت بخشی نبوت کے لئے آپ نے کون سی ہمت کی نہ تو نبوت کسبی چیز ہے؟ نہ کوئی کورس پاس کیا؟ جو محمد ابن عبداللہ سے محمد رسول اللہ بنانے والا ہوتا۔ وہ کوثر بھی دے سکتا ہے۔ جس نے محمد بن عبداللہ سے امام الانبیاء بنایا؟ خاتم النبیین بنایا۔ تمام نبیوں کا سردار بنایا۔ اور جن کو اللہ تعالیٰ یوں خطاب فرماتے ہیں کہ عَلَّمَكَ[1] مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ

[1] النساء ۱۱۳

وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ــــ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ[1] ــــ کیا وہ اللہ تعالیٰ آپ کو کوثر نہیں بخش سکتا۔ یقیناً بخش سکتا ہے۔

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ــ بے شک ہم نے بخشا آپ کو کوثر ــــ کوثر سے کیا مراد ہے؟ اس میں علماء نے بہت تاویلات فرمائی ہیں۔ اور وہ سب صحیح ہیں ــــ اسے تاویل کہتے ہیں ــــ تاویل کا معنی ہے جو چیز کلام اللہ کے ساتھ مناسبت رکھے، کلام اللہ کے کسی معنی کے ساتھ متعارض نہ ہو۔ کلام اللہ اور کلام الرسول سے متعارض نہ ہو ــــ اسے کہتے ہیں تاویل ــــ اور یہ تاویل صحیح ہے۔

فرمایا إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ بے شک ہم نے آپ کو کوثر بخشا ــــ کوثر سے مراد علمائے تفسیر نے "حوضِ کوثر" بھی لیا۔ "کوثر" سے مراد علمائے تفسیر نے "خیرِ کثیر" بھی لی۔ "کوثر" سے مراد علمائے تفسیر نے "قرآن مجید" بھی لیا۔ "کوثر" سے مراد علمائے تفسیر نے "امت کی کثرت" بھی لی ــــ اور یہ سب مرادیں صحیح ہیں۔ فرمایا کہ ہم نے آپ کو امت کثیرہ عطا کی۔ یہ جو کہتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مٹ جائے گا۔ ان کے چلے جانے کے بعد۔ جب یہ دنیا سے چلے جائیں گے۔ دس سال، بیس سال اور زندہ رہیں گے۔ آخر انسان ہیں دنیا سے چلے جائیں گے۔ تو ان کا نام نامی بھی مٹ جائے گا۔ یہ غلط کہتے ہیں۔ ہم نے آپ کو کوثر بخشا ہے۔ اتنی امت بخشی جتنی کسی نبی کو نہیں بخشی۔ آپ کو ہم نے اتنی روحانی اولاد دی کہ اتنی کسی نبی کو نہیں عطا کی۔ جیسا کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ــــ کہ

---

[1] الم نشرح ۴

تَنَاكَحُوا وَتَوَالَدُوا فَاِنِّیْ مُکَاثِرٌ بِکُمُ الْاُمَمَ —
نکاح زیادہ کرو۔ وَتَوَالَدُوْا — بچوں کو زیادہ پیدا کرو — اولاد پیدا
کرو۔ قیامت کے دن میں تمہاری وجہ سے دوسری اُمتوں پر کثرت کا فخر کروں
— میری امت سب نبیوں سے زیادہ ہوگی۔ یہ جو کہتے ہیں کہ نام مٹ جائے
گا۔ میرا نام کون مٹانے والا ہے؟ اللہ فرماتے ہیں۔ اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ
ہم نے آپ کو اتنی اُمت دی۔ کہ اتنی کسی نبی کی امت نہیں ہوئی۔ اور امت
بھی وہ دی جس کو آپ سے وہ پیار، وہ عشق، وہ محبت ہے جتنا کسی نبی کو
نصیب نہیں ہے۔ دیکھ لیں آپ کے سامنے تاریخیں ہیں انبیاء علیہم السلام
کی۔ حضرت نوح علیہ السلام کو دیکھ لیجیے۔ حضرت موسٰی علیہ السلام کو دیکھ لیجیے
حضرت عیسٰی علیہ السلام کو دیکھ لیجیے۔ یہ چند نام میں نے گنا دیئے ورنہ جتنے
انبیاء علیہم السلام دنیا میں تشریف لائے ہیں۔ ان پر لوگ ایمان لائے ہیں۔ اس
میں کوئی شک نہیں ہے۔ لوگوں نے اُن کو قبول کیا ٹھیک ہے لیکن جو عشق
اور جو محبت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو آپ سے ہے وہ کسی
کو نہیں ہے۔ اور یہی نکتہ ہے۔ اسم محمد میں — جس کی ساری دنیا تعریف
کرے گی۔ عرب والے کہتے ہیں۔ قریش مکہ کہتے ہیں یہ مذمم ہے — جس
کی ساری دُنیا تعریف کرے گی۔ اس کی تعریف میں تو فرشتے بھی رطب اللسان
ہیں۔ فرشتے بھی کہتے ہیں جیسا کہ قرآن فرما رہا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ
یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا
عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (الاحزاب ۵۶) پڑھ لیں درود شریف

ل؎ کتب حدیث

ایک دفعہ ثواب ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی سَیِّدِنَا اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی سَیِّدِنَا اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ تو جس پر اللہ تعالٰے رحمتیں نازل کرے جس پر فرشتے رحمتیں نازل ہونے کی دعا کریں۔ اُس سے بہتر کون محمد ہو سکتا ہے؟ "محمد" جیسے کہا جائے اُس کی امت تھوڑ طسی ہو سکتی ہے؟ اور پھر اس کے ساتھ عشق و محبت کیوں نہ ہو؟ صلی اللہ علیہ وسلم۔ دیکھ لیجئے۔ ساری دنیا میں امام الانبیاء کا جتنا نام لیا جاتا ہے اتنا کسی نبی کا نہیں لیا جاتا ۔۔۔ کسی اور کا لیا ہی نہیں جاتا۔ کوئی غلام محمد ہے کوئی محمد دین ہے۔ کوئی محمد شریف ہے۔ کوئی محمد ایوب ہے۔ کوئی محمد عبداللہ ہے۔ نام کے ساتھ "محمد" ویسے بھی زیادہ کر رہے ہیں۔ اور حدیث میں آتا ہے۔ "شفا" میں قاضی عیاض ؒ نے نقل کیا ہے۔ اس کو کہ اللہ تعالٰے نے فرشتوں کی ایک جماعت مقرر فرمائی ہے۔ جن کا کام یہ ہے۔ کہ وہ اُن گھر دل کو جا کر دیکھتے ہیں۔ "شفا" میں ہے ۔۔۔ قاضی عیاض بہت بڑے محدث ہیں اور اُن کا کہنا سند ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ حدیث نقل فرمائی۔ امام الانبیاء کی حدیث ہے کہ اللہ تعالٰے نے فرشتوں کی ایک جماعت مقرر فرمائی ہے۔ جو ان گھروں کو

ے کتاب الشفاء صفحہ ۵۳ مطبوعہ نولکشور

کو جا کر دیکھتے ہیں۔ جن میں وہ آدمی رہتے ہیں جن کے نام ہیں "محمد" کا لفظ ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) کتنے خوش نصیب میں۔ کیوں دیکھتے ہیں؟ ان کا نام محمد کیوں رکھا ہے؟ ماں باپ کو محمد سے پیار ہے تب محمد رکھا ہے۔ آخر جب ہم نام کسی کا رکھتے ہیں۔ تو کیوں رکھتے ہیں؟ اس نام سے ہمیں پیار ہے۔ پہلے ہمارے ناموں میں محمد کا نام زیادہ تھا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی زیادہ تھا۔

ویسے ضمناً بات آگئی۔ میرے دوستو، میرے بھائیو! اللہ تعالیٰ ہم سب کو اولاد دے۔ جن کی اولادیں ہیں اللہ تعالیٰ ان کو نیک کرے۔ جن کی اولاد نہیں اللہ تعالیٰ اولاد نصیب فرمائے۔ دیکھئے نام رکھتے وقت ضرور یہ خیال رکھا کریں (یہ سارا درس ہی ہے) کہ تمہارے بچوں کے ناموں میں وہ نام آئے جو نام اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے کلام میں جو نام آئے پہلے تو وہ نام آنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام میں ابراہیم علیہ السلام کا نام ہے۔ سَلٰمٌ عَلٰۤی اِبۡرٰهِیۡمَ (الصفٰت ۱۰۹) نوح کا نام ہے۔ سَلٰمٌ عَلٰی نُوۡحٍ فِی الۡعٰلَمِیۡنَ ـــ سَلٰمٌ عَلٰی مُوۡسٰی وَ هٰرُوۡنَ ـــ کیا جن پر اللہ تعالیٰ سلام بھیجتا ہو ان کے نام ہمارے گھروں میں نہیں آنے چاہئیں؟ دیکھ لیں سارے ضلع میں بلکہ سارے پاکستان میں شاید نوح کسی کا نام نہیں ہے ـــ کیوں نہیں ہے؟ کہتے ہیں اس میں جاذبیت نہیں ہے اور "نیلوفر اور گلفرین" اور جانے کیا کیا۔ "ممی" "ممی" ولاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ جو نام اللہ تعالیٰ نے لئے۔ جن ناموں پر اللہ تعالیٰ فرمائیں۔ سَلٰمٌ عَلٰی نُوۡحٍ فِی الۡعٰلَمِیۡنَ ـــ مولوی نہیں رکھتے تو تم

بچے نے برکت رکھو گے؟ پیر نہیں رکھتے؟ ہمارے بچوں میں کسی کا نام نوح نہیں
ہے ــــ کسی مولوی کا نام بتا دیں ــــ کسی مولوی نے اپنے بیٹے کا نام نوح
نہیں رکھا۔ کیونکہ نوح نام رکھنے سے فائدہ؟ ــــ کسی پیر نے اپنے بیٹے کا
نام نوح نہیں رکھا۔ نوح رکھنے سے فائدہ اور پھر اگر یہ نام نہ رکھو تو وہ نام
رکھو جن میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم پاک آئے۔ اللہ تعالیٰ کا
نام آئے ــــ عبدالرحمن۔ عبدالرحیم۔ عبدالملک' یہ جتنے نام ہیں بڑے
پیارے نام ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت ہو رہی ہے۔ وہ نام کہ جن
کے لیتے ہوئے بھی ذکر ہو جائے۔ دیکھو بھائی جس نے اپنے بچے کو بلایا
عبدالکریم ادھر آؤ" کریم کا نام لے لیا۔ کریم قرآن میں آتا ہے۔ حضور صلی
اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو آدمی قرآن مجید پڑھتا ہے' ہر حرف پہ دس عدد
نیکیاں ملتی ہیں۔ فرمایا میں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک کلمہ ہے۔ بلکہ فرمایا ــــ
اَلِفٌ حَرفٌ وَلَامٌ حَرفٌ وَمِيمٌ حَرفٌ۔ تو
الف لام میم (الم) پڑھنے پر کتنا ثواب مل گیا؟ تیس نیکیوں کا ثواب مل گیا
ــــ عبدالکریم ــــ ماں نے بیٹے کو پکارا "عبدالکریم"! ــــ افسر نے پکارا "عبدالکریم"
اللہ تعالیٰ چاہے تو اُن کے اعمال ناموں میں نیکیاں لکھی جا سکتی ہیں۔ کریم میں
کتنے حروف ہیں ک۔ ر۔ ی۔ م (چار) چالیس نیکیاں نام لینے میں ملیں۔ کیونکہ
کریم کلمہ قرآن میں آیا ہے۔ اور ہمارے ہاں جو نام ہم رکھتے ہیں۔ ایکٹرسوں
کے اور ایکٹروں کے اللہ تعالیٰ نے اب تو بڑا فضل و کرم فرمایا۔ یہ جہاد کا مسئلہ
بھی رنگت سے۔ قرآن فرماتا ہے۔ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ
بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَ لٰكِنَّ

اللہ ذُو فَضۡلٍ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ (بقرۃ ۲۵۱) اگر ہم لوگوں کو آپس میں نہ لڑاتا جھگڑاتا تو دنیا تباہ ہو جاتی یعنی میری بڑی مہربانی ہے کہ میں جہاد کا مسئلہ، دفاع کا مسئلہ کھڑا کر دیتا ہوں اور اس سے لوگوں میں پھر انابت الی اللہ پیدا ہو جاتی ہے۔ تو آج کل الحمدللہ ہم جیسے گنہگاروں کے دلوں میں بھی کچھ نیکی کا جذبہ پیدا ہو گیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔

تو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ امت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جن لوگوں نے یہ کہا تھا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام نامی حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ہی رہے گا۔ پھر مٹ جائیگا۔ قرآن نے اس وقت اعلان فرمایا اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ اے میرے حبیب! میں نے تجھے وہ امت دی ہے جو کبھی نہیں مٹ سکے گی۔ تو جو نبی مکے میں بیٹھ کر، جب لوگ بات ہی نہیں سنتے یہ اعلان فرماتا ہو (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کہ میری امت سب امتوں سے زیادہ ہوگی۔ قیامت تک میرا نام نہیں مٹے گا۔ قیامت میں میرا نام نہیں مٹے گا۔ قیامت کے بعد بھی میرا نام نہیں مٹے گا۔ تو کیا وہ نبی جب یہ اعلان کرتا ہو اور یہ بات پھر ثابت بھی ہو جاتے۔ تو نبی کی صداقت ثابت ہوئی یا نہ ہوئی؟ کہ جس نبی نے چودہ سو سال پہلے بات کہی تھی اس کے آثار اب بھی ظاہر ہیں اور ظاہر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اسی طرح پھر قرآن کی صداقت۔ جب قرآن نے یہ اعلان کیا تھا۔ اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ ہم نے بے شک آپ کو امت کثیر دی۔ اس قرآن کی صداقت بھی ثابت ہو گئی۔ جو اعلان ہوا تھا۔ وہ اعلان سچا

نکلا — قرآن کی صداقت — اسلام کی صداقت بھی ثابت ہو گئی کہ جب قرآن اور قرآن لانے والے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں۔ تو جو دین وہ پیش کر رہے ہیں وہ سچا ہے۔ یعنی اس ایک آیت نے سارے اسلام کو سچا ثابت کر دیا۔ دنیا میں کوئی یہ بتا سکتا ہے کہ چودہ سو سال پہلے ایک بات کرے اور وہ سچی ثابت ہو جائے۔

ارشاد فرمایا — اِنَّا اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ بے شک ہم نے آپ کو بخشی امت کثیر۔ اور جب امت کثیر بخشی تو امت کثیر کی ہدایت کے لئے خیر کثیر (قرآن) بھی بخش دیا۔ بالکل ٹھیک ہے۔ امت کی لئے تو ہدایت کی ضرورت ہے۔ اور ہدایت کون دے گا؟ قرآن دے گا۔ لَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ (الانعام ۵۹) اِنَّهٗ عِنْدَنَا فِیْ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَیْنَا لَعَلِیٌّ حَكِیْمٌ (الزخرف ۴) وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّبٰرَكٌ (الانعام ۹۲) برکت والی کتاب۔ حکمت والی کتاب۔ علم والی کتاب۔ بلندی پر لے جانے والی کتاب۔ کتنی قرآن کی صفات قرآن میں آئی ہیں۔ تو جب امت کثیر دی تو خیر کثیر بھی دے دی۔ اور پھر جب امت کثیر دی تو پھر امت کثیر کے لئے قیامت کے کچھ انعامات واکرامات بھی تو ہوں گے! وہ بھی دے دیئے۔ جن لوگوں نے دنیا میں آپؐ کی اطاعت کی آپؐ کی فرمانبرداری کی۔ آپؐ کی ہدایت کو قبول کیا۔ ان کو خوش کرنے کیلئے۔ ان کی عزت افزائی کے لئے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اے میری امت! میں حوض کوثر پر تمہارا منتظر رہوں گا۔ سبحان اللہ! — امت کا منتظر ہوں گا! —

کون منتظر ہوں گے؟ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کس جگہ؟ حوض کوثر پر۔

۱ انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا! اے اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم میں قیامت کے دن آپؐ کو کہاں تلاش کروں؟ یہ حضورؐ کے خادم تھے۔ دس سال خدمت کی بلا کسی پیسے کے ۔۔۔ بڑے خوش نصیب تھے ۔۔۔ عرض کی حضورؐ میں قیامت کے دن آپؐ کو کہاں تلاش کروں؟ ۔۔۔ ضرورت تو پڑے گی۔ سب کو پڑے گی ۔۔۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیامت کے دن ضرورت ۔۔۔ سب کو پڑے گی ۔۔۔ اللہ تعالیٰ کرے کہ وہ ہم سے راضی ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ سب کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائے ۔۔۔ تو فرمایا مجھے دیکھنا میں پل صراط کے کنارے پر کھڑا ہوں گا۔ (حدیث میں آتا ہے) میں پل صراط کے کنارے پر کھڑا ہوں گا۔ اپنی امت کو گرنے سے بچاؤں گا ۔۔۔ اور اگر مجھے وہاں بھی نہ پایا تو پھر میزان کے پاس آنا جہاں میری امت کے اعمال تولے جائیں گے۔ وہاں میں کھڑا ہوں گا۔ دیکھوں گا کہ میری امت کے اعمال میں خرابی پیدا نہ ہو۔ اگر وہاں بھی نہ پایا۔ تو مجھے حوض کوثر پر دیکھنا میں امت کا منتظر ہوں گا۔ فرمایا کہ اس پر اتنے کوزے ہیں کہ جن کی تعداد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ستاروں کی تعداد سے بھی زیادہ کوزے ہیں۔ تو کوزے اس لئے زیادہ ہیں کہ امت زیادہ ہے۔

---

۱ مشکوٰۃ باب الحوض و الشفاعۃ

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمایا۔ بے شک ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا کی۔ بے شک ہم نے آپ کرامت کثیر عطا کی۔ یہ تو ہوئی حضور کی صداقت۔ قرآن کی صداقت۔

اب میرے لئے نظامِ عمل کیا ہے؟ میں تو مکے میں ہوں — صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ میں تو مکے میں ہوں — کیا کروں اب؟ کہ مجھے حوض کوثر بھی مل جائے۔ خیر کثیر بھی مل جائے۔ امت کثیر بھی مل جائے۔ جو لوگ مجھے پتھر مارنے والے ہیں۔ یہ میرے مطیع بن جائیں — فرمایا میں بتاتا ہوں۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ پس آپ عبادت کریں اپنے رب کی۔ نماز پڑھیں اپنے پالنے والے کی۔ وَانْحَرْ اور قربانی دیجئے اپنے پالنے والے کے نام پر — نتیجہ کیا نکلے گا؟ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ بے شک تیرے بدخواہ ہی بے نام و نشان ہوں گے۔ تیرا نام باقی رہے گا۔

تین باتیں آگئیں قرآن کی سمجھ میں ایک تو آگیا قرآن کی صداقت اور پھر نظامِ عمل جو بتایا فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ آپ اپنے رب کی عبادت کریں اور قربانی دیں۔ اسی پر میں نے آج کچھ عرض کرنا ہے۔ آپ اپنے رب کی عبادت کریں۔ اور قربانی دیں۔ دو باتیں جہاں قرآن بیان کر گیا۔ عبادت۔ آپ اپنے رب کی عبادت کریں۔ اور عبادت کے لئے کسی ایسی جگہ کا تحفظ۔ کسی ایسی جگہ کا حصول جس میں عبادت کی جا سکے۔ اس کے لئے آپ قربانی دیں۔ عبادت کہاں ہو گی؟ مسجد میں۔ مسجد نہیں تو عبادت کہاں کرو گے؟ قرآن میں دو مسئلے ہیں میرے دوستو اور میرے بزرگو!

ایک ہے وطن کا مسئلہ ۔۔ ایک ہے دین کا مسئلہ ۔۔ یاد رکھیں دین اس وقت تک نہیں پنپ سکتا۔ باقی رہ نہیں سکتا جب تک ملک موجود نہ ہو۔ ملک ہے تو دین پھیل سکتا ہے ۔۔ ملک نہیں ہے، دین کبھی آپ نہیں پھیلا سکتے۔ کبھی اشاعت نہیں ہو سکتی۔ ملک ہو تو اس میں دین پھیلے گا تحفظ دین کے لئے تحفظ وطن کی شدید ضرورت ہے اور میں خود نہیں کہتا قرآن مجید اٹھا کر دیکھ لیں۔ آپ سب لکھے پڑھے دوست ہیں۔ دیکھئے قرآن مجید میں قرآن کی آخری آیت کون سی ہے؟ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (المائدہ ۳) آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا۔ اور میں نے تم پر اپنی نعمت تمام کر دی۔ اور میں نے تمہارے لئے اسلام کو دین پسندیدہ قرار دیا۔ یہ آیت سب سے آخری آیت ہے۔ علمائے تفسیر فرماتے ہیں کہ اس کے اسی دن بعد یا اکاسی دن بعد نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے۔ اس آخری آیت کو قرآن مجید نے کب نازل کیا؟ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ آج کے دن ۔۔ وہ دن کون سا تھا؟ مکہ فتح ہو چکا تھا۔ دس لاکھ مربع میل کے مالک ہو چکے تھے۔ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ فرمایا آج میں اعلان کرتا ہوں تمہارا دین کامل ہے۔ اب جہاں نمازیں پڑھو، پڑھو، جہاں ذکر کرو، کرو، جہاں اللہ کا دین پھیلاؤ۔ دس لاکھ مربع میل سرنگوں ہیں تمہارے سامنے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پرچم کے سائے میں دس لاکھ مربع میل دے دیا۔ زمین پیدا کر دی۔ اب اس میں اللہ تعالٰی کے

نام کا بیج بو ڈالو۔ پہلے نہیں فرمایا۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ
پہلے کیوں نہیں فرمایا؟ آخر میں فرمایا جب مکہ فتح ہو چکا۔ مدینہ فتح ہو
چکا۔ سارے عرب میں امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھا جانے لگا
تو فرمایا۔ آج تمہارا دین کامل ہو گیا۔ اب تمہارے لئے زمین ہموار ہو گئی۔
اب تم اللہ کا نام لو گے تو دیکھو پھر کیا بنتا ہے۔ سورہ نصر کو دیکھ لیں۔
فرمایا۔ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ وَرَاَيْتَ
النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا اے
میرے نبی! جب میری مدد آ پہنچے گی اور مکہ فتح ہو جائیگا پھر کیا ہو
گا؟ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا
پھر وہ پتھر مارنے والے فوجوں کی فوجیں دین میں داخل ہو جائیں گے۔ مکہ
فتح ہو گیا۔ ملک مل گیا۔ لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ملک نہ ہو میرے
دوستو، میرے بزرگو! تو دین کہاں پھیل سکتا ہے؟ کیا بھارت میں ہماری
مسجدیں نہیں تھیں؟ کیا بھارت میں ہمارے قومی اور ملّی ادارے نہیں
ہیں؟ لیکن اُن پر جو گزر رہی ہے وہ وہ جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی
تکلیفوں کو دُور فرمائے۔ اپنی نمازوں میں بھارت کے مظلوم مسلمانوں کے
لئے دل سے دعا کیا کریں۔ وہ بیچارے بڑی مصیبتوں میں اس وقت مبتلا
ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی تکلیفوں کو دور فرمائے۔ اللہ تعالیٰ اُن کو حرّیت
اور آزادی نصیب فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہماری افواج کو ہمّت دے کہ
وہ ان مسلمانوں کو آزاد کرائیں تا کہ وہ بھی آرام کا سانس لے سکیں۔ کشمیر میں
مسلمانوں کی خانقاہیں، درگاہیں تھوڑی ہیں؟ وہاں کیا ہو رہا ہے؟ معلوم

ہوتا ہے۔ کہ دین وہاں پنپ سکے گا۔ جہاں پر ملک ہو گا۔ ملک کی حفاظت دین کے لئے نہایت ہی ضروری ہے۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف جہتیں ہیں۔ ہم نے آج تک امت کو۔ قوم کو اور دنیا والوں کو یہی سمجھایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں؟ رحمۃ اللعالمین۔ ٹھیک ہے لیکن رحمت کا تقاضا کیا ہے موذی چیزوں کو راہ سے ہٹائیے ـــــ یہ بھی تو رحمت ہے۔ سانپ آجائے تو کیا کہیں گے؟ کہ ہمارے نبی رحمۃ للعالمین ہیں اس لئے سانپ کو مت چھیڑو۔ باؤلا کتا آجائے تو کیا کہہ دیں گے کہ ہمارے نبی رحمۃ للعالمین ہیں اس لئے اس کو مت چھیڑو؟ پھر آجائے بچھو آجائے۔ نہیں رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ موذی چیزوں کو ختم کر دو۔ ـــــ یہ بھی رحمت ہے۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نام جہاں گنوائے دیکھ لیجئے ـــــ وہاں پر کیا فرمایا؟ اَنَا نَبِیُّ الرَّحْمَۃِ میں رحمت کا نبی ہوں (سبحان اللہ) نَبِیُّ الرَّحْمَۃِ میں رحمت کا نبی ہوں ـــــ اور آگے چل کر فرمایا وَ اَنَا نَبِیُّ الْمَلَاحِمُ میں تو جنگوں کا بھی نبی ہوں۔ اسی جگہ آتا ہے۔ اسی حدیث میں۔ اَنَا نَبِیُّ الرَّحْمَۃِ میں رحمت کا نبی ہوں۔ سراپا جمال، سراپا رحمت۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا۔ کہ اَنَا نَبِیُّ الْمَلَاحِمُ ملاحم جمع ملحمہ کی مَلْحَمَۃ مشتق ہے لَحَمْ سے لحم کہتے ہیں گوشت کو۔ میں ان جنگوں کا نبی ہوں جو گوشت کے پرزے اڑانے والی ہوں گی میں ان جنگوں کا نبی ہوں جو گھمسان کی جنگیں ہوں گی۔ میں بدر میں لڑوں گا۔ میں احد میں لڑوں گا۔ میں حنین میں لڑوں گا۔ میں خندق کھودوں گا۔ اور آپ کیا فرماتے

ل‍ے رحمتوں کا خزانہ ص۲۳

ہیں؟ جُعِلَ رِزْقِیْ تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِی۔ دنیا والو سن لو۔ میری روٹی بھی کہاں ہے؟ میرے نیزے کے نیچے ہے۔ میری روٹی میرے مُصلّے پر نہیں ہے۔ میری روٹی میری تسبیح میں نہیں ہے۔ میری روٹی میرے محراب میں نہیں ہے۔ میرا رزق کہاں ہے؟ جُعِلَ رِزْقِیْ تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِیْ میرا رزق کہاں ہے؟ میرا رزق تو میرے نیزے کے سائے میں ہے۔ میں تو وہ نبی ہوں۔ نَبِیُّ الْمَلَاحِمِ۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو درس محبت دیا درس شفقت دیا۔ درس رحمت دیا لیکن وہی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک مرد کو جب وہ کانپتا ہوا پیش خدمت ہوتا ہے۔ فرمایا۔ اَنَا ابْنُ اِمْرَأَۃٍ تَاْکُلُ الْقَدِیْدَ بِمَکَّۃَ ادھر آ میری امت کی ایک فرد، میرے قریب آجا ـــــ کیوں کانپ رہا ہے؟ میں تو اس ایک عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا ہوا گوشت کھایا کرتی تھی۔ مظلوم کو رحم کے لئے بلایا تاکہ دل میں آس پیدا ہو جائے۔ کہاں تو یہ فرمایا۔ اَنَا ابْنُ اِمْرَأَۃٍ تَاْکُلُ الْقَدِیْدَ بِمَکَّۃَ۔ میں تو اس عورت کا بیٹا ہوں۔ جو سوکھا ہوا گوشت کھایا کرتی تھی۔ مجھ سے تم کیوں ڈرتے ہو؟ میرے قریب آجا جو فریاد کرنی ہے کر؟ لیکن جنگ حنین میں جب دیکھا کہ حنین اور ہوازن کے کافر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں آ گئے تو وہاں کیا فرمایا؟ آپؐ اپنے سفید خچر پر سوار تھے۔ بغلہ جسے ہم کہتے ہیں خچر پر سوار تھے آپؐ فرماتے ہیں وہی ابوسفیان اب تو رضی اللہ عنہ ہو گئے۔ وہی ابوسفیان جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سکیمیں سوچی تھیں۔ جب مکہ فتح ہوتا

ہے تو وہی ابوسفیان پاؤں میں پڑتا ہے۔ اور اس مکۂ مکرمہ میں سوائے آٹھ یا نو آدمیوں کے باقی سب نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھا۔ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ مکہ فتح ہو گیا۔ مکہ کے فتح ہو جانے کے بعد جنگ حُنَین شروع ہو جاتی ہے۔ حدیثوں میں آتا ہے۔ بخاری میں ہے۔ اب حدیثوں کی قدر آتی ہے۔ اللہ تعالےٰ ہمیں ان کی قدر دے۔ اچھا ہی ہے کہ ہم سمجھیں ان باتوں کو۔ ہمارے پاس تو ذخیرہ حیات ہی حدیثیں ہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور قرآن کریم ــــ اور مسلمان کے پاس ہے ہی کیا؟ قرآن شریف ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے ــــ اور کیا ہے مسلمان کے پاس؟ اور یہی وہ خزانہ ہے جو کسی اور نبی کی امت کے پاس نہیں۔ (والحمد للہ علیٰ ذٰلک) اسی طرح غزوہ احزاب کے بعد امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم لباس جنگ اُتارنے والے ہیں ــــ نبی نے بھی لباس جنگ پہنا ہے ــــ خالی تسبیحوں سے کام نہیں چلتا۔ ایک ہاتھ میں تسبیح ہو ایک ہاتھ میں تلوار ہو۔ تب کام چلے گا ویسے نہیں چلے گا۔ ایک ہاتھ میں تلوار ہو۔ ایک ہاتھ میں قرآن ہو ــــ پھر آج مسلمان باقی رہ سکتا ہے دنیا میں۔ ورنہ اس کے باقی رہنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ امام الانبیاءؐ لباس جنگ اتار رہے ہیں۔ جبرئیل امینؑ حاضر ہوتے ہیں ــــ "اے اللہ کے نبیؐ! آپؐ نے جنگ کا لباس اُتار دیا۔؟" فرمایا "میں نے تو غسل بھی کر لیا۔ کپڑے اتار دئیے جنگ کے۔ دوسرے کپڑے پہن رہا ہوں۔" عرض کیا اللہ کے نبیؐ! بنو قریظہ کا معاملہ تو باقی ہے اور دیکھئے میں نے تو ابھی لباس جنگ نہیں اُتارا" ــــ جبرئیل امین بھی ساتھ

تھے۔ میکائیل بھی ساتھ تھے۔ فرشتے بھی ساتھ تھے ۔۔۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ نہیں؟ مسلمانوں کی مدد کی کہ نہیں واہگہ کی سرحد پہ؟ اور سیالکوٹ کی سرحد پر فرشتوں نے مدد کی یا نہیں؟ مسلمان مسلمان ہو جائے! صحیح طور پر مسلمان بن جائے ۔۔۔ ان فریبوں کو اور ان چار سو بیس کی چالوں کو چھوڑ دے۔ میں سچ عرض کرتا ہوں۔ یہ پتے بھی مسلمان کی مدد کریں گے۔ جنگل بھی مسلمان کی مدد کریں گے۔ یہ بچھو اور مچھر بھی مدد کریں گے۔ انشاء اللہ ۔۔۔ مسلمان اگر مسلمان ہو جائے۔ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (آل عمران ۱۳۹) ابھی تو ہم نقلی مسلمان تھے۔ اتنی مدد ہوئی۔ سچے مسلمان بن جائیں پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے؟ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا (آل عمران ۱۳۹) فرمایا میں تمہارے دشمنوں کے دلوں میں تمہارا رعب ڈال دوں گا۔ تمہارے نعرۂ تکبیر سے اُن کے چھکے چھوٹ جائیں گے۔

تو امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں جبریل امین عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ کے نبیؐ! میں نے ترکباس جنگ نہیں اُتارا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنو قریظہ کے مقابلہ کے لئے تشریف لے گئے۔ جہاد کے لئے ۔۔۔ اور وہ ابوسفیان جو سب سے بڑا سکیم تھا۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ۔۔۔ حدیثوں میں آتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے تھا ۔۔۔ آگے آگے جا رہا تھا غلاموں کی طرح ۔۔۔ تھا بھی غلام ۔۔۔ صحابی پھر بن گیا۔ (رضی اللہ تعالٰے عنہ) ۔۔۔ اور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے سفید خچر پر سوار ہیں۔ کیا فرماتے ہیں؟ وہی نبی جو ایک

مرد کے سامنے فرماتے ہیں "میں ایک عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا ہوا گوشت کھاتی تھی مکے میں" وہی نبی جب دیکھتا ہے کہ اب عجز کا وقت نہیں ہے وہ نبی اپنے خچر پر سوار کیا فرماتے ہیں ؟ اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدُ الْمُطَّلِبْ ــــ سنو کافرو! میں سچا نبی ہوں اور میں عبدالمطلب کا پوتا ہوں ــــ یہ نہیں فرمایا کہ میں مسکین ہوں، میں عاجز ہوں ــــ نہیں یہ تو بات اللہ تعالٰے کے سامنے کی ہے ــــ جب دیکھا کہ کافر ہیں تو پھر ؟ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ مسلمان آپس میں بڑے مہربان۔ بڑے شفیق۔ لیکن اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ[1] کافروں کے مقابلے میں اکڑنے والے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے بلال رضی اللہ عنہ آیا کرتے تھے تو آپ احترام کرتے تھے۔ ایک دفعہ پوچھا کسی نے کہ جی بلال تو غلام ہے۔ یہ تو حبشی ہے۔ فرمایا بِلَالٌ سَیِّدُنَا اَعْتَقَہٗ سَیِّدُنَا ــــ یہ بلال ہمارا سردار ہے۔ اس کو ہمارے سردار نے آزاد کیا ہے ــــ بلال ہمارا سردار ہے تم کیا سمجھتے ہو بلال کو۔ اس کو آزاد کرنے والا ابوبکر بھی ہمارا سردار ہے۔ لیکن جب کافروں کے مقابلے میں آتے تھے تو غیر ملکی سفیر دیکھ کر کانپ لیتے تھے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر لرزہ براندام ہوتے تھے۔ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ اور یہ ہے رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ کافروں کے مقابلے میں اکڑ کر چلنے والا۔ میں کیا عرض کروں۔ آج کل تو میں جہاد پر ہی لکھتا رہتا ہوں۔ اور کہتا رہتا ہوں۔ اللہ تعالٰے اسے قبول فرمائے۔ میں تو سمجھتا ہوں ہمارا دین ہی جہاد ہے۔ جب عمرہ کرنے کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

---

[1] الفتح ۲۹

تشریف لے گئے۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بھی ساتھ تھے۔ مکے کے کافروں نے طعنہ دیا کہ یہ دیکھو دین کے لئے گئے تھے۔ مکہ چھوڑا تھا، مدینے گئے تھے۔ سب کے رنگ زرد ہو چکے ہیں۔ ہڈیاں نکل آئی ہیں۔ تھکنے آپس میں لڑ رہے ہیں۔ چل نہیں سکتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک بات پہنچی۔ فرمایا۔ سنو میرے صحابہؓ! گھر تو واقعی یہ خدا کا ہے اس میں کوئی شک نہیں مگر ان کو پتہ چل جائے کہ مسلمان مردہ نہیں ہیں ——— سچے ہیں ——— خانہ کعبہ میں ——— فرمایا کہ رمل کرو ——— حاجی صاحب اب دیکھ کر آتے ہیں۔ یہ بھی کر کے آتے ہیں ——— سب کو کرنا پڑتا ہے ——— سب کرتے ہیں ——— اب تک رمل باقی ہے۔ قیامت تک باقی رہے گی۔ اس یادگار کو باقی رکھ کر مسلمان کی عبادت کس کے لئے ہے؟ دین کے غلبے کے لئے۔

اسلام اس فقر کو پسند نہیں کرتا جو فقر کے نظام حیات سے بھگا دے جو فقر دنیا کے مقابلے سے پیچھے ہٹا دے۔ میرے سامنے علامہ اقبال رح کا شعر ہے ؎

اِک فقر سکھاتا ہے صیاد کو نخچیری!
اور اِک فقر سے کھلتے ہیں اسرار جہانگیری

یہ فقر تھا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ لاہوری کا۔ یہ فقر تھا حسین احمد مدنی رح کا۔ یہ فقر تھا جمال الدین افغانی رح کا فقر تھا شیخ الہند محمود حسن کا ——— یہ سب فقیر لوگ تھے ——— لیکن تقریریں کیا کیا؟ انگریزوں کو یہاں سے نکلنے پر مجبور کیا اور انگریزوں نے یہاں سے بوریا بستر باندھا اور کھسک کر چلے گئے ——— یہ سب فقیر لوگ ہیں۔ آج بھی فقراء ہیں۔ پاکستان میں بھی ایسے فقراء ہیں۔ پاکستان

میں بھی ایسے فقرائے محمدی موجود ہیں۔ جن کی دوربین نگاہیں انشاء اللہ پاکستان کو بام عروج پر پہنچا دیں گی۔ اور اللہ تعالٰے کو منظور ہوا تو پاکستان بھارت کے جارحانہ حملوں سے یقیناً محفوظ رہے گا۔ اور وہ دن دور نہیں ہیں۔ کہ مسلمان کو فتح نصیب ہوگی۔

تو میں عرض یہ کر رہا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبی الملاحم بھی ہیں۔ فرمایا کہ میں ملاحم کا نبی بھی ہوں۔ میری امت میں جہاد ہے ہوتا رہے گا۔ قیامت تک ہوتا رہے گا۔ اور اس لئے فرمایا کہ جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے۔ تحت ظل رمحی میرا رزق کہاں ہے؟ میرے نیزے کے سائے میں ہے۔ قرآن نے فرمایا فصل لربك وانحر آپ اپنے رب کی نماز پڑھیں اور قربانی بھی دیں۔ اور قربانی کتنی دی امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے؟ دیکھیے حدیثوں میں آتا ہے۔ اپنا دانت مبارک شہید کروایا۔ چہرے پر زخم آئے۔ صحابہ کرام شہید ہوئے جنگ احد میں ستر صحابہ شہید ہو گئے ـــ ستر صحابہ ـــ ایک صحابی کی قیمت بھی اگر ساری دنیا کے مسلمان اکٹھے ہو جائیں۔ ایک صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے ـــ ستر صحابہ جنگ احد میں شہید ہوئے اور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مقدس پر زخم آیا۔[1] غزوہ احد میں امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک انگلی مبارک پر زخم آیا۔ اس سے خون نکلا۔ ترمذی کی حدیث ہے۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے انگلی سے خطاب فرماتے تھے هل انت الا اصبع دميت وفي سبيل الله

---

[1] بخاری کلاں ص ۳۹۳

هَا نَقِيتِ اے میری اُنگلی! تو تو خالی انگلی ہے۔ تجھے زخم پہنچ گیا۔ تو کونسی بڑی بات ہے؟ ابھی تک تو تو نے اللہ کی راہ میں کوئی تکلیف اٹھائی ہی نہیں ہے ــــ یعنی امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جو بڑی اونچی ذات ہیں ــــ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی کو زخم آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مقدس کو زخم آیا۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے دانت شہید ہوئے۔ امام الانبیاء بہ نفس نفیس میدانِ کارزار میں پہنچے اور جتنے غزوات ہوئے۔ اکثر غزوات میں امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم خود شریک ہیں۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کمان کی ہے۔ امام الانبیاءؐ نے خود لباسِ جنگ پہنا ہے۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے وہ کام کئے ہیں جو مجاہدین اور غازیوں کو کرنے چاہئیں کیونکہ قرآن کا حکم تھا فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ آپ اپنے رب کی عبادت کریں۔ نماز پڑھیں اور اس کے نام پر قربانی دیں۔ مینڈھے۔ بکرے وغیرہ کی اور بوقت ضرورت جان اور مال کی بھی قربانی دیں تب آپ کے دشمن ناکام ہوں گے۔ اور آپ کامیاب ہوں گے۔ ورنہ یہ آپ کو چھوڑیں گے نہیں۔ تاریخ اٹھا کے دیکھ لیجئے۔ جنگ بدر کیوں ہوئی؟ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو سو میل مکہ سے چل کر تشریف لے آئے۔ اپنا گھر بار چھوڑ دیا۔ صحابہ کرامؓ نے اپنے مال چھوڑ دیئے حتیٰ کہ کپڑے تک نہیں لائے۔ اور قرآن کریم فرماتا ہے۔ لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ (البقرہ ۲۷۳) اللہ کی راہ میں أُخْرِجُوا (اور أُحْصِرُوا بھی آتا ہے) جن کو اللہ کے نام پر گھیرا گیا۔ جن کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکالا گیا ــــ قرآن نے "فقیر" کہا صحابہ کرامؓ کو ــــ ابھی ابھی مدینہ منورہ پہنچے ہیں۔ اور کچھ دنوں کے بعد مکہ مکرمہ

سے ایک قافلہ آتا ہے۔ مسلمانوں کے کچھ اونٹ لے کر چلا جاتا ہے۔ دوسرے سال ابوسفیان وغیرہ نے کوشش کی شام سے سامان جنگ منگوایا۔ جو قافلہ پہلے گزرا جس کو صحابہ کرام لوٹنا چاہتے تھے۔ وہ قافلہ ایک ہزار اونٹوں پر مشتمل تھا۔ شام سے سامان آرہا تھا[1] مکے والے بیوپاری تھے۔ ایک ہزار اونٹوں کا وہ قافلہ تھا۔ اور وہ صحابہ کرامؓ کیوں لوٹنا چاہتے تھے۔ صحابہ کو علم تھا کہ اس قافلے میں کچھ سامان جنگ ہے۔ کچھ کھانے پینے کا سامان ہے۔ ابوسفیان اور مکے کے دوسرے لوگ اس سامان کو سٹور کر رہے ہیں۔ اور یہ پھر مدینہ پر حملہ کرنے والے ہیں اس لئے اس سامان کو ابھی سے لوٹ لو۔ مگر اللہ تعالٰی نے اس موقعہ کو ہٹا دیا۔ تاکہ بات نکھر جائے۔ پھر سنہ ۲ ھ میں یعنی ایک سال گزرتا ہے۔ رمضان کا مہینہ ہے جس میں مسلمان عبادت کرتے ہیں اور مکے کے کافر مدینہ پر چڑھائی کر دیتے ہیں۔ دیکھئے مسلمان مقابلہ کرتے ہیں۔ نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ وَ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ [2] میرے محبوب بندو! میں نے تمہاری مدد کی بدر کے مقام پر وَ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ اور تم کمزور تھے۔ بدن تمہارے کمزور، سامانِ جنگ تمہارے پاس تھے ہی نہیں۔ دو گھوڑے تھے۔ اور ستر اونٹ تھے۔ جنگ بدر میں دو گھوڑے تھے اور آٹھ تلواریں اور قرآن نے کیا کہا؟ وَ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ (الانفال ۴۱) فرمایا کہ میں نے اپنے بندے پر بدر کے دن وہ رحمتیں نازل کیں وہ

---

[1] مغازی واقدی [2] آل عمران ۱۲۳ [3] کتب سیرت

نعمتیں دیں وہ مدد کی وہ امتیازی نشان پیدا کر دی کہ بدر کا دن کیا بن گیا؟ ——
یَوْمَ الْفُرْقَانِ وہ دن جو امتیازی دن ہے۔ تمام دنیا کے لئے۔ آج مسلمان کہہ سکتا ہے کہ بدر میں کس نے مدد کی ہماری؟ ہمارے پاس تو دو گھوڑے تھے۔ ساٹھ اونٹ تھے۔ تین سو تیرہ مسلمان تھے۔ کس نے مدد کی ہماری؟ اگر اسلام سچا دین نہیں تو کس نے ہمیں بچایا؟ اور میں تم کہتا ہوں چھ ستمبر پاکستان کا یوم الفرقان ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مدد ہمارے ساتھ نہ ہوتی تو کون ہے جو بچانے والا ہے۔ ہندوؤں کے مظالم سے اور اتنے ہمہ گیر حملہ سے؟ آپ دوست مجھ سے زیادہ اخبارات دیکھتے ہیں۔ جانتے ہیں کہ وہ حملہ جو بھارتی درندوں نے پاکستان پر کیا تھا چھ ستمبر کو۔ اگر خداوند قدوس کی مدد شامل حال نہ ہوتی تو ہمارے بچنے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کی مدد ہوئی جس طرح جنگ بدر میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے بچایا، ان کی مدد ہوئی جس طرح جنگ بدر میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے بچایا۔ ان کی مدد کی فرشتوں کے ساتھ، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے چھ ستمبر کو پاکستان کو بھی ان ظالموں سے بچایا۔

تو ارشاد فرمایا کہ۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ بے شک آپ اپنے رب کی نماز پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے سربسجود ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا دامن پھیلانے والے بھی مجاہد ہیں —— یعنی جہاد کا صرف یہی مقصد نہیں ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔
لہ مَنْ جَاهَدَ بِسَيْفِهٖ فَهُوَ مُجَاهِدٌ وَ مَنْ

لہ جاھدوا المشرکین باموالکم و انفسکم و السنتکم ابوداؤد، نسائی، دارمی

جَاهَدَ بِلِسَانِهٖ فَهُوَ مُجَاهِدٌ وَمَنْ جَاهَدَ بِمَالِهٖ فَهُوَ مُجَاهِدٌ ۞ (او کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

نسائی کی حدیث ہے۔ آپؐ ارشاد فرماتے ہیں جو تلوار کے ساتھ جہاد کرے وہ بھی مجاہد ہے۔ جس نے مال کے ساتھ جہاد کیا وہ بھی مجاہد ہے۔ جس نے اپنی زبان کے ساتھ جہاد کیا وہ بھی مجاہد ہے۔ حسان ابن ثابت رضی اللہ عنہ دورِ نبوت کے شاعر ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار کے شاعر ہیں۔ اور کسی جہاد میں بھی شریک نہیں ہوئے۔ بلکہ جنگ احزاب میں یہ ہوا۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات اور مدینہ منورہ کی اور عورتوں کو ایک جگہ ایک کیمپ میں منتقل فرما دیا۔ اور حسان ابن ثابتؓ کو فرمایا کہ آپ ان کی نگرانی فرمائیے چوکیداری کریں۔ حضرت صفیہؓ فرماتی ہیں۔ کہ ایک یہودی کیمپ کی دیوار کو پھاند کر اندر آ گیا۔ تو میں نے حسان کو آواز دی کہ او حسان! پہنچ! اسے مار! یہ خبیث تو اندر آ گیا ہے" حسان ابن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:- انا صاحب البیان لا صاحب البنان اے محترمہ! میں بولنے والا مجاہد ہوں۔ یہ مارنے والا کام مجھے نہیں آتا چنانچہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے خود ایک بانس لیا۔ اس کے آگے ایک چوب لگی ہوئی تھی لوہے کی۔ میں نے وہ لیا اور یہودی کے پیٹ میں گھسا دیا وہ وہیں مر گیا۔ مردار ہو گیا۔ لیکن امام الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم حسان کو کیا فرماتے ہیں؟ آپ کا لقب ہے "ابوالحسام" وہ حسان ابن ثابت رضی اللہ عنہ "جو تلوار کا باپ ہے ـــــ تلوار نہیں چلائی لیکن تلوار کا باپ ہے۔ یعنی اپنے اشعار سے اپنے کلام سے لوگوں کے دلوں میں جوشِ جہاد پیدا کیا۔

کیا ہے ۔ آج جن علماء کرام نے اپنے وعظوں سے اور جن صحافی بھائیوں نے، ہمارے شعراء نے جنہوں نے ہماری قوم میں ولولہ پیدا کیا یقیناً یہ بھی مجاہد ہیں۔ الحمد للہ ہماری قوم نے اس موقعہ پر بڑی جوانمردی کا اور پورے استقلال کا ثبوت دیا ہے اللہ تعالٰی کرے کہ یہ اتفاق اور یہ استقلال باقی رہے۔ بڑی محنت کی انہوں نے۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ فَمَنْ جَاهَدَ بِسَيْفِهٖ فَهُوَ مُجَاهِدٌ وَ مَنْ جَاهَدَ بِمَالِهٖ فَهُوَ مُجَاهِدٌ وَ مَنْ جَاهَدَ بِلِسَانِهٖ فَهُوَ مُجَاهِدٌ۔ اور ایک حدیث میں آتا ہے کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے جب واپس تشریف لائے۔ غزوہ تبوک میں جنگ تو پھر نہیں ہوئی تھی۔ لیکن چندہ بڑا اکٹھا کیا گیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے۔ تو مدینہ کے جب قریب پہنچے۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صحابہ سے کہ اے صحابہ! اس مدینہ میں کچھ ایسے لوگ بھی رہنے والے ہیں۔ جو تمہارے ساتھ جنگ میں شریک نہیں ہوئے۔ لیکن ان کو وہی ثواب ملے گا جو تم کو ملے گا" صحابہ عرض کرتے ہیں۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم جیسا ثواب ان کو ملے گا؟ وہ تو گھر سے باہر نہیں نکلے فرمایا ان کے دل تمہارے ساتھ تھے۔ عذر کی وجہ سے وہ نہ جا سکے" کوئی بوڑھا تھا۔ کوئی لنگڑا ہوگا۔ کوئی اندھا ہوگا۔ کوئی عورت ہوگی کوئی بچہ ہوگا۔ لیکن تم

ا؎ تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۴۷ و الاستیعاب ج ۱ ص ۱۲۵/۱۲۷،
۲؎ مشکوٰۃ

گئے تبوک میدان میں اور وہ سجدے میں پڑ کر دعائیں کرتے تھے۔ کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی فوج کو فتح نصیب فرما۔ اس لئے وہ بھی تمہارے ساتھ اجر میں شریک ہیں۔ تو آج جو لوگ دعائیں کرتے ہیں یہ بھی مجاہد ہیں۔ میرا مقصد یہ ہے جو دل کے ساتھ جہاد کرے وہ بھی مجاہد ہے۔ قوم میں وحدت فکر کا پیدا ہو جانا اسی کا نام تو جہاد ہے۔

تو امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا۔ **فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ** آپ نماز پڑھیں اپنے رب کی عبادت کریں۔ اپنے رب کے لئے لیکن اس عبادت کے ساتھ ساتھ کون سی بات ہو؟ **وَانْحَرْ** خود بھی قربانی دیں امت میں قربانی کا جذبہ پیدا کریں۔ جو گھر سے نکالے جا رہے ہیں یا نکالے جاتے والے ہیں ان سے کہہ دیں۔ کہ ہجرت کی تکلیف سے پژمردہ نہ ہوں۔ گھر بار چھوڑنے سے **جذبات** کو مجروح نہ سمجھیں۔ پست ہمت نہ بنیں۔ بلکہ ان سے یہ کہہ دیجئے کہ تمہاری زندگی کا پہلا حصہ ہے؟ اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے جہاد کرنے میں ہے۔ اگر یہ جذبہ تم نے اپنے میں پیدا کر لیا۔ تو نتیجہ کیا نکلے گا؟ **إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ** آپ کے جو دشمن ہیں ان کے دم کاٹ دیئے جائیں گے۔ وہ مقطوع النسل ہوں گے۔ تو گویا اس سورہ مقدسہ میں جو مضمون میں نے عرض کئے تھے۔ وہ سارے اب انشاء اللہ سمجھ میں آ چکے ہوں گے۔ **إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ** بے شک ہم نے آپ کو کوثر بخشا۔ حوض کوثر دیا۔ بے شک ہم نے آپ کو خیر کثیر دی۔ قرآن مجید دیا۔ بے شک ہم نے آپ کو امت کثیر دی۔ جس وقت فرمایا حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے چند لوگ تھے۔ انگلیوں پر گنے

جاننے والے جیساکہ میں تمہید میں عرض کرچکا ہوں - یہ قرآن کریم کی ہادیہ سورت ہے - نزول کے اعتبار سے تو جب اس کا ظہور ہوا جو کچھ امام الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ بات سچی ثابت ہو گئی - تو اس سے قرآن کی صداقت بھی ثابت ہوئی - امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت بھی ثابت ہوئی - اسلام کی صداقت بھی ثابت ہوئی - اور اللہ تعالےٰ پر ایمان کی پختگی بھی ثابت ہو گئی -

طریق کار کیا ہو؟ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ - پس آپ عبادت کریں اپنے رب کی جس عبادت کا بڑا حصہ کیا ہے؟ نماز - امام الانبیا فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ قریب بندہ اللہ تعالےٰ کے کب ہوتا ہے؟ سجدے میں - یعنی اگر اللہ تعالےٰ کا قرب بندہ زیادہ چاہتا ہے تو کیا کرے؟ سجدے میں پڑے - سجدے سے بڑھ کر ذلت کوئی نہیں اور سجدے سے بڑھ کر رب العالمین کے قرب کا ذریعہ کوئی نہیں ہے - سعد بن الربیع فرماتے ہیں کہ ایک دن سحری کے وقت امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرا رہا تھا - تو دریائے رحمت جوش میں آیا - فرمایا کچھ مانگ لے - میں تجھ سے بڑا خوش ہوں - کچھ مانگ لے - کیا مانگیں؟ ہم ہوتے کیا مانگتے؟ کار مانگتے، کوٹھی مانگتے - ترقی ہو جائے عہدے میں حقیقت ہے ہمیں مانگنے کا بھی سلیقہ نہیں آتا - یعنی ہم تو جب عبادت کرتے تھک جاتے ہیں تو کیا؟ "اللہ تعالےٰ روزگار دے" لاحول ولا قوۃ الا باللہ - یہ کوئی بات ہے مانگنے کی اللہ تعالےٰ سے؟ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا (ھود ۶)

اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں۔ یہ دنیا میں جتنی چیزیں چلتی پھرتی ہیں سب کا میں رازق ہوں۔ ہمیں آج تک کس نے پالا؟ میں تو اپنے بچوں سے کہا کرتا ہوں کبھی کبھی دوستوں سے بھی شاید میری عمر پچاس سے زیادہ ہے۔ ابھی تک میں کبھی بھوکا نہیں رہا۔ کبھی ننگا نہیں رہا۔ وَلَمْ اَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا (مریم ع۴) جو اللہ تعالےٰ سے مانگا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ ایسے گنہ گار کو دیا۔ یہ اللہ تعالےٰ نے کیا اور آئندہ پتہ نہیں سال ہے دو سال ہیں۔ گھنٹے ہیں گھنٹے ہیں کیا ہے؟ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ (لقمن ع۴) کسی کو پتہ نہیں کہ کل میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ اور اتنی لمبی لمبی دعائیں مانگیں؟ اور خدا سے مانگیں تو چیزیں مانگیں۔ اب یہ صحابی سمجھ گئے بات کو؟ یہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا اثر تھا۔ فیض کی تعلیم کا اور اثر ہوتا ہے اور بھائی تعلیم اور چیز ہوتی ہے۔ ہم حقیقت ہے زندگی کو اس وقت تک نہیں سمجھ سکتے جب تک اللہ والوں کے ساتھ ہمارا تعلق نہ ہو۔ اللہ تعالےٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی اللہ والوں کے ساتھ تعلق کرنے کی دولت نصیب فرمائے۔ عرض کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اَسْئَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِی الْجَنَّةِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اجب آپ ہی نے فرمایا مانگ تو میں کچھ مانگتا ہوں۔ کیا مانگتا ہوں؟ حضور میں آپ سے یہ چاہتا ہوں کہ میں جنت میں بھی آپ کا ساتھی رہوں ــــ بڑا سوال کیا ــــ حضور میں چاہتا ہوں جنت کی مرافقت ــــ جنت میں جانا نہیں مانگتا۔ مجھے

ت کی کیا ضرورت جب آپ نہ ہوں؟ محبوب نہ ہو تو باغ کی ضرورت
ہے؟ بھائی جس کا دوست نہ ہو اسے باغ کی ضرورت کیا ہے؟ مجھے جنت
اس لئے چاہیئے کہ میں آپ کے ساتھ رہوں۔ اَسْئَلُكَ مُرَافَقَتَكَ
فِی الْجَنَّةِ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرماتے ہیں اَعِنِّی
عَلٰی نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ فرمایا اچھا ٹھیک ہے۔ تیری دعا قبول ہو
گئی۔ فرمایا کچھ تو سجدے کیا کر کچھ میں دعا کروں گا۔ تیرا کام بن جائے گا۔
بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ سجدے زیادہ کیا کر خدا کے سامنے اور میں بھی جنت
کروں گا۔ یعنی دعا کروں گا۔ شفاعت کروں گا۔ تجھے اپنی طرف کھینچوں گا۔ تیری دعا
پوری ہو جائیگی۔ تیرا مقصد پورا ہو جائے گا۔ تو سجدہ رب العالمین کے قرب
کا ذریعہ ہے۔ جب سجدے میں انسان ہوتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے بڑا ہی
قریب ہوتا ہے۔ کیونکہ سجدے سے بڑھ کر کوئی ذلت نہیں۔ انسان کے
لئے کہ ناک اور پیشانی زمین پر رکھ دیتا ہے۔

تو فرمایا فَصَلِّ لِرَبِّكَ آپ عبادت کریں نماز پڑھیں
اپنے پالنے والے کے لئے ـــــ کیا کہوں؟ قرآن ہے ـــــ یہ تو اکابر
فیض ہے ورنہ میں تو حقیقت سے مجرم انسان ہوں ـــــ لِرَبِّكَ
ـــــ اللہ اکبر بڑا نکتہ نکل آیا ـــــ یہ نہیں فرمایا فَصَلِّ لِاِلٰهِكَ
ـــــ ہاں ـــــ یہ نہیں کہا کہ خدا کی نماز پڑھ ـــــ اپنے پالنے والے
کی نماز پڑھ ـــــ تجھے پالنے والا کون ہے؟ تیری نوکری ہے تبھی تو ہم
چھوڑ دیتے ہیں نماز جی کام بہت زیادہ ہے۔ ارے تم نے نماز نہیں پڑھی؟
جی آج بہت کام تھا میں نے کہا پہلے فائلیں دیکھ لوں اور نماز پھر پڑھ

لوں گا" — گویا فیامین رب تھیں — او بھائی نماز نہیں پڑھی؟ ہمارے دیہاتوں میں آج کل لوگ ہل چلا رہے ہیں۔ کسان زمیندار لوگ بیج بو رہے ہیں یہاں کا بیج بو رہے ہیں۔ اس کی فکر ہے۔ قیامت کا بیج بونے کی کوئی فکر نہیں ہے۔ او بھائی نماز کے لئے تم نہیں آئے؟ ہمارے دیہاتوں کی مسجدیں ان دنوں میں ویران ہو جاتی ہیں کیونکہ سارے زمیندار لوگ ہل چلاتے ہیں۔ بیج بوتے ہیں پھر جب فصل کاٹتے ہیں، اس وقت بھی ویران ہوتی ہیں۔ اب جب ہل چلا چکیں گے اور بیج بو لیں گے تو سردی کے مہینے ہوں گے پھر مسجدیں آباد ہو جائیں گی۔ یعنی رب جو تھا وہ اور تھا۔ یہ رب نہیں ہے اللہ جانتا ہے کہ یہ مجھے پریڈوں پہ یاد کرتے ہیں انھوں نے میرے بنا رکھے ہیں۔ اور جب مانگنے لگتے ہیں۔ تو پھر پیچھا نہیں چھوڑتے۔ پھر کہتے ہیں۔ جلدی کر دے جلدی کر دے ایک دن بھی نہ لگے۔ حضرت صاحب دعا کرو۔ لوکری چھوٹ گئی ہے مانگنے پر آئے گھنٹہ بھی نہ دے۔ اور جب عبادت پہ آئے تو خدا کے ساتھ پروگرام بناتا رہے۔ اس لئے فرمایا فَصَلِّ لِرَبِّكَ اپنے رب کے لئے عبادت کر۔ رب کون ہے وہ رب ہے جس نے تجھے ماں کے پیٹ میں پالا: جس نے تجھے باپ کی پشت میں پالا۔ رب کون ہے؟ جس نے تیرے پیدا ہونے سے پہلے تیری ماں کی چھاتیوں میں دودھ کی نہریں چلا دیں۔ اس رب کی عبادت کر۔ عبادت کا وقت جب آئے۔ تو رزق کے مسئلے کو چھوڑ دے۔ رزق وہ دے سبحان اللہ۔ قرآن اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا مجموعہ کلام ہے۔ قرآن شریف میں فرمایا — مجھ کو ان کا علاج بتایا۔ ہم سب بیمار ہیں۔ وَ اَمْر

اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا
نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى (طٰہٰ ۱۳۲)
یا روزگار چھوٹ جائے، نوکری چھوٹ جائے زمینداری برباد ہو
جائے تو پھر کیا کر؟ وَأْمُرْ أَهْلَكَ اپنی بیوی کو اپنے بچوں کو اپنی
بچیوں کو، اپنے ملازموں کو اپنے متعلقین کو کیا کر؟ بِالصَّلٰوةِ نماز کا
حکم دے۔ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا اور اس پر پوری پابندی کر۔ نتیجہ کیا
ہوگا؟ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ہم رزق کے دروازے کھول
دیں گے۔ تیرے سامنے جتنے دروازے ہیں کھول دوں گا۔ وَالْعَاقِبَةُ
لِلتَّقْوٰى انجام کار پرہیزگاروں ہی کا ہوتا ہے۔

مجھے ایک دوست نے جو کیمبلپور میں ہیں۔ اور غریب آدمی ہیں۔ مگر
اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہیں۔ ریلوے سٹیشن پر وہ پانی پلانے پر ملازم
ہیں ـــ بڑے غریب آدمی ہیں۔ اس دن مجھے انہوں نے ایک واقعہ سنایا
کہ میں گھر آیا میری رات کی ڈیوٹی تھی۔ میں جب گھر آیا کہ کھانا کھا کے جاؤں
دیکھا کہ میرا بیٹا سخت بخار میں مبتلا ہے۔ شدید سے بخار ہے اور آپ یہ
اندازہ فرمالیں۔ جو لوگ سٹیشنوں پر پانی پلاتے ہیں ان کی تنخواہ کیا ہوگی اور یہ
تاریخ ۲۹ یا ۳۰ تاریخ تھی یعنی تنخواہ ختم ہو چکی تھی ہماری ـــ ویسے بھی ہمارا
تو یہ حال ہوتا ہے ـــ میری بیوی نے مجھے کہا کہ پانچ روپے کہیں سے پیدا
کرو۔ تاکہ اس بچے کا علاج کریں۔ تو میں نے بیوی کو یہ نہیں کہا کہ میرے
پاس تو پانچ دمڑیاں بھی نہیں ہیں۔ میں نے کہا بہت اچھا رات گزر
جانے دے تو صبح انشاء اللہ اسے حکیم کے پاس یا ڈاکٹر کے پاس لے جائیں گے۔

کیونکہ دکوئی ڈاکٹر صاحب ہوں تو ناراض نہ ہوں بھائی) ڈاکٹر صاحب تو
بلا فیس ہاتھ بھی نہیں لگاتے۔ پہلے فیس نکالو۔ پھر دیکھوں گا۔ ناک کی فیس
الگ۔ کان کی فیس الگ۔ اجی یہ سپیشلسٹ ہے۔ کہاں کا؟ ناک کا۔ دس
روپے لیتا ہے۔ تو پھر کسی کے نتھنے دیکھتا ہے کہ اندر رسولی ہے۔ یا کچھ
اور ہے؟ اللہ تعالےٰ ہمیں انسانی ہمدردیوں کی توفیق عطا فرمائے۔ ان
انسانوں کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ ہم میں پیدا فرما دے۔ ٹھیک ہے ہم
سب رزق کے متلاشی ہیں۔ مگر کہیں نہ کہیں تو کوئی انسانیت بھی ہونی
چاہیئے۔ مُردوں کو ہم ٹیکے لگا دیتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ہمارے حال پر رحم و کرم
فرمائے۔ تو کہتے ہیں میں گیا رات سٹیشن پر چلا گیا۔ اور میں دل میں یہ کہہ رہا
تھا کہ میں نے بیوی سے بڑا جھوٹ کہا۔ رات کو مجھے کون دے گا؟ اسٹیشن
پہ پہنچا۔ میری ڈیوٹی تھی۔ اپنی ڈیوٹی پہ پہنچ گیا۔ وہ جہاں پانی کے مٹکے
ہوتے ہیں۔ سحری کا وقت تھا۔ میں نے مصلےٰ بچھایا (تہجد خواں ہے) اور اللہ
تعالےٰ کے سامنے سر بسجود ہو گیا۔ اپنی نماز پڑھ لی۔ دعا کی اللہ تعالےٰ تو میرے
حالات پر رحم و کرم فرما۔ اتنے میں میں نے دیکھا۔ ریل آئی۔ غالباً تھل ایکسپریس
اس نے کہا یہ آئی۔ ایک بوڑھا آدمی ریل سے اترا۔ اس نے گاڑی بدلنی تھی
تو اس نے مجھے دیکھا تو کہا۔ کہ بھائی یہاں پہ کوئی مصلےٰ ہو تو مجھے دے دو
میں نے مصلےٰ بھی دے دیا پانی کا لوٹا بھی دے دیا اس نے اپنے اللہ تعالےٰ
کو یاد کیا۔ دعا کرنے کے بعد جب اٹھا تو مجھے پانچ روپے اس نے دیئے
یہ بہت بڑی بات ہے۔ یہ اتفاق نہیں ہے۔ ہمارے دوست کہتے ہیں نیچر
ہے نیچر — نیچر کہاں ہے؟ — اب کہاں گیا نیچر؟ بارش کیوں نہیں برستی

اکتوبر، نومبر کا مہینہ ہو اور بارش نہ برسے؟ نیچر کدھر چلا گیا ہے
ءَ اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ
الْقَهَّارُ (یوسف ۳۹) رب ایک ہی ہے۔ نیچر ونیچر کچھ نہیں ہے
جو اللہ تعالیٰ چاہے۔ يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ اللہ تعالیٰ
جو چاہتا ہے۔ وہ کرتا ہے۔ تو صبح میں جب آیا ـــ سویرے ہی آگیا۔ تو
میری بیوی نے کہا رات کو بچے کو کچھ آرام ہو گیا ہے۔ جب میں نے ہاتھ
لگایا تو بخار ٹوٹ چکا تھا۔ پانچ روپے بھی رہ گئے۔ یہ ہے خدا کی رحمت
ـــ یہ واقعہ عمومی نہیں ہے۔ بہت بڑا واقعہ ہے۔
تو عرض یہ کر رہا ہوں۔ قرآن فرماتا ہے۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ
تو عبادت کر اپنے رب کی۔ جو تجھے پالتا ہے۔ اس کے سامنے سر بسجود
ہو جا۔ وَانْحَرْ اور اس کا نام بلند کرنے کے لئے قربانی بھی دے
تو کھاتا اُس کا ہے۔ تیرے سامنے دین مٹ جائے تو صبر کرے جب
دیکھتا ہے کہ میرے رب کا نام مٹ رہا ہے۔ جب دیکھتا ہے کہ میرے
نبی ص کا کلمہ مٹ رہا ہے۔ تو تو جان کی بازی لگا دے۔ اپنی جان کو قربان
کر دے۔ تو نتیجہ کیا نکلے گا؟ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ تیرے
بدخواہ ہیں۔ اس دنیا سے مٹ جائیں گے۔ تیرا نام باقی رہے گا۔
وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فضائلِ قرآن مجید

مسلمانوں کی دونوں جہانوں کی بہتری اور کامیابی چیزوں میں سمجھ لی جائے اللہ تعالیٰ کا ذکر۔ اللہ تعالیٰ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت، اللہ تعالیٰ کے گھر مسجد سے تعلق۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کا پڑھنا۔ اور اس پر عمل کرنا۔ یہ ساری باتیں اور اس سب تعلیم پر عمل اسی وقت ہو سکتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید کی تلاوت کی جائے خداوند قدوس کا ارشاد گرامی ہے۔

اُتْلُ مَا اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ (عنکبوت ۴۵)
تو تلاوت کر اس کتاب کی جس کی تیری طرف وحی کی گئی۔

قرآن مجید کی تلاوت کے فضائل اور ثواب اس قدر زیادہ ہیں کہ اس سے بڑھ کر شاید ہی کسی عبادت کا اجر و ثواب ہو۔ ذیل میں چند احادیث ترجمہ کے ساتھ درج کی جاتی ہیں۔ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهٗ (ترجمہ) تم میں سے بہتر وہ آدمی ہے جو خود بھی قرآن مجید پڑھے اور دوسروں کو بھی پڑھائے

اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَّيَضَعُ بِهٖ آخَرِيْنَ۔ ترجمہ:۔ یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبول کرنے والوں

کو عزت عطا فرماتا ہے۔ اور اس کو چھوڑنے والوں کو ذلیل کر دیتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْ لَیْسَ فِیْ جَوْفِهٖ شَیْءٌ مِّنَ الْقُرْاٰنِ کَالْبَیْتِ الْخَرِبِ (ترجمہ) جس آدمی کو قرآن کا کچھ حصہ یاد نہ ہو وہ ویران گھر کی طرح ہے۔

هِیَ الْمَانِعَةُ هِیَ الْمُنْجِیَةُ تُنْجِیْهِ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ

حدیث میں ہے۔ کہ ایک صحابی نے صاف زمین پر خیمہ لگایا اس کو معلوم ہوا کہ نیچے سے سورہ الملک پڑھنے کی آواز آ رہی ہے واپس آکر سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سارا واقعہ عرض کیا تو یہ جملہ آپ نے فرمایا جس کا ترجمہ یہ ہے۔

" یہ سورت حفاظت کرنے والی ہے۔ یہ سورت نجات دینے والی ہے یعنی مردہ کو عذاب الٰہی سے (جو قبر میں ہوتا ہے) نجات دلاتی ہے۔ "

اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْاٰنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْکِرَامِ الْبَرَرَةِ

(ترجمہ) جو شخص قرآن میں ماہر ہے وہ تو درجہ میں ان ملائکہ کے ساتھ ہے جو قرآن کریم کے سفیر اور مکرم اور نیک ہیں۔

قرآن مجید کی تلاوت کے بعد یہ دعا پڑھے :۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ اَنْ تَرْزُقَنِیَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ وَالْعِلْمَ وَاَنْ تَخْلِطَهٗ بِلَحْمِیْ وَدَمِیْ وَسَمْعِیْ وَبَصَرِیْ۔

اے اللہ! مجھ کو قرآن مجید کی تلاوت اور اس کا علم عطا فرما۔ اور اس کو میرے گوشت اور خون اور کان اور آنکھ میں پیوست کر دے۔

"علمائے کرام، آئمہ حضرات اور دیندار بزرگوں کی خدمت میں"

بحمدہ تعالیٰ آج بھی ایسے درد مند بزرگ موجود ہیں جو سب سے زیادہ فکر اس بات کا رکھتے ہیں کہ قرآنی تعلیمات گھر گھر پھیل جائیں۔ مگر ان کی یہ دلی خواہش ایک سرد آہ میں آ کر گم جاتی ہے۔ اس لئے با ادب درخواست ہے کہ ہر درد مند دیندار بزرگ بہن اور بھائی اپنے اپنے حلقہ اثر میں درس قرآن مجید دے۔ اگر بعد از نماز فجر درس دیا جائے۔ تو زیادہ بہتر ہے۔ کہ فرمایا :۔

إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا (بنی اسرائیل ۷۸)

آئمہ مساجد واقعی اسلام اور مسلمانوں کی بڑی خدمت کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے۔ مگر ذرا قدم آگے بڑھایا جائے۔ ؎

حُدی را تیز تر میخواں چو محمل را گراں بینی

اگر صرف سادہ لفظی ترجمہ میں ایک رکوع کر دیا جائے تو بھی مفید ہے مقتدر علمائے کرام کی خدمت میں با ادب گزارش ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت محمود الحسن رحمتہ اللہ علیہما کی تقلید اور پیروی اسی میں ہے کہ درس قرآن کو عام کیا جائے۔ عام بھائیوں سے درخواست ہے کہ وہ شیخ التفسیر حضرت لاہوری رحمتہ اللہ علیہ کا مترجم قرآن مجید تلاوت کریں جو آسانی سے قرآنی مطالب کی طرف راہ نمائی کرتا ہے۔ "تنبیہ" آج کل ملک میں بلا عربی متن کے صرف اردو یا انگریزی میں چھپی ہوئی کتاب کو قرآن مجید کا نام دیا جا رہا ہے۔ حالانکہ قرآن وہی ہے جو عربی زبان میں ہے۔ یہ فتنہ قرآن مجید کے خلاف ایک سازش ہے۔ یہ فتنہ ۱۳۱۵ھ میں مصر میں یوں کھڑا کیا گیا کہ قرآن کی

عربی عبارت کو آسان عربی عبارت میں لکھا جائے۔ مگر اللہ تعالےٰ علمأ حق کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے اس فتنہ کو بڑھنے نہ دیا۔ بدقسمتی سے تقسیم برصغیر سے پہلے بعض تاجروں نے عربی متن کے سوا صرف اردو میں چھاپ کر قرآن مجید کے نام سے تجارت شروع کر دی مگر اس وقت مسلمانوں کے احتجاج پر اس کی اشاعت ممنوع کر دی گئی تھی۔ اب پھر وہی فتنہ ابھر رہا ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ اس ترجمہ کو قرآن کے نام سے نہ پڑھا جائے۔ بلکہ ایسی جسارت حرام ہے۔ اور اس سے اجتناب ضروری ہے۔
اللہ تعالےٰ ہم سب کو عمل کی توفیق سے نوازے۔ آمین!

آخری عرض

یہ درس قرآن مجید پورے سال کا درس ہے۔ درس کا مطلب نہ تو صرف علمی تفسیر ہوتا ہے۔ اور نہ ہی معارف اور احکام کا بیان کرنا۔ بلکہ درس قرآن مجید کا متعارف مطلب وعظ اور نصیحت ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد قرآنی ہے۔
وَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعِيدِ (ق ۴۵) اس لئے درس کو پڑھنے والے حضرات سے درخواست ہے کہ وہ اس درس کو درس ہی کی شکل میں مطالعہ فرمادیں۔ کسی فتویٰ یا شرعی حکم کے لئے علماء اسلام سے رجوع فرمائیں نیز اس کو اگر روزانہ تھوڑی تھوڑی مقدار میں امام مسجد حضرات مسجد میں اور دوسرے بھائی اور بہنیں گھروں میں بچوں کو پڑھ کر سنایا کریں تو اس سے انشاءاللہ بہت زیادہ علمی اور روحانی فائدہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ سب کو توفیق عمل سے نوازے۔ احباب اور بہنوں کی خواہش سے درس قرآن مجید کتابی شکل میں شائع کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر ہے کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے اس درس کو بہت زیادہ قبولیت بخشی۔ الحمد للہ علی ذلک،

مجموعہ درس قرآن مجید بابت سال دوم	ہدیہ	تین روپے
" " " " سوم	"	تین روپے
" " " " چہارم	"	تین روپے

دل درس یکجا طلب کرنے پر صرف دس روپیہ میں دیئے جائیں گے۔ کہ ہماری غرض تجارت نہیں بلکہ دین کی خدمت ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمادیں۔ آمین

مصنّف کی دیگر قابلِ مطالعہ دینی کتابیں

تفسیر تعلیم القرآن قرآن مجید کی مختصر مگر جامع تفسیر ترجمہ اور حاشیہ میں ضروری نوٹ ہیں۔ تفسیر کافی قبول ہوئی، پارہ چہارم سورہ بقرہ ۲ روپیہ ۵۰ پیسے

دینی لغات قرآن اور حدیث تفسیر اور فقہ کی لغات کا جامع حل اس سے پہلے اس قدر جامع لغت شائع نہیں ہوا۔ جلد اول ش تک ہدیہ — ۵ روپے۔

خلاصہ فقہ اسلامی سارے فقہ حنفی کا خلاصہ عبادات، معاملات اور احکام طلاق و نکاح، وراثت و شفعہ وغیرہ کا خلاصہ بار سوم۔ ہدیہ ایک روپیہ

رحمتِ کائنات مسلمانوں کا بنیادی اور اجتماعی عقیدہ ہے کہ سید دو عالم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روضۂ اقدس میں حیات ہیں یہ کتاب اسی عقیدہ پہ جامع اور ذرہ بابرکت کتاب ہے کہ اس کے مطالعہ سے بھی بعض علمائے حق کو سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوگئی۔ بار پنجم ہدیہ صرف ڈیڑھ روپے

سنتہ الانبیاء مسلمانوں کا ملی شعار داڑھی ہے۔ جس کو آج دیندار کہلانے والے بھی بہ رخصت کر رہے ہیں۔ اس رسالہ میں ثابت کیا گیا ہے۔ کہ داڑھی سب انبیاء

علیہم السلام کی سنت ہے،

باردوم قیمت پچاس پیسے صرف

"یاد فرمائی کا پتہ"

قاضی محمد ارشد الحسینی

دارالارشاد کیمبلپور

"پاکستان غربی"